

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ وَاتَّخَذَ مِنْ الْبَنَاتِ حُسْرًا

کلیات نظم حالی

یعنی

شمس الخدامو لانا خواجہ الطاف حسین حالی مرحوم پانی پتی

کے
تمام منظوم کلام کا مکمل مجموعہ
جلد اول

مستطبر قطعات - غزلیات و رباعیات
مرتبہ

شیخ محمد امجد علی سکریٹری پبلک لبریری پانی پت

شائع کردہ

حالی بک ڈپو پانی پت

فہرست مضامین کلیات نظم حالی جلد اول

نمبر شمار	عنوان نظم	صفحہ	نمبر شمار	عنوان نظم	صفحہ
۱۵	استفادہ	۲۳		دیباچہ	
"	لائق آدمی دوست اور دشمن	۲۴		حصہ اول - قطعات	
"	دونوں ہونا فائدہ اٹھا سکتے ہیں	۲۵		[از صفحہ ۱ تا صفحہ ۵۵]	
۱۶	سخن سازی R	۲۵	۱	چھڑوں کا بڑا بھانا	۱
"	عادت کا قلم عقل پر R	۲۶	۲	شعر سے خطاب	۲
"	شعر اور سلطنت میں دخل دینا	۲۷	۳	شاعرہ کی طرح پر غزل نہ کہنے کا عذر	۳
"	لوگ کسی کی خوبیاں منکرانے خوش	۲۸	۴	نکستہ صینی	۴
۱۷	نہیں ہوتے جتنے کہ اس کے عیب منکر	۲۸	۵	بے نیازی انا سے زباں	۵
"	شاہستہ لوگوں کا برتاؤ سال کے ساتھ	۲۹	۶	ایک خود پسند امیر زادہ کی تصنیف	۶
۱۸	امرات	۳۰	۷	موجودہ دولت کیلئے پیسہ	۷
"	پاس ٹیکنامی	۳۱	۸	پری کرنے کی بجائے توقع رکھنی	۸
۱۹	غور و بینک نامی	۳۲	۹	تفاخر سے نفرت کر کے پر تفاخر	۹
"	کلمے اور گوشت کی صحت کا میڈیکل امتحان	۳۳	۱۰	سید احمد خاں کی تکفیر	۱۰
"	خود ستائی	۳۴	۱۱	قرض لیکر حج کو جانے کی ضرورت	۱۱
۲۰	حکمہ نقس R	۳۵	۱۲	آزادی کی قدر	۱۲
۲۱	جس قوم میں افلاس ہو اس میں بخل	۳۶	۱۳	انگلستان کی آزادی اور ہندوستانی غلامی	۱۳
"	انہا بد بھائیوں قلیا اسراف	۳۷	۱۴	سید احمد خاں کی مخالفت کی وجہ	۱۴
۲۲	روسائے عہد کی فیاضی	۳۸	۱۵	قطعا اہل اللہ	۱۵
۲۳	ایمان کی تعریف ✓	۳۹	۱۶	لوگوں پر سخت گیری کر نیک انجام	۱۶
"	برکت اتفاق ✓	۴۰	۱۷	نیش کی تعریف ✓	۱۷
"	بعد صوری مانع قرب معنوی نہیں ہے	۴۱	۱۸	صفائی نہ رہنے کا عذر ✓	۱۸
۲۴	ناصح مخلص اور اہل عرض	۴۲	۱۹	دلی کی شاعری کا تنزل	۱۹
"	میں تیر	۴۳	۲۰	بیمبوں کی نسبت	۲۰
۲۵	خادم ادا کی خدمت میں کیوں	۴۴	۲۱	سید احمد خاں کی تصانیف	۲۱
"	گستاخ ہو جاتے ہیں؟	۴۵	۲۲	کی تردید	۲۲
"	خوشامد کی ضرورت	۴۶		یقین R	
"	برحمت پرنا اہل کو مسلط کرنا	۴۷			

صفحہ	عنوان نظم	نمبر شمار	صفحہ	عنوان نظم	نمبر شمار
۳۸	قلعہ مرتبہ ۱۳۰۵ھ بمقام حبس رآباد	۶۹	۲۶	زنگ	۴۵
۳۹	قطرہ در شکر اضافہ و لطیفہ بہ پیش گاہ { جناب آسمان جاہاں در مرتبہ ۱۳۰۹ھ	۷۰	۲۷	قانون	۴۶
۴۱	شہدہ قدیم حضور شاہ اودہ و یلزدور مندرستان	۷۱	"	شادی قبل از وقت بلوغ	۴۷
"	آخری سہارا	۷۲	۲۸	رحم	۴۸
۴۲	ترنیم ادا و یلیمان	۷۳	"	امراء	۴۹
۴۵	شہر حیدر آباد	۷۴	"	عصمت بی بی از بے چادری	۵۰
۴۶	تہنیت منہ نشینی حضور نظام دکن	۷۵	"	بیچ کہاں ہے ؟	۵۱
۴۸	حاضرین کا نفرین سے خطاب	۷۶	۲۹	اسنا الزام دوسروں پر تھوپنا	۵۲
۴۹	قوم کی طقت سے حضور نظام کا شکریہ	۷۷	"	خوشامد کے سنی	۵۳
۵۰	علی گڑھ کا کچ کیا سکھا تا ہے ؟	۷۸	"	تبریر قیام سلطنت	۵۴
"	شکر یہ مشر بردور	۷۹	"	مرد و عورت کی حکومت کا فرق	۵۵
۵۱	مشر بارلین کی روانگی ولایت	۸۰	۳۰	مغزو کی پہچان	۵۶
۵۳	خطاب بہ حافظ الملک	۸۱	"	کام اچھا کرنا چاہئے نہ جلد	۵۷
۵۴	شکر یہ مساعی حیلہ نافر علی خاں	۸۲	۳۱	گدا کے مہم	۵۸
		۸۳		بے اعتدالی	۵۹
	حصہ دوم - غزلیات	۸۴		طیب اپنے ہمارے	۶۰
۵۶	[از صفحہ ۵۶ تا صفحہ ۱۲۰]	۲۰۴	"	کے مرنے پر منہم کیوں	
		۲۰۵		نہیں ہوتے	
	حصہ سوم - رباعیات	۲۰۶		اپنی ایک ایک خوبی کو بار بار	۶۱
۱۳۱	[از صفحہ ۱۴۱ تا صفحہ ۱۶۸]	۳۵۲		ظاہر کرنا	
		۳۵۳		فصول خرمی کا انجام	۶۲
		۳۵۴		اخلاص و اہم رنج نہیں ہو سکتا	۶۳
		۳۵۵		انسان جو اشرف المخلوقات ہے	۶۴
		۳۵۶		سب زیادہ مورد آفات ہے	
		۳۵۷		چند باری کا انجام	۶۵
		۳۵۸		قوم کی پاسداری	۶۶
		۳۵۹		قطرہ جناب نواب سر آسمان جاہاں در مرتبہ ۱۳۰۵ھ	۶۷
		۳۶۰		تہنیت ولادت فرزند ارجمند در شہستان	۶۸
		۳۶۱		اقبال جناب نواب سر آسمان جاہاں در	

۱۔ تعداد قطعات ۸۲۱

۲۔ تعداد غزلیات ۱۷۲

۳۔ تعداد رباعیات ۱۶۸

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیلم

کلیاتِ نظمِ حالی

اُردو شاعری کے مجدد اور تکیانہ نظم کے موجد "سعدی ہند" شمس العلماء مولانا خواجہ الطاف حسین
حالی پانی پتی کا نام نامی ہندوستانی بیلک میں اب کسی تعارف کا محتاج نہیں رہا۔ ہر کہ دسہ آپ سے
واقف اور ہر چھوٹا بڑا آپ کی پرسوز نظموں کا دل دادہ ہے۔ مولانا نے جو کفایت انگیز روح ہماری
شاعری کے مردہ اور بچان جسم میں ڈالی جو اور اُردو نظم کو جس میں فحش شعروں۔ ناپاک اسوحتوں۔ خرافا
تنویوں۔ گندگی سے بہری ہوئی غزلوں۔ سچر وصال کے جھگڑوں۔ آسمان کی شکایتوں۔ رقیب کی
جڑائیوں۔ گل و بلبل کے تذکروں۔ گنگھی چوٹی کی داستانوں۔ عاشق کی وفاؤں۔ معشوق کی کچ ادائیوں
انظار کی راتوں۔ فراق کی بے قرار پوں۔ واعظوں اور ناصحوں پر صلواتوں اور پھبتیوں کے
سوا بالعموم کچھ نہ تھا اور وہ شخص اور پلید شاعری جس کا دفتر بے پایاں مولانا کے اس مصرع کا مصداق
ہو رہا تھا کہ "خفوت میں سنا اس سے جو ہے بدتر" اُسے اس ادنیٰ اور ذلیل حالت سے مولانا نے
جس معراجِ ترقی پر پہنچایا اور جیسے خوشنما نقش و نگار اور دلفریب پھول بوٹے اس میں بنائے ہیں اور اُسے
جس قدر اعلیٰ تا۔ ناقصانہ۔ ادبی اور فلسفیانہ سانچہ میں ڈھالا ہے وہ باخبر اصحاب سے مخفی نہیں۔ آپ
ہی کی ان تھک کوششوں اور زبردست مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے کہ آج ہم اُردو نظم کو اس حالت
میں دیکھ رہے ہیں کہ بفضلِ خدا اس میں ہر قسم کا پاکیزہ لٹریچر پیدا ہے جس میں

روز بروز اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ اہلیات کے مسائل اس میں طے کئے جاتے ہیں۔ کتب مقدسہ الہامیہ کے تراجم اس میں کئے جاتے ہیں۔ حدیثوں کا مطلب اس میں بیان کیا جاتا ہے۔ بزرگان دین کے ملفوظات اس میں لکھے جاتے ہیں۔ اخلاقی مضامین اس میں پائے جاتے ہیں۔ اصلاحی امور اس میں بتائے جاتے ہیں۔ تاریخی واقعات اس میں تحریر کئے جاتے ہیں۔ ادبی جوہر ریزے اس میں چمکتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ سائنٹفک اور علمی مسئلے اس میں قلم بند کئے جاتے ہیں۔ غرض ہر قسم کی مفید دلچسپ اور کارآمد معلومات کو نظم کا لباس پہنایا جا رہا ہے یہ سب کچھ تو ہے مگر تحت الشریٰ میں گری ہوئی اور بلا مبالغہ نجاست کے سمندر میں ڈوبی ہوئی ہماری شاعری کو پاک و مطہر بنا کر اعلیٰ درجہ کی بلندی تک پہنچانے کا سہل کس کے سر پہ؟ اگر آپ ادیبوں کی ایک مٹھل میں یہ سوال کریں تو درود یوار تک سے یہی صدا آئے گی کہ ”حالی کے“۔ ”حالی کے“

اخلاقی اور ناصحانہ نظم کا جس قدر پیش ہاذخیرہ حالی نے یادگار چھوڑا ہے (اور جس سے قبل انہیں ہماری نظم گویا بالکل تہی دست تھی) وہ ہمارے اس دور کی ایک زبردست اور روشن دلیل ہے۔ انیسیت کی باتیں عموماً کڑوی، کیلی اور ناگوار طبع ہوا کرتی ہیں۔ دیکھ لو اس قسم کی کتابوں کو کتب فروشوں کی الماریوں میں کیڑے کھا رہے ہیں اور کوئی انہیں دھیلے کو نہیں پوچھتا۔ اَلَا نَاشِئِرا سَد۔ مگر حالی نے انہیں کڑوی باتوں کو ایسے مفرح اور لذیذ شہد میں تبدیل کر دیا کہ لوگ انگلیاں چاٹتے رہ گئے اور یہی وجہ تھی کہ حالی کی نظم شہرت کے پڑ گلا کر اڑی اور دیکھتے دیکھتے سارے ہندوستان میں پھیل گئی۔ کوئی پتہ نہ رہا جس کی زبان پر حالی کے اشارے نہ ہوں کوئی جوان نہ رہا جس نے فرے لے لے کر حالی کی نظمیں نہ پڑھی ہوں۔ کوئی بوڑھا نہ رہا جس نے حالی کا کلام نہ سنا ہو۔ طبلے سازنگی پر وہ گایا گیا۔ حال و قال کی محفلوں میں وہ پڑھا گیا۔ مسجد کے محبروں پر وہ سُتایا گیا۔ قومی جلسوں کی وہ زینت رہا۔ سیاسی اجتماعوں میں اس کا ذکر آتا رہا۔ مذہبی تصانیف میں وہ نقل کیا گیا۔ طلباء کے کورس میں وہ داخل کیا گیا۔ غرض ملک کے طول اور عرض میں جس ذوق و شوق اور دلچسپی کے ساتھ اس کا خیر صفت م کیا گیا اور جتنی بے انتہا شہرت اُسے حاصل ہوئی وہ اپنی نظیر آپ ہے۔ اخلاق۔ اصلاح۔ معاشرت اور ہندو معنیت کے جو جھکے ہوئے پھول اس ہمدرد قوم ناصح کے منہ سے جھڑے وہ نئے

شاعری میں اپنی مست : بیچو کر دینے والی ہنک سے فضائے عالم کو ہمیشہ معطر کرتے رہیں گے
ایک دینا اُن سے فیضیاب اور ایک عالم اُن سے مستفید ہوگا۔

حالی کے کلام کی شہرت صرف وطن ہی تک محدود نہیں رہی بلکہ نہایت جلد مولانا کی زندگی
ہی میں ہندوستان سے نکل کر سبندوں کو طے کرتی ہوئی فرانس اور انگلستان تک پہنچ چکی
تھی اور ادھر ہٹاؤں کو عبور کر کے افغانستان اور اس سے گذر کر ایران تک کے پڑے ہوئے
اشخاص حالی کے نام سے روشناس ہو چکے تھے۔ خود اُن کے اپنے وطن میں متعدد مذاہن میں
اُن کی لائٹنی اور اثر انگیز نظموں کے تراجم نہایت اہتمام اور نفاست کے ساتھ شائع ہو چکے ہیں۔
اُن کے تمام مطبوعہ کلام پر تفصیلی ریویو اور تبصرہ کرنے کی تو خود اُس زبان میں جس میں وہ کلام موجود ہے
اب تک کسی کو توفیق نہیں ملی لیکن ہندی میں یہ کام اب سے بہت پہلے ہو چکا ہے۔ اُن کی مشہور و
معروف نظم موجودہ کی مناجات، نہ معلوم کس درود کے ساتھ اور کیسی نیک ساعت میں لکھی
گئی تھی کہ اب تک دس سے زیادہ زبانوں میں اس کے ترجمے ہو چکے ہیں اور اُن کا سلسلہ ابھی تک
بند نہیں ہوا۔ خود اردو میں اُن کے کلام کی مقبولیت اس درجہ بڑھی کہ غالباً کوئی کتب فروش
نہیں جس نے حالی کی نظمیں فروخت نہ کی ہوں اور کوئی مطبع نہیں جس نے حالی کا کچھ نہ کچھ کلام نہ چھاپا ہو
ایک ایک نظم اور ایک ایک کتاب کے بیسیوں اڈیشن شائع ہوئے اور ہاتھوں ہاتھ بکھل گئے۔

اُن کی سمدس جتنی مرتبہ ملک کے مختلف مطابع سے چھپ کر شائع ہوئی وہ اس اثر اور جوش میں
دوبنی ہوئی عظیم النظر نظم کی حد سے بڑھی ہوئی مقبولیت کی کھلی ہوئی دلیل ہے۔ ایک سے ایک
اعلیٰ اور نئی نئی وضع و طرح کے بہت سے نفیس اور خوبصورت اڈیشن سمدس کے شائع ہو چکے
ہیں اور ایک ایک وضع کا اڈیشن دس دس اور پندرہ پندرہ مرتبہ شائع ہو کر دیکھتے دیکھتے ختم
ہو چکا ہے۔ مطابع والوں نے اس کی بددلت سیکڑوں روپے حاصل کئے اور کتب فروشوں
نے اس سے ہزاروں کمائے۔ وہ حالانکہ ۱۸۶۹ء میں تصنیف کی گئی تھی اور اس کے بعد
کی سیکڑوں تصانیف آج دنیا کو بالکل فراموش ہو چکی ہیں۔ لیکن سمدس کی اشاعت ہر لغزینی
اور مقبولیت میں ہرگز کوئی کمی نہیں آئی۔ آج بھی وہ ہر کتب فروش کی دوکان کی اُسی طرح زینت
ہے جیسے آج سے قبل گذشتہ چالیس برس کے زمانہ میں یہی ہے۔ بلکہ جوں جوں زمانہ گزرتا
جائے گا یقین ہے کہ اس کی اشاعت اور مقبولیت بڑھتی جائے گی۔

وقت علیٰ ہذا تمام کلیات کی چار جلدیں ہیں۔ ہر ایک جلد متعدد حصص پر منقسم ہے اور ایک حصہ میں تمام ایک ہی قسم کی نظمیں ہیں۔ تدوین کتاب کے وقت یہی ترتیب کچھ بھلی منوم ہوئی ورنہ ترتیب کی بعض اور صورتیں بھی ذہن میں تھیں۔

کلیات کا مسودہ میں نے انتہائی احتیاط کے ساتھ مرتب کیا ہے۔ ایک ایک شعر کا متعدد نسخوں سے مقابلہ کر لیا ہے تب لکھا ہے۔ کتاب کی کاپیاں مطبع سے آئیں تو ایک چھوڑ تین تین مرتبہ ان کا بغور مطالعہ کر کے غلطیوں کو درست کیا۔ غرض حتی الامکان غلطی کا امکان نہیں رہنے دیا۔ اتنے کثیر ”دہم“ کے سمجھی اگر پیش نظر صفحات میں کوئی ایک آدھ غلطی رہ گئی ہو تو ناظرین سمجھ لیں کہ مزید احتیاط میرے اختیار سے باہر تھی۔

دیباچہ ختم ہو گیا۔ اب اصل کتاب شروع کرتا ہوں۔ خدا جن قبول روزی کرے اور اس کو سدس کی سی بلکہ اس سے بھی دھچند قبولیت نصیب ہو۔ اندر جگہ جہاں آمین باد۔

خاکسار

محمد سمیع از پانی پت

جنوری ۱۹۲۷ء

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
سُورَةُ الْكَافِرَاتِ

حصہ اول

قطعات

چھوٹوں کا بڑا بن جانا

کھینچ کے یاروں سے یہ کہا	چند خطوط اک دانائے
کوئی ہے چھوٹا کوئی بڑا	”دیکھ لو! ان میں جتنے ہیں خط
وے یو نہیں چھوٹے خط کو بڑا“	ہے کوئی؟ جو بے ہاتھ لگائے
اٹھ کے دیا ایک اک کو مٹا	ایک نے جتنے خط تھے بڑے
خط کوئی چھوٹے خط کے سوا	جب نہ رہا وہاں پیش نظر
تھا وہی چھوٹا وہ ہی بڑا	دیکھا اٹھا کر آنکھیں جبرم
قوم میں باقی حسان ذرا	کل کی ہر یار و بات کہ معنی
آدمیوں کا کال نہ تھا	قوم میں جیسا حال ہے اب
اخط و اعشیٰ کے ہمت	تھے موجود آدمیوں میں

نشیوں میں ایسے تھے بہت
 شعر میں تھے استاد اکثر
 لے گئی اُن کو آخر کار
 اہل ہنر کا نام و نشان
 حالی و زید و عمربے
 اب چاہو - استاد گنو
 ہم ہیں وہی ناچیز مگر
 جن پہ کہ نازاں تھی انشا
 سحر بیاں اور نکتہ سرا
 جسہر فنا کی موج بہا
 قوم میں جب باقی نہ رہا
 صاحب دیوان نام خدا
 یا ہمیں سمجھو تم کیت
 گیتِ ناموتِ اکبر الہ

شعر سے خطاب

اے شعر و لہریب نہ ہو تو - تو غم نہیں
 صنعت پہ ہو فریفتہ عالم اگر تمام
 جو ہے راستی کا اگر تیری ذات میں
 حسن اپنا گردِ مکا نہیں سکتا جہان کو
 تو نے کیا ہے جس حقیقت کو موج خیز
 وہ دن گئے کہ ٹھوٹ تھا ایمان شاعری
 اہل نظر کی آنکھ میں رہنا ہے گر عزیز
 ناک اپری داس تری گر چڑھائیں لوگ
 چپ چاپ اپنے سچ سوئے جادلوں میں گھر
 جونا بگدیں اُن کو بتا چور بن کے راہ
 پر تجھ پہ حیف ہے - جو نہ ہو دل گذار تو
 ہاں سادگی سے آئیو اپنی نہ باز تو
 تحین روزگار سے ہے بے نیاز تو
 آپے کو دیکھ اور کراپنے پہ ناز تو
 دھوکے کا غرق کر کے رہ گیا جہاز تو
 قبلہ ہوا ب ادھر تو نہ کیجی نماز تو
 جو بے بصر ہیں اُن سے نہ رکھ ساز باز تو
 معذور جان اُن کو جو ہے چارہ ساز تو
 اونچا ابھی نہ کر علم امتیاز تو
 گر چاہتا ہے جگر کی عمر و راز تو

۱۱ یعنی بڑے آدمیوں کی موت نے ہمیں بڑا کر دیا ۱۲

۱۳ بلدواقت راہ اور نا بلدواقت راہ ۱۴

محمود جان آپ کو گرہے امان تو
اب راہ کے نہ دیکھ نثیب و فراز تو
بیروں کا ساتھ چھوڑ کے اپنا جہاز تو
اسکے خلاف ہو تو سمجھ اسکو شاخ تو
حالی کو تجھ پہ ناز ہے کراس پہ ناز تو

غرت کا بھید ملک کی خدمت میں ہے چھپا
اے شرارہ راست پہ توجہ کہ پڑ لیا
کرنی ہو فتح کرنی دنیسا تو نے نکل
ہوتی ہو سچ کی قدر یہ یہ مقدر یوں کے بعد
جو قدر داں ہو اپنا اُسے منتقم سمجھ

مشاعرہ کی طرح پر غزل لکھنے کا عذر

طبع رنگیں تھی مئے عشق کی جب متوالی
جو غزل لکھتے تھے ہوتی تھی سراسر حالی
سر ہر سودا سے تھی عشق سودا دل ہو خالی
نہ رہی چیز وہ مضمون سو بھانے والی
گرچہ ہوں لفظ نصیح اور زباں ٹکالی
ایسے باغ سے آوروں کے لگا کر ڈالی
کیجئے دروچہ رانی کی کہی نقالی
وہ ہوا جس سے داغ اپنا ہوا ہو خالی
”تجربہ چوں پیر شود پیشہ کند دلالی“

ہوئی ریمان جوانی کی بہار آخر حیف
اپنی رُوداد تھی جو عشق کا کرتے تھی بیا
اب کہ الفت جو نہ چاہت نہ جوانی نہ مانگ
گر غزل لکھتے تو کیا لکھتے غزل میں آخر
آپ بیٹی نہ ہو جو ہے وہ کہانی بے لطف
ہاں مگر نیچے کچھ عشق کا غیروں کے بیاں
کھینچے وصلِ صنم کی کہی فرضی تصویر
تاکہ بٹھر کاے جوانوں کے دل آتش کی طرح
پر یہ ڈر ہے کہیں اپنی بھی وہی ہونہ مثل

ملکتہ چینی

جس طرح بن آئے بیٹا نام پیدا کیجئے
اس میں ایک اپنا پسینا اور لہو کر دیجئے
اور سخن کی داد ہر پردہ جواں سے لیجئے

بانے بیٹے کو سمجھایا کہ علم و فضل میں
کیجئے تصنیف اور تالیف میں سعی و تبلیغ
دیجئے معنی کے نظم و نثر میں دریا بہا

اور نہ ہو اگر شروائش کی لیاقت آپ میں شاعروں اور مشیہوں پر نکتہ چینی کیسے

بے تمیزی ابناء کے زمان

از رہ فخر آبگینہ سے یہ ہیرے نے کہا
جنس تری کس ہیرس اور قدر قیمت تری پہنچ
دے کے دھوکا تو اگر الماس بچائے تو کیا
نکرا کر آبگینہ نے یہ ہیرے سے کہا
مجھ میں اور تجھ میں مگر کر سکتے ہیں جو امتیاز
تیرے جوہر گو نہیں موجود اپنی ذات میں

”ہر وجود اسے مبتذل تیرا برابر اور عدم
تیرے پانی کی خوشی کچھ اور نہ گم ہو نہ کا عظم
امتحان کے وقت کھل جاتا ہے سب تیرا بھرم
گو کہ ہے رتبہ ترا مجھ سے بڑا ہے مخرم
ہیں مبصر ایسے اس بازارِ ناپرساں میں لم
تجھ سے لے الماس لیکن اچھوڑ رہتے ہیں ہم

ایک خود پسند امیر زادہ کی توضیح

کہتے ہیں اک امیر زادہ اکو،
خصلتیں جو امیر زادوں میں
گو کہ رکھتا نہ تھا ہنر کوئی
کچھ نہ تھا۔ پر سمجھتا تھا سب کچھ
واہ واسنتے سنتے یاروں کی
الغرض ایک روز صحرایں
مشق تیر افگنی میں تھا مصروف
آکے دیکھا جو اک ظریف نے حال
تیر جتنے کمان سے چھوٹے
جا کے بھولے سے بھی نہ پڑتا تھا

تھا خدنگ افگنی کا شوق کہیں
لازمی ہیں۔ وہ اس میں بھی سب تھیں
اس پہ تھا خود پسند اور خودیں
علم تیر و کماں میں اپنے تئیں
ہو گیا تھا ہنر کا اپنے یقین
جب کہ تھے ساتھ سب جلیں قرین
کر رہے تھے خوشامدی محیں
دجہ تھیں ہوئی نہ ذہن نشیں
پائے سب بے اصول بے آئین
تیر۔ آماجگہ کے کوئی تھیں

ایک جاتا تھا چھٹ کے سوئے شمال
کچھ جو شوخی ظہر لیت کو سو بھی
خاک تو دے پہ جا کے ہو بیٹھا
ناوک انداز بولا چلا کر
یا خفا ہو کے گھر سے آیا ہے
عرض کی چارہ کیا ہو اسکے سوا
زد سے ان بے پناہ تیروں کی
مجھ کو ہر پھر کے شش جہت میں حضور

ایک جاتا تھا پھٹ کے سوئے مین
رکھ کے بالائے طاق سب تکین
لوگ کرتے رہے چنان و چنین
”کوئی تجھ کو جنوں ہو لے مسکین
یا کہ دو بھر ہے تجھ کو جان خرین“
جب کہ جائے گریز ہو نہ کہین
کہیں جاں دار کو اماں مہین
امن کی اک جگہ ملی ہے مہین

موجودہ پولیٹکل اسپیش

اے ہریم سفیرانِ دَول کے سخن آرا
یہ سچ ہے کہ جادو ہی بیان میں ترے لیکن
ظاہر ہے نہ غصہ میں بیان سے تری رنجش
ہے دلیں نہاں ایک شکایات کا طومار
جو صلح کی باتیں ہیں وہ ہیں شہد سے شیریں
گر سوچئے تو سیکڑوں پہلو میں مغز کے
دل کی تری ہوتی نہیں معلوم کوئی بات
کھلتا نہیں کچھ اسکے سوا تیرے بیان سے

ہر خورد و کلاں تیری فصاحت پیدا ہے
کچھ سحر بانی کا تری ڈھنگ نیا ہے
نہ لطف میں کچھ طرزِ بیاں اس سے جدا ہے
اور لب پہ جو دیکھو تو نہ شکوہ نہ گلا ہے
اور جنگ میں کچھ لطفِ سخن اس سے سوا ہے
اور سنئے تو زنجیرِ دس سے ہر قولِ بند ہے
گو نگاہیں گویا نہیں کیا جائے کیا ہے
اک مرغ ہے خوش لہجہ کہ کچھ بولے گا ہے

تھے لب پئے اظہار پہ اب آکے کھلا یہ
”انسان کو اخلا کے لئے نطق ملا ہے“

بدی کر کے نیک نامی کی توقع رکھنی

نامنصف و بے رحم تھا ایک ضلع کا حاکم
برتاؤ سے نالاں تھی بہت جس کے عہدیت

جب دورہ کو اٹھتا تھا تو دیہات میں جا کر
تھا پوچھتا ایک ایک سے ازراہ شرارت
”ہیں پرگنہ کے لوگ سمجھتے ہمیں کیسا؟“

کرتے ہیں ہماری وہ ستائش کہ ”ذمّت“؟
تھی اس کی مثال ایسی کہ اک شخص بد آواز

جس کو کہ خود آواز سے تھی اپنی کراہت
گاتا تھا کھڑا ہو کے اور آواز کے پیچھے

ہر بار لپکتا تھا بصد تیزی و سرعت
ہو تاکہ یہ معلوم کہ ہر دوس سے میری

آواز خوش آئند و یا قابل نفرت

تفاخ سے نفرت کرنے پر تفاخر

زاہد نے کہا ”زینت اسباب پہ جو لوگ
اُتراتے ہیں۔ اک آنکھ مجھے وہ نہیں بھاتے“
حالی نے کہا ”جن کو ہر اُترنے سے نفرت
اُتر کے وہ اس طرح نہیں ناک چڑھاتے“

سید احمد خاں کی تکفیر

مختلف اقوال میں اسلام کی تعریف میں
بعض کے نزدیک توحید اسکی حِدّ نام ہے

ہو مگر جہو کے نزدیک یہ مردود قول
کیونکہ اس سے ماننا پڑتا ہے اس حمت کو عام
بعض کہتے ہیں کہ ”شری تیرے سب امین ہیں
پر یہ حد بھی جامع مانع نہیں عند العزل
ایمنی کا مستحق ہے خاص کر اپنا گروہ
بعض کہتے ہیں ”شعار اسلامیوں کا ہو لباس
بعض بتلاتے ہیں کچھ اور بعض فرماتے ہیں کچھ
مذہب منصور ہو لیکن بیان کرنا ضرور
اہل حل و عقد میں اب متفق اس رائے پر

جو ہیں قائل اسکے اُن پر کفر کا الزام ہو
جس سے غیر اہل قبلہ جو ہر وہ ناکام ہو
بس مسلمان دو میں داری اسی کا نام ہو
کہتے ہیں ”اسلام جو سمجھے اُسے وہ خام ہو
اور سب کا لفظ یا راغیاں سب کو عام ہو
جو لباس غیر پہنے خارج از اسلام ہو
حصر کرنا ان تمام آراء کو مشکل کام ہو
جو سلم آج کل نزدیک خاص عام ہو
”سید احمد خاں کو کا فر جانتا اسلام ہو“

قرض لے کر حج کو جانے کی ضرورت

قریب سمجھ - قرض لے کے اک دیندار
کہا یہ اُس سو اک آزاد نے کہ ”اے حضرت
کہ قرض لے کے چلے میں حضور سوئے حجاز
نہ نان نفقہ فرزند و زن سے خاطر جمع
سایہ - اور بہت ترش ہو کے فرمایا
وہ بادشاہ کہ جو دشمنوں کو دیتا ہے
خبر نہ لے گا وہ کیا اپنے میہمانوں کی
جنہیں فراغت و تنگی میں ہے اسی سو امید

چلا بہ بنیت حج - گھر سے سوئے بیت اللہ
کیا ہو آپ پہ شارع نے جبر یا اکراہ؟
وطن میں چھوڑ کے اطفال کو بجال تباہ
نہ زاد و راحلہ کا ساز و برگ خاطر خواہ
کہ ”روکتا ہے مسلمان کو حج سو اک گمراہ
نگین و خاتم و طبل و نشان و تخت و کلاہ
پہنچتے جو کہ ہیں طے کر کے بر و بحر کی راہ
جنہیں سلامت و آفت میں ہو اُسی کی پناہ“

۱۱ احوال مختلفہ میں سے جو قول راجح ہو اسکو معذہب منصور کہتے ہیں ۱۲ حالی

وہ سچ بولا کہ ”ناخواندہ میہمانوں کو
ذلیل ٹہرتے ہیں جو بے بلائے جاتے ہیں
یہ سن کے شیخ نے دیکھا ادھر ادھر کہ کہیں
بلائے کے پاس پھر آہستہ اس سے فرمایا
قدم پہنچتے جانتا کہ میں نچتے کاروں کے
خدا کے حکم میں مبنی تمام حکمت پر
نماز و روزہ ہو۔ یا ہوطاف عمرہ و حج
اسی طرح یہ وسیلے معاش کے ہیں تمام
مگر سلیقہ و تدبیر شرط ہے۔ ورنہ
یہ کہنے سننے کی باتیں نہیں ہیں برخوردار

امید لطف کی کہنی ہر میراں سے گناہ
طفیلیوں کی نہیں عورتوں میں غرت جاہ
ہو مدعی نہ تجسس میں یاں کوئی ہمراہ
”ابھی زمانہ کی چالوں سے تو نہیں آگاہ
جوان خام کی دانتک نہیں پہنچتی نگاہ
فتوح جنہیں جو دنیا و دین کی خاطر خواہ
حصول جیسے کہ ہوتا ہے اُن سے قریالہ
نہ جنہیں چاہیے محنت نہ کوشش جانباہ
ہزاروں پھرتے ہیں حجاج سادہ لوح تباہ
وگر نہ علم تعلیمت وسیع ہے والدہ

آزادی کی قدر

ایک ہندی نے کہا ”حاصل ہے آزادی جنہیں
قدر دال اُن سے بہت بڑھکر ہیں آزادی کے ہم
ہم کہ غیروں کے سدا محکوم رہتے آئے ہیں
قدر آزادی کی جتنی ہم کو ہوا اتنی ہے کم
عافیت کی قدر ہوتی ہے مصیبت میں سو
بنیوا کو ہے زیادہ قدر دینا رو دیرم
”تَرْفُ الاشْيَاءُ بِالْاَضْدَادِ“ ہے قول حکیم
دے گا قیدی سے زیادہ کون آزادی دیرم

۱۵ یعنی ہر ایک چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے ۱۲

سن کے اک آزاد نے یہ لاف پچکے سے کہا

”بے سقر۔ موری کے کیرے کے لئے باغ ارم“

انگلستان کی آزادی اور ہندوستان کی غلامی

کہتے ہیں ”اک آزاد ہو جاتا ہے جب لیتا ہے سانس

یاں غلام آکر۔ کرامت ہے یہ انگلستان کی

اس کی سرحد میں غلاموں نے جو ہیں رکھا قدم

اور کٹ کر پاؤں سے ایک اک کے بیڑی گر پڑی“

قلب باہیت میں انگلستان ہو گریبا کم نہیں کچھ قلب باہیت میں ہندوستان بھی

اک آزاد۔ یاں۔ آزاد رہ سکتا نہیں وہ رہے ہو کر غلام۔ اسکی ہوا جن کو لگی

سید احمد خاں کی مخالفت کی وجہ

سید احمد خاں کے اک منکر سے یہ پوچھا کہ ”آپ“

کس لئے سید سے صاف نام حضرت والا نہیں ؟

کہا فرمود ہمیشہ اس کو ٹھیراتے ہیں آپ

ثابت اسلام اسکا۔ نزدیک آپ کے گویا نہیں

آپ بھی (نام خدا) ہیں تارک صوم و صلوٰۃ

اور سلوک اسلام سے خود آپ کا اچھا نہیں

خود نبوت پر سنے ہیں ہم نے ایراد آپ کے

لے یعنی بطور موری کے کیرے کو موری میں آرام ملتا ہے اور وہاں سے کہیں جانا نہیں چاہتا

اسی طرح جو میں ہمیشہ محکوم رہتی چلی آئی ہیں وہ غلامی ہی میں خوش رہتی ہیں ۱۲

اور اُلُوہیت سے بھی دل حج حضرت کا نہیں
چشم بہ دور آپ کا بھی جب کہ ہے مشرب وسیع

پھر یہ سید پر تبرا آپ کو زیبا نہیں

سُن کے فرمایا ”اگر ہو پوچھتے انصاف سے بات یہ ہے سُن لو صاحبِ تہمتی کچھ پر نہیں
بچ کچھ اسکا نہیں مجھ کو کہ وہ ایسا ہے کیوں؟ بلکہ ساری کوفت ہر اسکی کہ میں دیا نہیں“

مخطا اہل اللہ

کل غافلہ میں تھی حالت عجیب طاری جو تھا سو چشم پر غم۔ اپنا تھا یا پرایا
”دینا سے اٹھ گئے سب تھے مریدِ صادق“ یہ کہ کے شیخ کا دل بیباختہ بھر آیا
ہننے کہا ”مریدی باقی رہی نہ پیری“ یہ کہ کے ہم بھی دے اور اسکو بھی لایا

نو کروں پر سخت گیری کر نیکا انجام

ایک آقا تھا ہمیشہ نو کروں پر سخت گیر
در گذر تھی اور نہ ساتھ اُنکے رعایت تھی کہیں

بے سزا کوئی خطا ہوتی نہ تھی اُن کی معاف
کام سے مہلت کہی ملتی نہ تھی اُن کے تئیں

حُسنِ خدمت پر اصفانہ یا صلہ تو در کنار
ذکر کیا بھلے جو پھوٹے مٹھ سے اُسکے آفریں

پاتے تھے آقا کو وہ ہوتے تھے جیساں سوچا
نتھنے پھولے سٹھہ چڑھا۔ ماتھے پہ بلِ ابرو چہن

تھی نہ جز تنخواہ نو کر کے لئے کوئی فتوح

آکے ہو جاتے تھے خائن جو کہ ہوتے تھے امین
رہتا تھا اک اک شر الٹا نامہ ہر نوکر کے پاس

فرض جبیں نوکر اور آقا کے ہوتے تھے تعین
گر رعایت کا کبھی ہوتا تھا کوئی خواستگار

زہر کے پیتا تھا گھونٹ آخر بجائے انگبین
حکم ہوتا تھا ”شر ایٹا نامہ“ دکھلا دیں

تاکہ یہ درخواست دیکھیں ”اجبی ہے یا نہیں“
واں سوا تنخواہ کے۔ تھا جس کا آقا ذمہ دار

تھیں کریں جتنی وہ ساری نوکر کے ذمہ تھیں
دیکھ کر کاغذ کو ہو جاتے تھے نوکر لا جواب

تھے مگر وہ سب سب آقا کے مارِ استیں
ایک دن آقا تھا اک منہ زور گھوڑے پر سوار

تھک گئے جب در کرتے کرتے دستِ نازنین
دفنہ قابو سے باہر ہو کے بھاگا راہوار

اور گرا اسوار صدرِ زمیں سے بالائے زمین
کی بہت کوشش نہ چھوٹی پاؤں سے لیکن کاب

کی نظر سائیس کی جانب۔ کہ ہو اگر معین
نہا مگر سائیس ایسا سنگ دل اور بی وفا

دیکھتا تھا اور لٹ سے مس ہوتا تھا معین
دور ہی سے تھا اسے کاغذ دکھا کر کہہ

”دیکھ لو سرکار اس میں شرط یہ لکھی نہیں“

نیشن کی تعریف

یہ ہے مافی ہوئی جمہورگی رائے
کہ نیشن وہ جماعت ہے کم از کم،
مگر وسعت اسے بعضوں نے دی ہے
وہ نیشن کہتے ہیں اس بھڑکے بھی
زبان اس کی نہ ہو مضمون اس کو
جو واحد لا شریک اس کا خدا ہو

اسی پر ہے جاں کا اتفاق اب
زبان جسکی ہو ایک اور نسل و مذہب
نہیں جو اسے میں اپنی مذہب
کہ جس میں وحدت مفقود ہوں سب
ہوں آدم تک جدا سب کے جد و آبا
تو لاکھوں اس کے ہوں معبود اور رب

صفائی نہ رکھنے کا عذر

راہ سے گزرا کہیں میلا کچھلا اک غلام
عرض کی "ایک ایک" داس ہو جن کی ایک غیر
جو ہیں آزاد اور صفائی کا نہیں رکھتے خیال
کیونکہ جہم آدمی میں پیش اہل معرفت

انکے میلے پن پر لوگوں نے ملامت اس کو کی
اختیار اسکی صفائی کا نہیں رکھتے رہی
عذر میلے پن کا شاید وہ بھی رکھتے ہوں یہی
کوئی چیز اسکی نہیں سب ہو امانت گور کی

دلی کی شاعری کا تنزل

اک دوست نے حالی کے کما از رہ انصاف
چند اہل زبان جن کو کہ دعویٰ تھا سخن کا
شاعر کو یہ لازم ہے کہ ہواہل زبان سے
معلوم ہے حالی کا جو ہے مولد و منشا
اردو کے و صنی وہ ہیں جو دلی کے ہیں در

"کہتے ہیں پسند اہل زبان اس کے سخن کو"
بولے کہ "نہیں جانتے تم شعر کے فن کو
ہو چھو نہ گئی غیر زبان اس کے دہن کو
اردو سے بھلا واسطہ ہر حضرت وطن کو
پنجاب کو مس اس سے نہ نورب دکن کو

کیا عالم گلشن کی خبہ زراغ و زغن کو
خالص نہ ہو تو کیجئے کیا لے کے لبین کو
پہونچے گا نہ دنافسہ آہوئے فتن کو
کیا پھونکے اس ساختہ میا خستہ پن کو
حق کہنے سے وہ رکھ نہ سکا بازو ہن کو
”کیوں صاحبو! عزت اسی رُدوسی فن کو
کیوں آپ لگے ماننے حالی کے سخن کو
پر آپ نے بدنام کیا اپنے وطن کو“

میل ہی کو معلوم ہیں انداز چمن کے،
حالی کی زباں گر بمشیل نہ لبین ہو
ہر چند کہ صفت سے بنائے کوئی نافہ
مانا کہ ہے بیخاستہ پن اس کے بیاں میں
یہ دوست نے حالی کے سنی جب کہ تعلق
کچھ شعر تھے یاد اُنکے پڑھے اور یہ پوچھا
سچ یہ ہے کہ جب شعر ہوں سرکار کے ایسے
حالی کو تو بدنام کیا اس کے وطن نے

بیٹیوں کی نسبت

کہ کسی گھر میں اگر ہوتی تھی سدا دُختر
گاڑ دیتا تھا زین میں کہیں زندہ جا کر
جو کہ اندھے میں ہے کے نہیں کچھ اگلو خبر
سب سے اول اُنھیں ہوتا ہے یہ منظور نظر
اور مہ دھرتے جو ذات میں بخ افضل تر
اُن کے معلوم ہوں عادات و خصال کبیر
دو دنوں نزدیک قرابت میں ہو باہر گر
جا کے پردیس میں بیٹی کو دیا سیاہ اگر
پر نہیں دیکھتا یہ کہ کوئی کہ کیا ہو بڑ
کچھ بُرائی نہیں۔ دُختر نا ہو داماد اگر

حاصلیت کے زمانہ میں یہ تھی رسم عرب
سنگدل باپ سے گودے لیکر ماں کی
رسم اب بھی یہی دنیا میں ہی جاری۔ لیکن
لوگ بیٹی کے لئے ڈھونڈتے ہیں جب بیوہ
ایسے گھر سیاہ ہے بیٹی کو جو ہو آسودہ
جانے پہچانے ہوں سمیہا نہ کو سارے زن مرد
ایک ہی شہر میں ہوں دونوں گھر لائے آباد
جیتے جی مر گئی بس اُن کی طرف سو گویا
چھان میں اسکی تو کرتے ہیں کہ گھر کیا ہو
بد مزاجی ہو۔ جہالت ہو کہ ہو بد چلی

وہ ہی ناشدنی ریت ہے جس کے کارن بکریاں بھیڑتے پانی میں پوند کشہ
جاہلیت میں تو مٹی اک یہی آفت کہ ہاں گاڑ دیا جاتی مٹی بس خاک میں تنہا و خیر
ساتھ بیٹھی کے مگر اب پدر و مادر بھی زندہ در گور سردا رہتے ہیں اور خستہ جگر
اپنا اور بیٹیوں کا جبکہ نہ سوچیں انجام جاہلیت سے کہیں ہے وہ زمانہ بدتر

سید احمد خاں کی تصانیف کی تردید

اک مولوی کہ تنگ بہت تھا معاش سے

برسوں رہا تلاش میں وجہ معاش کی

وہ شہر شرفو کری کی ٹوہ میں پھرا

لیکن نہ اس کے ہاتھ کہیں نوکری لگی

اخبار بھی نکال کے بخت آزمائی کی

تدبیر یہ بھی اس کی نہ تقدیر سے چلی

روزی کی خاطر اس نے کئے سیکڑوں جتن

بر کی کہیں نصیب نے اس کے نہ یادری

راہ طلب میں جب ہوئی گشتگی بہت

اک خضر پہ خجستہ نے کی آ کے رہبری

جھک کر کہا یہ کان میں اُس کے کہ آج کل

سنتا ہوں چھپ رہی ہے تصانیف احمدی

جا۔ اور لفظ لفظ کو اس کے چھپیٹ کر

تردید اس کی چھاپ دے جو ہو بُری بھلی

پھر دیکھنا کہ اس وچپ و گر دو پیش سے

لگتی ہے کیسی آکے زرو سیم کی بھڑی“

دُنیا طلب کو چاہیے ابد فریب ہو
دُنیا پہ جب تک کہ مُسلط ہے ابھی

یقین

آتی نہیں ہے شرم تجھے اے خدا پرست
جی میں ترے ہزاروں گزرتے ہیں سو سے
جسکا یقین ہے تیری یقین سے کہیں سوا
وہ مانگتا ہوں سے مرادیں ہے عمر بھر
گو حاجت اسکی اُن سی ہوئی ہو نہ ہو
آتا نہیں یقین میں اسکے کہی تصور
اُمید اس کی روزِ فزوں ہی اور التجا
تو بندہ غرض ہے۔ وہ راضی رضا پہ ہے
وہ ہے کہ یہ ہے بندگی؟ اسے بندہ خدا

استفادہ

لیجئے پھیک ڈوکر گرہ ہے گداگری کا یہ
ہی ہی اصل کتاب۔ ہو جئے سب متفید
جس سے ملے جہاں ملے جو ملے اور جب ملے
رک ملے۔ یا منزل ملے۔ درس ملے۔ ادب ملے

لائق آدمی دوست اور دشمن دونوں سے فائدہ

اٹھا سکتے ہیں

قول ایک حکیم کا ہے کہ ”گر غور کیجئے
اول تو سو جھٹا ہی نہیں عیب دوست کو
ہے حق میں سب کے دوست دشمن مفید تر
اور سو جھٹا ہے تو نہیں لانا زبان پر

پراکب بار دشمن اگر دیکھ پائے عیب
دشمن سے بڑھ کے کوئی نہیں آدمی کا دوست
اور دوست زیادہ نہیں کوئی بد سگال
گو قول ہو متین پہ جو بھٹی سخن کی ہتھ
دشمن کے جو کہ طعن سے ہوتے ہیں مستفید
اور جو کہ دوست نہیں سن سکتے اپنے عیب
جن کو خدا نے جوہر قابل دیا ہے یاں

سو نہو طرح سے وہ اُسے کرتا ہے جلوہ گر
منظوظ ہے حال کی صلاح ہوا اگر
رکتا ہے جو کہ دوست کی عیب اُس کو سترتا
افسوس ہو حکیم کی ہونچی نہ داں نظر
عیب انکے دوست کیوں نہ جتا لنگے بے خطر
وہ دشمنوں کے طعن سو کیا ہونگے بہر دور
موقوف عیبت انکی نہ دشمن نہ دوست پر

سخن سازی

ہر مرد سخن ساز بھی دنیا میں عجب چیز
موجود سخنگو ہوں جہاں اں ہیں طیبی آپ
دونوں میں کوئی نہ ہو تو آپ ہیں سب کچھ

پاؤ گے کسی فن میں کہیں بند نہ اُس کو
اور جاتے ہیں بن آپ طیبیوں میں سخنگو
پر ہرچ ہیں جس وقت کہ موجود ہوں دونو

عادت کا غلبہ عقل پر

دیکھ عادت کا تسلط میں نے عادت سو کہا
ہنکے عادت نے کہا گیا عقل ہو مجھ کو لگا

”گھیر لی عقل صواب اندیش کی سب نے جائے
میں ہی بیخاتی ہوں نا داں رفتہ رفتہ عقل درجے

شعرا کو سلطنت میں دخل دینا

”چاہیے گر رونقِ علم زباں
مُنتے ہیں یہ اک مدبر کی ہر رائے

شاعروں کو سلطنت کا کیجر کن
جیتے اُسکی سب رکائیں ہیں عیان
راے صاحب ہو بظاہر اور مبین
گو کیا اس کا نہیں کچھ امتحان
شعر و انشا کو تو ہوشاید فروغ
ہو بہت کم بر خلاف اسکے گمان
سلطنت کا پر خد افاضہ ہر جب
شاعروں کے ہاتھ ہو اُسکی عنان
اور جو وہ شاعر ہیں ہندوستان کے
شعر و انشا کو بھی ہے خوفِ زبان
ایک پر انہیں سے چل سکتا نہیں
دوسرے کا جادوئے حسن بیان
ایک جب چلنے نہ دیکھا ایک کی
پھر ترقی شعر و انشا کی کہاں؟

لوگ کسی کی خوبیاں سن کر اتنے خوش نہیں ہوتے جتنے کہ
اُس کے عیب سن کر

اپنے عیبوں کے ہیں ہم جتنے کہ مسنوں حالی
اس قدر خوبیوں کے اپنے نہیں شکر گزار
لوگ جب عیب ہمارا کوئی سن پاتے ہیں
گو کہہ کرتے ہیں تاسف کا بہ ظاہر اظہار
پر خوشی کا ہے یہ عالم کہ ہو سچ اُن کو کمال
گر نصیبوں سے وہ افواہ غلط پائے قرار
اور جو ہو گوشِ زدا اُن کے کوئی خوبی اپنی
خوش تو پڑتی ہے بنانی انہیں صورتِ ثچار
دل میں ہوتا ہے مگر غم کا یہ عالم اُنکے
کہ ملال اپنا چھپا سکتے نہیں وہ زہن سار
بِسْمِ اللّٰہِ کہ مخلوق کے خوش کرنے کا

فلس میں اپنے ہی سامان بہت کچھ تیار

شایستہ لوگوں کا برتاؤ سائل کے ساتھ

انگریز کے سوانہ کسی سے تھا مانگتا
پوچھا کسی نے اُس سے کہ اسکا سبب کیا
چھٹ جائے تاکہ مجھ سے یہ لپکا سوال کا
آتا تھا مانگنے میں بہت بھیک کے مزا
منت سے عجز سے کہی ملتا نہیں ٹھکا
گر چند روز اور رہا۔ ان سے سابقہ
کی آفرین اور اُس سے مخاطب یوں کہا
حق میں ترے مفید ہیں یہ اُسے بھی سوا
اہل وطن پہ اُن کی مگر جان ہے فدا
دل بھائیوں پہ بھی نہیں اُنکا پیچتا
جتنے کہ یہ عزیز عزیزوں سے ہیں خفا
شایستگی کا نہ رہے جب انھیں چڑھا

عادت تھی اک فقیر کی کرتا تھا جب ال
مدت تک اُسکی جب یہی دیکھی گئی روش
بر لاکہ ”عادت اسلئے کی ہے یہ اختیار
پہلے جو بھاگوں سولتی تھی روز بھیک
پر جب سے یہ سوال کا اس قوم پر مدار
امید ہو کہ مانگنے کی چھوٹ جائے نکت
آیا جواب سن کے یہ اس کا بہت پسند
”فیوٹو ہیں جو کہ ملک میں تسلیم یافتہ
انگریز اگرچہ ہندیوں کے حق میں ہیں تبیل
پر۔ جو کہ دیسیوں میں ہیں تعلیم یافتہ
انگریز اتنے اجنبیوں سے نہیں نفور
اہل غرض پہ کاٹنے کو دوڑتے ہیں یہ

اسراف

”کب تک اے نادان یہ جُتال موز
ہے سدا دُنیایا ہی میں رہنا مگر؟
زر لٹا نارا انگال اور اس قدر
آپ کا دُنیا سے ہے غم سفر“

ایک مسرف نے یہ ممیک سے کہا
تو۔ جو یوں رکھتا ہے دولت چڑ چڑ
ہنس کے ممیک نے کہا ”اُمی سادہ لوح
آج ہی گویا (نصیب دشمنان)

پاسِ نیک نامی

اے نیک نام شکرِ کرامت کا ادا
جس نے بنایا نیک بچے کر کے نیک نام
ہوتا اگر نہ پاسِ بچے نامِ نیک کا
پھر دیکھتے کہ کرتا ہے تو کیسے نیک کام
حاشا کہ تجھ کو خوفِ خدا کا ہوا سقدر
جتنا کہ خوفِ طعنہ و تشنیعِ خاصِ عام

غورِ نیک نامی

گئی ہے حد سے گذرِ شیخ کی نیکو نامی
گمانِ بد کہی اُس کی طرف نہیں جاتا
جو اُس کے عیبِ قسم سے بیان کرے کوئی
خود اُس کو عیب کا اپنے یقین نہیں آتا

کالے اور گورے کی صحت کا مدیکل امتحان

دو ملازم - ایک کالا اور گورا دوسرا
دوسرا پیدل - مگر پہلا سواری راہوار
تھو سول سرجن کی کوٹھی کھڑے دو نورواں
کیونکہ بیماری کی رخصت کو تھو دو نوں عجم شکار
راہ میں دونوں کو باہم ہو گئی کچھ مشت مشت
کو کھ میں کالے کی اک مُٹکا دیا گوری نے بار
صدیہ پہنچا جس سے تلی کو بہت مسکین کی
آگے گھوڑے سے لیا سامیں نے اسکو اتار
ٹھوک کر کالے کو گورے نے تو اپنی راہ لی
چوٹ کے صد سے عمن کا لے کو آیا چند بار
آخر ش کوٹھی پہ پہنچے جاکے دو نو پیش و پس
ضارب اپنے پاؤں اور مضروب ولی میں سے اور
ڈاکٹر نے آگے دو نوں کی سنی جب سر گذشت
تہ کو جا پہنچا سخن کی سن کے نقشہ ایک بار
دی سند گوری کو لکھ بقی جہیں تصدیق مرض
ادریہ لکھا تھا کہ ”سائل ہے بہت زار و نزار
یعنی اک کالا نہ جس گورے کے گئے سے مری
کو نہیں سکنا حکومت ہند پر وہ زمیندار
اور کہا کالے سے ”تم کو مل نہیں سکتی سند
کیونکہ تم معلوم ہوتے ہو بظاہر جا ندار

ایک کلاسیٹ کے جو گورنر سے فریاد کر رہے تھے کہ بابا اس کی بیماری کا کیونکر اعتبار

خود ستائی

ایدل! بشر وہ کون ہے جو خود ستائے؟
 جو زبور خسرو سے معترض ہیں سادہ لوح
 جوان سے تیز ہوش میں سو سو طرح سے وہ
 کہتا ہے ایک کیسی حماقت ہوئی ہے آج
 کہتا ہے دوسرا کہ گیا ہو کے منفعل
 پردہ میں زیر کی کے چھپا تا ہے بخل یہ
 کچھ اسلئے کہ ہم بھی انہیں میں سے ہوں شمار
 کچھ اسلئے کہ اپنا جو انصاف آشکار
 کہتا ہو ایک لاکھ نہ مانے بُرا کوئی،
 کہتا ہے ایک گرہے خوشامد کا اور ہی
 دھوکا ہنر کا دے کے چھپاتا ہو عیب یہ
 چپ چاپ سن رہا ہو کوئی اپنی خوبیاں
 کہتا ہو اس پر کوئی کہ سب حسن ظن ہے یہ
 قانع ہے وہ انہیں پہ سیکو دصف جو بیاں
 کہتا ہو زید عمر وہ شدت سے سادہ لوح
 کہتا ہے عمرو زید بھی کہتا ہے عیب ہیں
 یہ اس کا اور وہ اس کا بیاں کر کے کوئی عیب
 غیبت اسید ہے کہ نہ ہوتی تہجان میں
 پر خود ستائیوں کے ہیں عنوان جدا جدا
 کرتے ہیں خوبیاں وہ بیاں اپنی بر ملا
 پردوں میں کرتے ہیں اسی مصنون کو ادا
 کبیل تھا ایک گھر میں سو سال کو ویریا
 سال کی ڈوب میں سینے دیا مال جب دکھا
 اور بن کے بوقوف جتا تا ہے وہ سخا
 اہل وطن کی اپنے بہت کرتے ہیں ثنا
 کرتے ہیں اپنی قوم کی تنقیص حسابجا
 ہے عیب صاف گوئی کا ہم میں بہت بُرا
 پر جاتے آدمی کو ہیں کہہ کہہ کر ہم بُرا
 اور منہ سے دُر د کہہ کے دکھاتا ہے وہ صفا
 یعنی کہ یہ بیان ہے سب است اور بجا
 اک خاکسار کو جو دیا تم نے یوں بڑھا
 اور چاہتا ہے ہم کہ ہو تعریف کچھ سوا
 گنتا ہے سب کو نیک وہ اچھا ہو یا بُرا
 بد جو کہ نیک اسکی زباں سے نہیں بجا
 ہر اک ہے اپنی اپنی بڑائی نکالتا
 ہوتا اگر یہ خاک کا پستل نہ خود ستا

حالی جو تیرے کھول ہے ہر جہان کے
یعنی کہ لاکھ پردوں میں کوئی چھپائے عیب
القصہ جبکو دیکھتے جاہل ہو یا حکیم
شاید کہ اُس سے آپ کا ہو گا یہ مدعا
اپنی نظر سے رہ نہیں سکتا کہسی چھپا
آزار میں خودی کے ہے بیچارہ مبتلا

حملہ نفس

ہم سمجھتے تھے کہ نفس دُور ہمارے بس میں ہے
گر کبھی حملہ پہ اُس کے غالب آجاتے تھے ہم
پر جو دیکھا غور سے وہ بھبکیاں تھیں نفس کی
جن کو نادانی سے حملے اُسکے ٹھہراتے تھے ہم
جب کیا حملہ دیے سب عقل نے ہتیار ڈال
زور بازو ہمیشہ جس کے اتراتے تھے ہم

جس قوم میں افلاس ہو اُس میں بخل اتنا بد نما نہیں جتنا
اسراف

حالی سے کہا ہے کہ ہوا اس کا سبب کیا
لیکن بخلاف آپ کے سب اگلے سخنور
اسراف بھی مذہوم ہے۔ پر بخل سے کتر
حالی نے کہا روکے نہ پوچھو سبب اسکا
کرتے تھے بخیلوں کو ملامت سلف اُسوقت
وہ جانتے تھے قوم ہو جس وقت تو نگر
اور اب کہ نہ دولت ہو نہ ثروت ہو نہ اقبال
جب کرتے ہو تم کرتے ہو اسراف کی بڑت
جب کرتے تھے کرتے تھے بخیلوں کو ملامت
ہو جس سے کہ انسان کو بالطبع عداوت
یاروں کے لئے ہو یہ بیان موجبِ وقت
جب قوم میں فراغت تھی دولت و ثروت
پھر اسیں نہیں بخل سے بدتر کوئی خصلت
گھر گھر پہ ہے چھایا ہوا افلاس و فلاکت

ترغیب سخاوت کی ہو اب قوم کو ایسی پرواز کی ہو چوڑیوں کو جیسے بہت

روسائے عہد کی فیامنی

کی رئیس شہر کی تعریف یاروں نے بہت
 برسبیل تذکرہ باہم جو ذکر اس کا چلا،
 بولے آج اس کا نہیں ہمارا فواری میں نظیر
 عالم ان شہر مدعو اس کے رہتے ہیں سدا
 ضلع کے حکام کا ادنیٰ اشارہ چاہیے
 پھر کوئی دیکھے سخاوت اسکی اور بذل عطا
 یادگارین جتنی ہیں اعیان دولت کی نہیں
 انہیں صرف اسکی رقم ہو سب کے چند سو
 پالکی یا وگینٹ ہے جو سواری اس کے پاس
 اہلکاروں کے لئے ہو وقف بے چون چرا
 کیا کلکٹر کیا کاشنر کیا سپاہی کیا عس
 اس کی بہت کے ہیں سب مداح بے دُوریا
 جب یہ دیکھا مدح کا دست نہیں ہوتا تمام
 جوڑ کر ہاتھ ان سے حالی نے بعد بہت کہا
 عیب بھی اس کا کوئی آخر کرد یارو بیاں
 سنتے سنتے خوبیاں جی اپنا ملانے لگا

ایمان کی تعریف

فقہ شہر نے ایمان کی جو کی تعریف
 کہا ”فیتلہ“ اقرار باللسان ہے ضرور
 کہا کسی نے کہ نکلا ہے اندوں کی تیل
 تو دی چراغ سے اُسکو بکتاب مثال
 جہاں ہوا تش صدیق و روعن اعمال
 نہیں ضرور فیتلہ کا جس میں استعمال

برکت نفاق

کہہ رہا تھا یہ اک آزاد کہ ہے جیٹ پ
 نہ انھیں حاجت اعوان - نہ تلاش انصار
 پر - نہیں رابطہ جس قوم میں در یک جہتی
 نہ ملاؤ ان کے لئے قلعہ نہ خندق نہ فیصل
 ایک ملانے سنا جب یہ سخن - فرمایا
 اتفاق اور نفاق اصل میں کچھ چیر نہیں
 دان ملت کی ضرورت ہے - نہ کچھ پھوٹ کا ڈر
 کہا آزاد نے سچ ہے کہ ”وہ دمی ساتھ اگر
 پرستہ خوب ہے اللہ کی عادت معلوم
 دیکھ اور اس قدر - اسباب پہ کرنا ہی گناہ
 دست قدرت کے ہو سب تہ سفید اور سیا
 پر گئی فضل کی مولا کے جد ہر ایک نگاہ
 کر دیں افراد پر اگندہ - جماعت کو تباہ
 اُسکو جب دیکھا جو - دیکھا ہی جھوٹ کے ہمراہ

بُعدِ صوری مانعِ قربِ معنوی نہیں ہے

حالی نے جو رہنے کے لئے شہر میں اک گھر

لے یعنی کرو سین آکل جو بغیر ہتی کے بھی جل سکتا ہے - گویا حبیب کے نزدیک اقرار باللسان
 ایمان کی تعریف میں داخل نہیں ہے ۱۲ -

جا اپنے محلہ سے کہیں دور بنایا
جب اہل محلہ سے چلا ہو کے وہ رخصت

دل دردِ جدائی سے عزیزوں کا بھرا آیا
ہمائیہ و اجاب لگے کرنے سبافوس

اک دوست شکایت سے سخن لب پہ یہ لایا
”بتی۔ کہ جو بے عقل ہر دم دیتی ہے گھر پر
اتنی بھی محبت تمہیں گھر سے نہیں آیا؟“

حالی نے کہا ”اُس ہے خیر اور۔ و فناء
بتی نے مزا پھل کا و فناء کے ہنیں پایا

اُس مہر و وفا کی نہیں بتی پہ بڑی چھینٹ
کتنے نے ہے جس کا کہ سبق ہم کو پڑھایا
ہم غش ہیں مینوں پہ وہ عاشق ہر مکان کی

گھر بچوں گئے ہم تو ہمیں تم کو کھب لایا
گھر دل میں ہو یاروں کا تو پھر۔ گھر ہی برابر

مشرق میں بنایا ہو کہ مغرب میں لایا

ناصر مخلص اور اہل غرض میں تمیز

منصو نے یہ جعفر صادقؑ سے عرض کی
”محتاج ہے ہمیشہ سے ناصر کا ہر شہر
ہوتا رہوں گا پسند کسی حضرت کی بہرہ ور“
فرمایا ”ہوتے ہیں تیری صحبت میں جو تیرے
اور جن سے ہر امید نصیحت وہ بالیقین

لائیں گے وہ نہ حرف نصیحت زبان پر
صحبت میں بیٹھے سے کرینگے تری حذر

خادم آقا کی خدمت میں کیوں گستاخ ہو جاتے ہیں

کہتے ہیں خادم ماموں کے بہت گستاخ تھے
 ”کوئی آقا جبکہ خوش اخلاق ہوتا ہے بہت
 ایک دن خادم کی گستاخی پہ ماموں نے کہا
 پیش خدمت اس کے بد اخلاق ہوتے ہیں سدا“
 ہے دلیل اسکی کہ ہے خود خلق آقا کا بُرا
 اُس نے گویا ڈھادیار کن رکیں اخلاق کا
 کھو دیا ہیبت کو اپنی جس نے اور تمکین کو

خوشامد کر نیکی ضرورت

مستوکل کا تیر چڑیا پر
 ابن حمدوں ندیم تھا حاضر
 ہو گیا اتفاق سے جو خطا
 کی خلیفہ کی مدح اور یہ کہا
 ”جن کو خلق خدا یہ شفقت ہو
 جانہ سکتی تھی بیچ کے تیر سودہ
 تو نے دی قصداً اسکی جان بچا“
 کہ خوشامد سے یوں سے تھکا
 ہو کے اپنی خطا سے کھیا نا
 تیر کا اپنے امتحاں کرتا
 دل تو ہوتا خلیفہ کا ٹھنڈا
 ابن حمدوں نے کی یہ انائی
 دور تھا در نہ کیا خلیفہ سے
 جائے کنجشک ابن حمدوں پر
 ابن حمدوں کی جان گوجاتی

رعیت پر نا اہل کو مسلط کرنا

ہارون نے کہا۔ مصر لگا ہاتھ جب اسکے
 وہ خطہ ملعون تھا یہی جس کی بدولت
 ”فرعون کا تھا مصر ہی نے مغر چلایا
 تھا دل میں خدائی کا خیال اُس کے سما
 اک بندہ سیدر کو کج بشوں کا خدا“
 میں بھی اُسے اُس باغی طاغی کے علی الرغم

کہتے ہیں خصیب ایک غلام حبشی تھا
 کی سلطنت مصر کی باگ اُسکے حوالے
 باڑی گئی بہ ایک برس نیل کی رو میں
 فرمایا کہ ”روئی کی جگہ بوتے اگر اون
 ہارون نہ سمجھا کہ ولایت ہے خدا کی
 فرعون کی مانند اگر وہ بھی سمجھتا
 جو کچھ میں نہ یوں ڈالتا مخلوق کو اپنی
 محکوم ہے جو میری رعایا دبریا
 اپنے کو خدا جس نے ہر عالم کو بنایا
 اک سفلہ ناکس کی بنا اس کو رعایا

ر شک

ظاہر مردوں کی طینت میں نہیں رشک اس قدر
 ہے طبعیت میں وہ جتنا عورتوں کی جاگزین
 ایک شہزادی کہ اکوتی تھی جواں باپ کی
 تخت شاہی پر ہوئی بعد از پدر سند نشین
 سلطنت میں اُسکی۔ تھامردوں کو کئی اختیار
 عورتیں اصلاً ذخیل اس کی حکومت میں تھیں
 مرد ہی تھے اس کے محرم۔ مرد ہی اس کے مشیر
 تھانہ عورت کا پستہ دربار میں اُسکے کہیں
 تخلیہ میں ایک دن جب چند حاضر تھے ندیم
 ہنس کے فرمایا کہ ”اے دولت ارکانِ رکیں
 مرد ہونے کے سبب تم سے نہیں مانوس میں
 بلکہ ہے انس اسلئے تم سے کہ تم عورت نہیں“

بات کی۔ جن بیاں سے اُس نے دی صورت بدل
 تاکہ کوئی سُورِ ظن اس پر نہ کر بیٹھے کہ میں
 در نہ یوں کہتی کہ وہ ہے عورت کی سیرت سے مجھ
 اس لئے نفرت کہ ہے مردوں کی صورت و نشیں

قانون

کہتے ہیں ہر فرد انسان پر ہر فرض
 پر جو بیچ پوچھو۔ نہیں قانون میں
 اُس میں پھنس جاتے ہیں جو کمزور ہیں
 پر اُسے دیتے ہیں توڑاک آن میں
 حق میں کمزوروں کے ہے قانون وہ
 انسان قانون کا بعد از خدا
 جان کچھ کڑمی کے جالے سے سوا
 اور ہلاکت نہیں کچھ دست و پا
 جو سکتا کہتے ہیں ہاتھوں میں ذرا
 اور نظر میں زور مندوں کی ہے لایا

شادی قبل از وقت بلوغ

جب تک نہ شانہ زادہ اٹھارہ سال کا ہو
 قانون ہے بنایا یہ اُن مقننوں نے
 لیکن کریں نہ اُسکی قبل از بلوغ شادی
 نزدیک اُن کے گویا برغم عقل و دانش
 تحتِ پدر یہ اُس کو ممنوع ہو بھٹاتا
 عالم میں آجکل جو مانے ہوئے ہیں دانا
 کہتے ہیں وہ عبث ہے قانون یہ بنانا
 ہے کنگڈم سے آساں میڈم کو بس میں لانا

حرص

اشنائے و عظم میں ہے تکیہ کلامِ دعا عطا
 گویا کہ حرص اُسکی اس سے بچی نہیں ہو
 ”قدرِ قلیل ہے سب مال و منال دینا“
 ہے جقدر فراہم پاس اُسکے مال دینا

اُمرا اور عقلا

جاتے ہیں اگر پاس امیروں کے خرومند
پر اپنی ضرورت سے خبردار نہیں ہیں
بیمار کے محتاج ہیں جتنے کہ اطب
بیمار کو کچھ اس سے سوا انکی ہر حاجت
وہ جانتے ہیں جو کہ ہر جانے کی ضرورت
ملنے عقلا سے نہیں صاحب ضرورت

عصمت بی بی ازبے چادری

اے بیواؤ! ہنستے ہو کیا منعموں پر تم
تم زور سے نفس کی ہوجبی تک چھوڑے
اسباب جو کہ جمع ہیں منعم کے گرد و پیش
اخراج میں کچھ اُن کے اگر آگیا بگاڑ
موجب تلک کہ پڑے ہو مغلسی کی آڑ
گر تم کو ہوں نصیب تو دنیا کو دو جاڑ

سیح کہاں ہے؟

دیکھنے ہوں تمہیں گر جھوٹ کے انبار لگے
دیکھ لو جا کے خزانوں میں کتب خانوں کے
سیح کو تحریروں میں پاؤ گے نہ تقریروں میں
سیح کہیں ہے تو وہ سینوں میں ہو انسانوں کے

اپنا الزام دوسروں پر پھوپنا

ٹھوٹ کارِ مگر سے جب کوئی بگڑ جاتا ہے کام
اپنے اوزاروں کو وہ الزام دیتا ہے سدا
افسروں کا بھی یہی شیوہ ہر وقت باز پرس

اپنے ماتحتوں کے مرنے میں تھوپ اپنی خطا

خوشامد کے معنی

تمہاری ہر دم اسے اربابِ دولت
وہ گویا تم کو کرتے ہیں ملامت
نہیں انہیں سے تم میں ایک خصلت

خوشامد کرتے ہیں آ کے جو لوگ
خوشامد پر نہ اُن کی بھولنا تم،
کہ جو ہم نے بیاں کیں خصلتیں نیک

تدبیرِ قیامِ سلطنت

وہاں پاؤں جانے کے لئے تفرقہ ڈالو
یہ حرفِ مُبک بھول کے منہ سے نہ نکالو
مانو اسے۔ اور عقل کا کہنا بھی ٹالو
جو بات مُبک ہو اسے منہ سے نہ نکالو

تدبیر یہ کہتی تھی کہ جو ملک ہو مفتوح
اور عقلِ خلاف اس کے تھی یہ مشورہ دیتی
پر۔ رائے نے فرمایا کہ ”جو کہتی ہے تدبیر
کرنے کے ہیں جو کام وہ کرتے رہو لیکن

مرد اور عورت کی حکومت کا فرق

مردوں کی حکمت میں ملکوں کی بُری گت
داں ملک ہو سرسبز اور آباد رعیت
بقضہ میں ہو داں عورتوں کے دولتِ مکت
سمجھو کہ ہر اس ملک میں مردوں کی حکومت

پوچھا کسی دانا سے سبب کیا ہے کہ اکثر
لیکنِ خلاف اس کے ہر عورت کا بھارا ج
فرمایا کہ ”ہوتے ہیں جہاں مرد جہاں دار
اور سرپرست ہے عورت کے جہاں افسر شاہی

مغز کی پہچان

تو سمجھو کرتا ہے اپنے غرور کا اظہار

غرورِ زید کی کرتا ہے گرشکایتِ عمرو

جنہوں نے آپ کو سب سمجھ لیا ہے بڑا بڑائی دیکھ نہیں سکتے غیر کی زہن سار

کام اچھا کرنا چاہیے نہ جلد

کام اچھا کوئی بن آیا اگر انسان سے اس میں کی تاخیر اس نے جھڑا چھا کیا
کب کیا کیونکر کیا۔ یہ پوچھتا کوئی نہیں بلکہ میں یہ دیکھتے جو کچھ کیا کیا کیا؟

گدا کے مہم

ایک برہمن مورتی کے سامنے با صد نیاز مانگتا تھا ہاتھ پھیلائے دعا بیٹھا کہیں

آن نکلا بانو اک مانگتا کھاتا ادھر دیکھ محویت برہمن کی گیا بس جم دیں

جی میں آیا چھٹر کر قائل برہمن کو کرے تاکہ پوجے کچھ نہ کچھ یاروں کو ہو کر شرمگین
مورتی کے سامنے جب کر چکا وہ التجا

بانو ابولا کہ ہے ”تو بھی عجب کوتاہ میں“ مورتی کچھ شکوہ دے گی اور نہ دے سکتی ہو وہ

ناحق اتنی التجا میں اس کے آگے تو نے کیں“ ہنس کے برہمن نے کہا ”ہے مانگنا بندہ کا کام

دے نہ دے وہ اس کو کچھ مطلب نہیں پرتیں ہم نہیں دیتے ڈھسی تم جیسے ڈھیلوں کی طرح
ہاتھ پھیلاتے ہیں لیکن پاؤں پھیلاتے نہیں“

بے عتدالی

ذرا دھست اپنے سُنو گالیں دھس کے
جد ہر دھل گئے۔ ہو رہے بس ادھر کے
تو چیخ اُٹے دودن میں ہماؤ گھر کے
کہ اُٹھ جائیں ساتھ ہی سب ایک ایک کر کے
تو فرصت لے شاید اب تم کو مر کے
کہ بس ٹھن گئے غم جنگِ تیر کے
تو پھر گھاٹ کے آبِ ہیں اور نہ گھر کے
کہ چھوڑیں گے اب آپ دفن کو بھر کے
رہیں پاؤں کے ہوشِ جسمیں سر کے
غرض یہ کہ سرکار میں پیٹ بھر کے

تم اسے خود پرستو طبیعت کے بندو
نہیں کام کا تم کو اندازہ ہر گز
جو گانے بجانے پہ آئی طبیعت
جو مجھ کے میں مٹیو تو اُٹھو نہ جب تک
اگر پل پڑے چوسرا درگنہ پر
پڑا مرغِ بازی کا لپکا تو حبانو
چڑھا بھوتِ عشق و جوانی کا سر پہ
جو ہے تم کو کمانے کا چسکا تو سمجھو
جو پینے پہ آؤ تو پی جاؤ اتنی،
جو کھانا تو بیچد جو پینا تو آٹ گت

طیب اپنے بیماروں کے لئے پر مغموم کیوں نہیں ہوتے؟

کہ ایک جڑ کی ہیں سب ٹہنیاں صنار و کبار
تو اور بھی آسے دیتا ہو افعالِ فشار
جو چل بسے کوئی اُنکے علاج میں بیمار
کیا ملال کا اپنے گراں جبکہ اظہار

بشر کے صدمہ ہوتا ہے ہر بشر کو ملال
یہ صدمہ گر غلطی سے کسی کی پڑتا ہے
یہی سبب ہو کہ ہوتے نہیں طیب لول
وہ جانتے ہیں کہ تھپ جاسیگی خطا ہم پر

۱۔ یعنی پیٹ بھر کے احمق۔ احمق کا لفظ اکثر اس مقام پر حذف کر دیتے ہیں گویا مخاطب
کے سوا کسی پر اس کی حماقت ظاہر کرنا نہیں چاہتے ۱۲

اپنی ایک ایک خوبی کو بار بار طے ہر کرنا

گو آدمی کا حافظہ کیسا ہی ہو تو ہی ہوتا ہے اُس سے کار نمایاں کوئی اگر یہ تو وہ بھولتا نہیں ہرگز کہ چاہیے پر اتفاق سے نہیں رہتا یہ اُس کو یاد بھولے نہ اپنی یاد پر انساں کو چاہیے

پر بھول چوک ہے بشریت کا مقتضا کرتا ہے بار بار بیاں اسکو بر ملا ہر بار اپنی مدح کا پیرایہ اک جدا یاروں سے میں بیان ابھی کر چکا ہو گیا آخر بشر کا خاصہ ہے سہوا در خطا

فضول خرچی کا انجام

سرسے پر راہ کے مٹھاتا اک گدا کو ظلیف ہر اک سے ایک درم مانگتا تھا بے کم و بیش فضول خرچ تھا بستی میں ایک دو ائمہند ہوا جو ایک دن اس راہ سے گذر اسکا کہا فقیر نے ”گو اپنی یہ نہیں عادت پہلوں کا آپس میں پانچ کم سو کم دینا یہی اٹلے تلے رہے تو آپ کو بھی سو وقت ہی یہی لینے کا خود بد دولت سو

جہاں ہو کے گذرتے تھے سب صغیر و کبیر سخی ہوا میں کہ ممک غریب ہو کہ امیر کہ جسکا تھا کوئی اسراف میں نہ شبہ و نظیر درم اک اُس نے ہی چاہا کہ کیجے نذر فقیر کہ لیں درم سے زیادہ کسی ایک شعیر کہ دولت آپ کی پاتا ہوں میں وال پدیر ہماری طرح سے ہوتا ہے ایک روز فقیر دکھائے دیکھے ہر اس کے بعد کیا تقدیر

اختلاف مذاہب رفع نہیں ہو سکتا

غیر ممکن ہے کہ اٹھ جائے دلیل و بحث سے

جو چلا آتا ہے باہم اہل مذاہب میں خلافت

ہو نہیں سکتا مطابق جبکہ دو گھڑیوں کا وقت
رفع ہو سکتے ہیں پھر کیونکر ہزاروں اختلاف

انسان جو شرف المخلوقات ہے سب زیادہ موردِ آفات ہے

دل پہ جو کیفیتیں ہیں ناگوار	و وہیں امنیں سے نہایت جانگزا
ایک فکر اس آنے والے وقت کی	شک نہیں ہو جس کے آنے میں نرا
دوسرے چڑیں زبانِ خسلق کی	زخم جن کا زخم ہے تلو ا رکا،
اور بھی حیوانِ ناطق کے لئے	ہیں بہت سی زحمیتیں انکے ہوا
پر گدھے اور اور حیوانات سب	رہتے ہیں دور۔ ان گزندوں سے ہوا
کیسا ان آلام سے رہتا پخت	اشرف المخلوق اگر ہو تا گدھا

چنڈ و بازی کا انجام

ایک متوالے سے چنڈ و کے وہ تھا ہوش میں جب
پوچھا ناصح نے کہ اس کام کا آخر انجام؟
بولا "انجام وہی جو کہ ہے سب کو معلوم
زندگانی کو دواع اور جوانی کو سلام
آنکھ میں اپنے پرائے کی ٹھہرنا بقدر
شہر کے کوچہ و بازار میں رہنا بدنام
جس سے عقبی ہو درست ایسا نہ ہونا کوئی نیچ
جس سے دنیا میں ہونا نام ایسا نہ کرنا کوئی کام
ہم پہ آئینہ ہے جو حال ہے ہونا اپنا

لفس سرکش کے گمراہتہ میں ہے اپنی زمام
 کہا ناصح نے کہ "انجام ہو معلوم اگر
 لے نہ اس زہرِ ہلاہل کا کوئی بھول کے نام
 یہ تو کہتے ہو کہ انجام بُرا ہے۔ لیکن
 یہ بتاؤ کہ بُرا ہوتا ہے کیسا انجام؟
 بُرے انجام کی تباہی ہوگی حقیقت روشن
 بُرے انجام سے جب آکے پڑیگا خود کام
 مرنے والے ہی کو ہے موت کی لذت معلوم
 گو کہ رہتے ہیں یقین موت کا سب پختہ و خام

قوم کی پاسداری

اک مسلمان خاص انگریزوں پر تھاپوں نکلتے ہیں
 "پاس ان لوگوں کو اپنی قوم کا ہے کس قدر
 چاہتے ہیں۔ نفع پہنچے اپنے اہل ملک کو
 گو کہ ان کے نفع میں جو ایک عالم کا ضرر
 کارخانہ کا یہ راجس کے کبھی چاکو نہ لیں
 اس کا ہو بے چارہ ہندی بیچنے والا اگر
 خوردنی چیزیں جو یاں سے لینے پڑتی ہیں انھیں
 ان کو لندن سے منگائیں بس چلے انکا اگر
 الغرض اہل وطن کی پاسداری کو یہ لوگ
 جانتے ہیں دین دایاں اپنا قصہ مختصر"

سُن کے حالی نے کہا۔ ”ہے حمر انگریزوں پر کیا
 ایک سے ہر ایک قوم اس عیب میں آلودہ تر
 ہیں محبت میں سب اندھے اپنی اپنی قوم کے
 یہ وہ خصلت ہے کہ مجبُول اس پر ہے طبع بشر
 کھیاں جیتی بھل جاتے ہیں پاس قوم میں
 اچھے اچھے راستباز اور حق پسند اور دواگر
 ہاں بری اس عیب کے دیکھے اس دُنیا میں ہر
 چشم بد دُور امتِ مَرعوم اے جہانِ پدر
 اور قوموں سے انہیں لوگوں کو ہے یہ امتیاز
 حملہ جب کرتے ہیں یہ کرتے ہیں اپنی فوج پر
 ہوگا خوف ایسا نہ دشمن سے کسی دشمن کو یاں
 جس قدر ہے۔ ان سے اپنوں اور یگانوں کو خطر“

قطعہ جناب نواب سر آسمان جاہ بہادر مدار المہام

سرکارِ عالی۔ مرتبہ ۱۳۰۵ھ ہجری

آسمان جاہ کی خدمتیں حالی کی ہر جن
 شکر مکن نہیں اسکا کہ مجھے گھر بیٹھے
 نہ ہوئی مجھے سو کوئی خدمت سرکارِ نظام
 نہ کوئی مجھ میں ہنر ایسا کہ ہو لائقِ قدر
 حق نہ تھا دولتِ عالی پر کوئی حالی کا
 کہ اگر میرا ہر اک رونگٹا ہو جائے زبان
 اُس نے ممتاز کیا بھیج کے شاہی فرمان
 نہ کیا میں نے کبھی طوطِ در صدرِ زمان
 اور نہ ایسا کوئی جو ہر جوہرِ قیمت میں گراں
 جسکے جلد و میں وہ اس لطف کا ہوتا شایان

ہاں مگر ذات میں ہو فیض رسائی جن کی
 میں مرقی ہنر دے ہنری کے جس طرح
 آسمان جاہ کا اک میں ہی نہیں شکر گزار
 یاں وہ اُن کھیتوں کو دیکے گیا ہو پانی
 قوم اس وقت ہے تعلیم کی جتنی محتاج
 غرت۔ آسودگی اور ملت و مذہب اُن کا
 پھر نہ قدر اُن کی کچھ آنکھوں میں خلایق کی بلند
 آسماں جاہ پر برکت ہو خدا کی جس نے
 ملک قوم کے اس ملک میں جو میں ممتاز
 اُن کی امداد سے نواب نے کی ہے قائم
 کرتے ہیں زندہ جاوید بنی نوع کو جو
 ہے مدارس کی اعانت وہ نگوئی جس کا
 یہی بخشش ہو یہی جو ہے راس الحنات
 یہی امداد ہو جس سے ہو میں تو میں سرسبز
 یہی قوت ہو کہ ہوتے ہیں قوی جس کو ضعیف
 دی لگا ایک نے پانی کی سر راہ سیل
 اسکی خواہش تھی کہ ہوتے رہیں پیاسی لب
 برکتیں علم کی جو ملک میں پھیلاتے ہیں
 بخت اُس ملک کے جس ملک میں لیا ہو وزیر
 اب خدا سے یہ عا ہو کہ جہاں میں جیت تک
 آسمان جاہ سے ہو تقویت ملک و کن

دھونڈھ لیتے ہیں کوئی حیلہ برائے احسان
 خار و گل دونوں کو کرتا ہو نہال آپ ان
 ملک میں اُسکا شناخواں ہو ہر اک پیر جوان
 آنکھ اسلام کی خود جنگی طرف سے نگران
 ہے وہ عالم پہ ہویدا۔ نہیں محتاج بیان
 ہو نہ تعلیم۔ تو میں سب کوئی دن کے مہمان
 اور نہ وزن اُنکا تر از میں حکومت کی گران
 درو کا جان لیا اُن کے کہ یہ ہے درمان
 جن میں کچھ کچھ نظر آتے ہیں ترقی کے نشان
 چشم عالم میں سیجائی پہ اپنی برہان
 بدل کرتے ہیں پے تربیت اہل زمان
 ملک پر قوم پہ تا دیر رہے گا احسان
 جس پہ موقوف ہو ہو بدی نسل انسان
 یہی تدبیر ہو جس سے ہوئے ملک باوان
 یہی حکمت ہو کہ ہوتے ہیں سبک جس گران
 کی ہمیشہ کیلئے ایک نے واں ہنر روان
 اُس نے چاہا کہ رہی ساس کا باقی نہ نشان
 نہر جاری ہو ہے ذات انکی۔ سو افیض رسان
 حامی علم و خیریدار کمال انسان
 شکر احسان کا کرتے رہیں بعد از احسان
 اور ہو ملک و کن ملجا و ماو اے جان

دولتِ قیصری و دولتِ آصفیہی ایک کی ایک زمانہ میں رہے پشتیاں

تخصیصِ ولادتِ فرزندِ حمید در شہستانِ اقبال جناب نواب سر آسمان جاہ بہادر المہام سرکارِ عالی مرتبہ ۱۳۰ھ

فیض ربِّ العالمین سے شرفِ اہلِ کن
دی بشیرِ دولتِ دین کو وہ خیر اللہ نے
جکو پیری کا عصا سمجھا خلیل اللہ نے
جکے لئے سو ہوا داد و ممنونِ فقہا
جکے بدلہ میں علی الرغمِ شہادتِ پیشگان
جو بصاعت ہو گیا کی اور دولتِ شاہ کی
جسے مستغنی ملی ہیں اور نہ عارف بے نیاز
صدرِ عظم کو دیا صدرِ شکر خالق نے خلف
یہ سپر یارب بحقِ عمرتِ خیر الوری
صدرِ عظم کی طرح دربارِ آصف جاہ میں
دولت و ثروت کو اسکی ذات سے گجائی شان
سیرت و عادت میں اسکی نکلے آن اجداد کی

نائبِ دولت کا نخلِ آرزو لایا عمر،
جس سے پایا دیدہ یعقوب نے نورِ بصیر
حق نے دی جسکے عطا ہوئی سارا کو خبر
جسکے پائے سے ہوا ایوب مرہونِ قدر
حق سے ختمِ الانبیاء نے پائی شہید و شہر
جو ہے حاصلِ عمر کا اور زندگی کا عمر
جس سے ہیں اجدادِ زندہ اور اجدادِ مہر
خلق کی آخرو عاقل کا ہوا ظاہر اثر
پائے عمرِ خضر زیرِ سایہ ہمہ گیر
جایگاہِ قربِ سلطانی ہو اس کا مستقر
زیورِ علم و ادب سے ہو محبتی اس قدر
جو ہر اخلاقِ فارسی ہوں اس میں جلوہ گر

۱۵ اس میں یہ اشارہ ہے کہ نواب سر آسمان جاہ بہادر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اولاد

ایک آصف جاہ میں سر آسمان جاہ اور وہ رات دن رکھیں اُجالا صوبت شمس و مری

قطعہ مرتبہ ۱۳۰۹ ہجری بمقام حید آباد

۱۳۰۹ ہجری میں جو راقم اور مولانا محمد شبلی نعمانی اور دیگر بزرگان قوم آنریبل ڈاکٹر
میر سید احمد خاں بہادر کے ہمراہ علی گڑھ محمدن کالج کی طرف سے یہ طور پوٹیشن
حیدر آباد دکن میں بحضور سرکار عالی نظام حاضر ہوئے تھے اس موقع پر
ایک عام جلسہ بعد ازاں نواب وقار الامرا بہادر بشیر باغ میں منعقد ہوا تھا۔
جس میں راقم نے اور مولانا محمد شبلی اور بعض صاحبوں نے کچھ نظمیں سرکار
عالی کے شکریہ میں پڑھیں تھیں جلسہ کے بعد جناب صدر انجمن نے مجھ کو اور مولانا
محمد شبلی کو خاص طور پر ہماری نظمیں دوبارہ سننے کے لئے دولت خانہ پر طلب کیا
تھا وہاں اپنی نظم پڑھنے سے پہلے یہ قطعہ جو اس وقت موزوں کیا گیا تھا راقم
نے پڑھا تھا۔

(حالی)

یاں بکا کر دی ہے جو عزت ہمیں سرکار نے
خدمت والا میں ہوں ک عرض کرنی چاہتے
شاعری جسکو سمجھتے ہیں کمال انبا سے دہر
شکر کرنا تھا ہمیں سرکار عالی کا ضرور
گرچہ کہ ہے کوشش ان نظموں کو لکھنے میں
رہ گیا پر ہے اس کوشش میں باقی اک نقبور

اول اسکا شکر کرتے ہیں ادا اور بعد ازیں
عرض کرنے کی اجازت ہوا اگر اپنے تئیں
جولیاقت اسمیں ہو درکار وہ ہم میں نہیں
چند نظمیں انجمن میں اس لئے بہنے پڑیں
اور جگہ انگشت رکھنے کی نہیں چھوڑی کہیں
درگزر فرمائینگے سرکار اس سے ہے یقین

اور تو کچھ غوسیاں شاید ملیں ان میں۔ اگر

جھوٹ جو اشعار کا زیور ہو وہ انہیں نہیں

قطرہ شکر اضافہ وظیفہ ہمیش گاہ جناب آسمان جاہ بہا

مرتبہ ۱۳۰۹ بمقام حیدر آباد

اے بشیرِ دولت دین نائب شاہِ دکن
مجھ پہ سسرایا جو لطف و کرم سرکار نے
جو کہ ہوتے ہیں جہاں میں بہرہ و مقصود سے
کوئی دُنیا میں نہیں ہوتی بغیر اسکے فوج
پر ملامت و جبِ حالی کو اس دوسرے ملا
قدر دانی گزرا نہ میں یوں نہیں ہو جائے عام
یارِ اس سرکار کو۔ جو جس سے عالم فیضیاب

اے حمایت و کن کا ذات پر تیری مدار
شکرا اس کا کہ نہیں سکتا او میں زمیندار
پہلے ہو لیتے ہیں صد بامشکوک وہ دوچار
ہے اسی پر کامیابی کا زمانے کی مدار
بے تر دہ۔ بے تزلزل۔ بے طلب۔ بے انتظار
پائیں بے مانگے مرادیں اپنی سب امیدوار
جب تک دُنیا رہے دُنیا میں رکھیو برقرار

صدائے گدایانِ قوم

پنجاب کی ایک اسلامی انجمن کی طرف سے چند باہمت اصحاب نے جنہوں نے اپنی
جماعت کا نام گدایانِ قوم رکھا ہے ریاست بہاولپور میں چندہ وصول کر نیکے لئے
جائیکا ارادہ کیا تھا۔ انکا قصد رئیس کے حضور میں یہ اشار پڑھنے کا تھا۔ لیکن غالباً
اُن کا جانا نہیں ہوا۔
(حالی)

دھونڈتے خضرِ مبارک پے گویاں آئے ہیں ہم
چھوڑ کر بھٹکا ہوا اک کارواں آئے ہیں ہم
ڈرہے جو خورشید ہیں وہ سنکروں پر مردہ دل
سخت عبرت خیز لیکر داستان آئے ہیں ہم

ہند میں اسلام کا پھولا پھٹا تھا جو چین
 لے کے اس کا مردہ فصل خزاں آئے ہیں ہم
 علم جو زندہ کیا تھا آپ کے اجداد نے
 آج اس در پر اُسی کے نوحہ خواں آئے ہیں ہم
 قوم کو بیٹھی ہے جو عباسیوں کی یادگار
 جستجو میں اس کی مشعل لے کے یاں آئے ہیں ہم
 تاکہ ہو معلوم سب کو قوم کی حالت ہے کیا
 اسلئے ڈالے گلے میں جھولیاں آئے ہیں ہم
 خود غرض ٹھہرائیں یا مکار رہ سکو یا گدا
 ذلتیں یہ کر کے سب خاطر نشان آئے ہیں ہم
 فخر سب بجا ہیں اُن کے قوم ہے جنگی ذلیل
 فخر و عزت کے مٹا کر سب نشان آئے ہیں ہم
 ہے بنی ہاشم کی نماں پر وری ضرب المثل
 اس لئے یاں بن بلائے میہاں آئے ہیں ہم
 تشنگی اپنی بجھانی ہوگی اسے آبِ حیات
 لے کے منہ میں قوم کی سوکھی زباں آئے ہیں ہم

لے چونکر رئیس بجا دل پر بنی عباس میں سے ہیں اور عباسیوں کی خلافت میں علم کو بہت ترقی
 ہوئی تھی اس لئے یہ مضمون اس طرح ادا کیا گیا۔ ۱۲

مردہ قدم حضور شاہزادہٴ ورہندوستان

مردہ ہوا بل مشرق اب دُن پھر تھکے
گلہ کی اپنے لینے آیا خبر کہاں سے
ہندوستان بھی تجھ سے کچھ آجکل نہیں کم
تیرے نصیب کو کیا پوچھنا ہے لیکن
ہمان ہر آج انکا اس شاہ کا دلی عہد
مغرب سے سوئے مشرق آیا ہر قبر بان
ہو ایسے گلہ بان پر گلہ کی جان قربان
اے معدنِ بزرگی اے خاکِ انگلستان
ہندی بھی ان دُنوں میں قسمت اپنی نازان
روئے زمیں کے سلطان جیسے ہوئے ہیں مہمان

آخری سہارا

(دیہ اشعار ایک انگریزی نظم کا ترجمہ ہیں)

وہ دلربا امیدیں جن پر کہ تو ہے شیدا
وہ عالمِ جوانی جس پر کہ تو ہے مفتوں
جن دوستوں کی خاطر چھوڑا ہے تو نے اُسکو
چل دینگے جیٹ ساری اُن ملبوں کی مانند
جب ہو چکے گا آخر یہ عیش کا زمانہ
بے ہر لویں سے تو نے جسکو کیا ہر گلین
جب طرح وہ پرندہ جو فصلِ گل میں جا کر
پھر موسمِ خزاں میں آکر ہے ہم سے ملتا

ترغیب امدادِ یمانیان

(منقول از رسالہ "علیگڈ منتھلی")

یہ قطعہ مولانا نے "رائنجن موبد الاسلام" دہلی کے ایک جلسہ میں پڑھا تھا

(اسماعیل)

"اے غافل۔ اے بنجر۔ ہوش میں آؤ
دینا کو بس اب دین پہ اپنے نہ ہنسناؤ
یہ دین ہی پادین کا ہے سانگ۔ بتاؤ
جب تک غم امت میں نہ جان اپنی گھلاؤ
ہو دین کا دعویٰ۔ تو شہادت کوئی لاؤ
تو دین سے تم قطع تعلق کرو۔ جاؤ
دل کو بھی کہی ہاتھ سے کچھ دیکھو دکھاؤ
کل پھل کوئی کھانا ہو تو زخم آج اٹھاؤ
یہ پودہ میری اسے دیکھو نہ گنواؤ
سیوا کرو ان کی۔ انہیں پروان چڑھاؤ
ان گدڑوں میں جو لعل کہ گم ہیں آغیں پاؤ
ان گونوں کو میرے جلاوے کے بناؤ
ان کی بری حالت پہ بری گت نہ جاؤ
گن دیکھتے ہیں انکے تو رنگ انکا چھاؤ
رند جائیں یہ۔ خاک سی جلد۔ انکو اٹھاؤ
ان پنچھوں کو موت کے چنگل سے بچاؤ

اسلام بہت دن سے یہ کرتا تھا منادی
فارغ غم امت سے اور اسلام کا دعویٰ
گو دین کی صورت ہی۔ پسیرت نہیں سگی
مقبول نہ حج ہیں۔ نہ نمازیں ہیں نہ روزی
دعویٰ نہیں مسوع شہادت نہ ہو جب تک
گر اپنے یمینوں کی خبر لے نہیں سکتے
اعضا تو نمازوں میں بہت تم نے دکھائے
دینا میں جراحت۔ یہی عقی میں ہی راحت
یہ قوم کے بچے جو پڑے پھرتے ہیں بیکس
شیریں ہی پھل ان پودہ کا اور سایہ ہی گسن کا
دیکھو نہ حقارت سے پیٹھے کپڑوں کو انکے
سنو لاک ہوئے چہرہ نہیں نور انکے ہوتا ہاں
ہیں انہیں فقیہہ۔ انہیں حکیم۔ انہیں محدث
جو انہیں میں جوہر کہیں رنگ انکو نہ کھا جاے
افواج مخالف ہیں تگ و دو میں جیت اس
پھرتے ہیں بہت گھاس میں یہاں انکے شکار کی

ایسے بار ویدہ بنی غیری اور دین کا دعویٰ
 امت کے یتیموں کو ہوا بخیل کی تسلیم
 شلیش کی پتے ہوئے دیکھو انہیں تلقین
 اگر جا میں حریف انکو سکھائیں میری نہیں
 جن تھوں کو بیٹوں کی طرح چاہئے رکھنا
 کھانے کی بھی کپڑے کی بھی لیں انکی خبر
 اپنا متیں وہ جان کے گرا وہ میں شکیں
 اسلامیو! بے مہرباں آخر یہ کھانا تک
 بے کس نہ گنواں کو۔ یہ کھانا ہے خدا کا
 عبرت کی جگہ ہو۔ ڈرو گردش ہو فلک کی
 بن باپ کا بننے ہوئے لگتی نہیں کچھ دیر
 امت میں ہو تم اس کی جو امت پہ خدا تھا
 وہ جیسا غریبوں کا یتیموں کا تھا عاشق
 جو خلق تھا ہر بے کس و ناچار سے اس کا
 کڑھتا تھا وہ جس طرح مصیبت پہ ہر اک کی
 ٹوٹے ہوئے دل میں یہ گذر گا وہ خدا کی

دیں وادی کا اور دین کا بس منہ نہ چڑاؤ
 اور اپنی تم اولاد کو فستردان پڑھاؤ
 اور اپنے جگر گوشوں کو توجہ دے سکھاؤ
 اور کان نہ توہین پہ تم میری ہلاؤ
 ہاتھ آئیں تمہارے تو غلام انکو بناؤ
 اور تم نہ کبھی بھول کے آنکھ ان سے ملاؤ
 تم فیروں کی مانند گذر اس سے جاؤ
 جو منہ کو تھمائے تکیاں نکھانے سے چڑاؤ
 تم پھیر کے منہ ان سے خدا کو نہ رٹھاؤ
 اولاد کو اپنی نظر سے بد سے بچاؤ
 غیرت کو بس اللہ کی حرکت میں نہ لاؤ
 تو تم بھی عزیزو! اسی امت سے لگاؤ
 تم بھی انہیں آنکھوں پہ اسی طرح بٹھاؤ
 اخلاق میں کچھ اس کی جھلک تم بھی دکھاؤ
 جی تم بھی مصیبت پہ یونہیں سب کی گڑھاؤ
 بلنا ہے خدا سے تو اسی راہ سے جاؤ

اور کہتی تھی غفلت نہ ادھر کان لگاؤ
 اور دل کے کیا عہد کہ کچھ کر کے دکھاؤ
 اور نیند کے متواسے ہیں جو ان کو جگاؤ
 اسلام کی فریاد انہیں چل کے سناؤ

موت سے یہ تھا دے رہا اسلام دہائی
 بارے سنی اجاب نے اسلام کی آواز
 جوشہ غفلت میں ہیں چور ان کو بھٹھوڑو
 بھولے ہوئے جو روزی نازوں پہ ہیں اپنے

جج ہند میں جو ان پہ ہر فرض اُنکو جتاؤ
کعبہ کی طرح گردطواف اُنکے کراؤ
دل دکھتے اگر اسیں کسی کا۔ تو دکھاؤ
اور بیڑا میٹھوں کی حمایت کا اٹھاؤ

قبل اسکے کہ جج کا کریں کعبہ ارادہ
بن باب کے بھوں کو میں ڈٹے تجھے بول
امداد پہ ان کی۔ کہ رکھل قوم کو محسور
قائم کرو ایک انجمن اخوان صفنا کی

پھل دیکھتے نیت کو ہوں گرا نکی تو آؤ
دیکھو اُنھیں۔ اور بھائیوں کو جاکے سناؤ
اس شکر میں تم حمد خداوند کی گاؤ
جو قوم کا غنوار ہو حسیہ اس کی سناؤ
لو اس کے قدم۔ خود غرضی جس میں نہ پاؤ
پر۔ اس کی خوشی میں ابھی غلیں نہ بجاؤ
پر قوم نہ کیوں تو یہ کاغذ کی ہے ناؤ
دم بھر میں اتر جاتا ہے دریا کا چرناؤ
کیوں کر چلے؟ جب تم ہی یہ گاڑتی چلاؤ
تم اُسکے جہاں چاہو نشان دیکھ لو جاؤ
دوان کو مدد کام میں اور ہاتھ بٹاؤ
اس ناؤ کو جس طرح بنے پار لکھاؤ
سر جوڑ کے اس کام میں سب زور لگاؤ

صد شکر۔ ہوئیں کوششیں اجاب کی شکور
فیاضیاں جو قوم کے غمخواروں نے کی ہیں
باقی ہیں ابھی قوم میں کچھ قوم کے غم خوار
اس وقت۔ کہ نازک ہو بہت قوم پر یہ وقت
ہی چار طرف قوم میں اب نفسی ہی نفسی
رحمت ہو خدا کی۔ یہ عزیزوں کی جماعت
دے قوم سہارا تو یہ ہے نوح کی کشتی
سر چسپہ سے ہوتی نہیں پانی کی جب آمد
جوتی ہے یہ۔ یاروں نے بھروسہ پہ بھائے
میں قوم کی غفلت نے بہت کھیل بگاڑے
یاروں کو ابھی کام بہت کرنے ہیں باقی
مجلس کہیں جی چھوڑ نہ دے۔ ہو کہ ہر اسان
دو چار گئے۔ دس پانچ کے بس کہ نہیں یہ کام

گو کام ہے دشوار۔ یہ مردوں کو ہی آسان
کرنا ہے اگر اس کام کو پورا۔ کئے جاؤ

شہر حیدر آباد

پانی دیتا ہو کوئی۔ پود لگا رہے کوئی
 آگے کرتا ہو چین میں۔ کوئی آئین بندی
 کرتے ہیں "علم نباتات" کی بعض تحقیق
 الغرض باغ میں ہیں اردو صادر جتنے
 صحن گلشن میں کسی کام کو آئے کوئی
 پھول چنتا ہے کوئی آگے۔ کوئی برگِ ثمر
 تاکہ ہو سیرِ حین سے نہ کبھی سیرِ نظر
 تاکہ تحقیق سے ہوائی۔ فزوں علمِ بشر
 ایک سو ایک کی ہیں مختلف اعتراض۔ مگر
 جائے گا بوئے ریاحینِ معطر ہو کر

حیدر آباد بھی اک باغ ہے اشار اللہ
 ہے جہاں فیض کا دروازہ کشادہ سب پر

تہنیت مندر نشینی حضور نظام

(منقول از روزانہ زمیندار، جلد ۲ نمبر ۳۵ مورخہ ۲۴ ستمبر ۱۹۱۱ء)

۱۹۱۱ء میں جب اعلیٰ حضرت نظام الملک آصفیہ ہفتم میر عثمان علیجاں بہادر خلد اسد
ملکہ تخت نشین ہوئے تو روزنامہ ”زمیندار“ لاہور نے اس موقع پر اپنا ایک خاص
نمبر شائع کیا تھا اور اس کے لئے مولانا سے بھی ایک نظم حضور نظام کی مندر نشینی کے
متعلق لکھنے کی فرمائش کی تھی جو اب مولانا نے یہ قطعہ لکھ بھیجا تھا۔ (اسماعیل)

فلک مرتب میر عثمان علیجاں	مبارک تمہیں مسند شہر یاری
مبارک اب وجہ کی تم کو خلافت	مبارک وگن کی تمہیں تاجداری
مبارک تمہیں ملک کی گلہ بانی	مبارک رحمت کی خدمت گزاری
مبارک ہوئے لودہ و شوار نزل	جہاں چہ چہ پہ سے ذمہ داری
مبارک وہ منصب کہ جن کو ملادہ	ہوا چین و خضت فراغت سہاری
مبارک بزرگوں کی میراث تم کو	جنہوں نے کہ جھیلیں ہیں کٹ پائی ساری
ارادوں جرات سی بہت سو جنگلی	زمانے نے ہی بار بار تیر طہاری
ہموں ہو جن کی تاریخ رنگیں	زبانوں پہ جو ذکر خیر انکا جاری
ادا کر گئے وہ تو اپنے فرائض	ہو اب آپ کے عہد دولت کی باری
اب انکی جگہ آپ کو ہے اٹھانا	خدا کی امانت کا یہ بوجھ بھاری
جو بے بس ہیں دینا ہوا انکو سہارا	جو بے یار ہیں انکی کرنی ہی یاری
نکچے ہیں جو۔ ان کو کامی بنانا	بڑھانا دل انکا جو ہیں کار یاری
جگانا انہیں میند کے جو ہیں ماتے	پڑھانا انہیں علم سے جو ہیں عاری
جو زردار ہیں انکی ہے پاسبانی	جو نادار ہیں ان کی حاجت باری

جو سرزد ہیں اُن کی جو کوشالی
 بڑوں نے معاہدہ دفاع سے باز رہا
 سمجھنا ہر اک قوم و ملت کو یکساں
 مبارک یہ بارگراں تم کو شاہ
 بہت مشکلوں کا ہو گوسا منا یہاں
 مگر مشکلیں ہیں یہ سب انکو آساں
 پہلے جو ہیں آغوش میں سلطنت کی
 یہ امید ہو آصفِ ہفت تہیں سے
 رہے گا اسی طرح جیسے رہا ہے
 دُعا گوئے دیرینہ ناجیز حالی
 دُعا کے سوا کچھ نہیں پاس اُسکے
 اکی طفیل اُسکا پھیلانی جس نے
 منادی نے تعلیم نہ جسکی آکر
 طفیل اُسکا فرمانروا دکن کی

جو مظلوم ہیں انکی ہے غمگساری
 سدا کرتی اس حمد کی پاسداری
 کہ حصلت ہو یہ زیورِ شہزادری
 اٹھانے سے ہیں جنگے افلاک عاری
 کہ بہتوں نے بہانے کے بہت ہو ماری
 پڑی جنگی گھٹی میں ہو ملک داری
 سیاست ہو جنگی رگ پہلے پس ساری
 ریاست کی حل مشکلیں ہو نگ ماری
 دکن پر سدا سایہ فضل باری
 کہ مدحت گری کے ہنر سے ہو ماری
 ادا جس سے ہو فرضِ مدحت نگاری
 خلافت میں توحید و پرہیز گاری
 زمانے کی بگڑ سی ہوئی کل سنواری
 حکومت کوئے غیب سے استواری

رہے رہتی دنیا ملک وہ سلامت
 بہ اقبال و فیروزی د کا مگاری

حاضرین کا نفرنس سے خطاب

اے زمرہ معارف واسے طبقہ کرام
 در نہ دلوں پہ چھائی ہیں یاوسیاں تمام
 در نہ تمام اس کا بس اب ہو چکا ہے کام
 پھر سال بھر وہی غم و اندوہ صبح و شام
 گر سال بھر ہی یونہی اس جوش کو قیام
 پا جائیں جلد قوم کے سب زخم الیام
 جب تک کہ کے ہاتھ سی دکھلاؤ کوئی کام
 آنا ہے دل لگی کی غرض سی جہاں حرام
 اب تک پڑی ہیں کام بہت اُسکے ناتمام
 سی یا رو چھ کر وڑ کے کرنے کا جو کہ کام
 گھلتا تمہاری فکر میں ہے جو کہ صبح و شام
 جو چاہتا ہے یہ کہ رہو تم بہ احترام
 جو تم کو شاہد دیکھ کے ہوتا ہے شاہد کام
 پشتی میں پایا دین کی بے دین جس نے نام
 سب کچھ سنا یہ کام کا چھوڑا نہ التزام
 کوڑے تھے حق میں اُسکے وہ سب طعن و لام
 یہ بچھ گیا تو بزم ہے تاریک پھر تمام
 پھر حیف ہے کہ ہونہ سکے تھے کوئی کام
 پھر آگے دانت پیسنے کی دن ہیں السلام

اے خاصگانِ ملت و اے یادارانِ قوم
 بند ہستی ہی بہتری کی ہمیں دیکھ کر امید
 تم آگے مردہ قوم میں پڑی ہو جانِ ال
 قومی خوشی کے ہیں یہی گویا کہ چار دن
 جن جوش میں کہ آتے ہو یاں دور دور سے
 پھر جائیں دن یقین ہی بہت جلد قوم کے
 دعوے یہ حُبِ قوم کے سبب دلیل ہیں
 میلانہ سمجھو۔ قومی جلسہ ہے دوستو!
 سید کو دو سہارا کہ غفلت سی قوم کی
 سراپے دہر لیا ہے اُسے ایک فرد نے
 انصاف سے بعید ہی ساتھ اُسکا چھوڑنا
 خواہش ہی جسکی یہ کہ ہو دنیا میں تم عزیز
 عزت تمہاری دیکھ کے بڑھتا ہے جکا خون
 خدمت میں قوم کی جسے کا فر لقب ملا
 پر مرے اُس کے قوم کا سودا نہ کم ہوا
 بڑھتا گیا دم اُسکا ہوئی جبقدر لتاڑ
 ہے ایک چراغ آخر شب تمہارا
 ایسا نمونہ جبکہ ہو آنکھوں کے سامنے
 کرنا ہی کچھ تو کر لو کہ باقی ہی وقت ابھی

قوم کی طرف سے حضور نظام کا شکریہ

یہ اک میدانِ تہا سنانِ وحشتِ جہنمی چھائی
 لکھیں ہوتا اگر کوئی۔ تو ہیاں کوئی نمکناں پتا
 خبر لکھو تھی پر پاموگا ایک ارالہ علوم اس جا
 جسے دیکھیں گے اعیانِ لوگ کرتنا سے
 یہ تھی امید لکھو؟ پر خدا نے اپنی قدرت کا
 نہ تھی خود قومِ راضی اور مخالف اک مانہ تھا
 مگر سید کے انتقال نے منوا دیا سب کو
 رعیت نے مدد کی سلطنت نے سرستی کی
 مگر سچ پوچھئے تو قالب بے روح تھا کالج
 جیگہ فی پیشِ مشکل جب پڑا کالجِ وقت اگر
 نہ سایہ تھا درختوں کا نہ یہ پانی کی سرسائی
 پڑوئے کچھ کھنڈر جن پر جمی تھی جا بجا کائی
 نہیں چسکو حیرت سے تنکے کا چرخِ مینائی
 جاں فاق سے لکھیں گے اگر۔ علم و دانائی
 دیا جلوہ دکھا۔ ہو جس کا اک عالم تماشا ئی
 گھٹایا یسینو کی باینوں کے دل پہ تھی چھائی
 کہ پریت ہو تو استقلال سے ہو جاتا ہو رائی
 بہت جلد اپنی نادانی سے آخر قوم بختائی
 نہ کی ہوتی اگر سرکارِ عالی نے سنجائی
 مدد پر کی مدد۔ امداد پر امداد فرمائی

رہے گا قوم میں تعلیم کا باقی نشان جب تک
 رہیں گے شکرِ اصف جاہ میں طب لسانِ بک

علی گڑھ کالج کیسا سکھاتا ہے ؟

یہ کالج قوم کو آپ اپنے بل چلنا سکھاتا ہے
 نہ چھوڑیں دین کا دامن یہیں دنیا میں غربت نہ
 نہیں پاتا کبھی غربت کی خواہش نہ کوئی غربت
 خدائے کر دیا ہے حکم ان جس قوم کو ہمہ سر
 رعیت کو برابر حق دیتے ہیں جو حکومت نے
 زمانہ قوم نے غفلت میں جو پہلے گزارا ہے
 یہ باہم مذہبی فرقوں کو ہر شیر و شکر کرتا
 کھلاتا ہے یہ کھانا ایک ستر خوان پر سب کو
 وفا کا بیج بوتا ہے نصب و لیکھوتا ہے

نہ چھوڑے گا یہ باقی قوم میں دیکھے گا جو حامی
 خدا کی برکتیں ان پر جو اس کالج کے ہیں حامی

شکر یہ مسٹر برور

مسٹر برور کمال میں سپرنٹنڈنٹ پولس تھے۔ نیک بھی تھے اور خوش اخلاق بھی۔

کرنال سے تبدیلی کے وقت منشی عبد المجید صاحب ڈپٹی انچیکر پولس نے مولانا

سے یہ تعلیم لکھا کہ مسٹر موصوف کے حضور میں پڑھتی تھی۔ (اسماعیل)

سچ ہے کیا نہ شکر بشر جس نے آشکار اس نے کیا نہ شکر خداوند کر دگار

ہم شکر کس زبان سے کریں آپ کا ادا احسان ہم پہ آپ کے ہیں خارج از شمار

مجبور ہیں گے وہ کبھی نہ سپاہی نہ عہدہ دار
اس خلع میں رہیں گے ہمیشہ کو یادگار
نور میں مصطب۔ نور عیشت ہے بقرار
پورا ہو جب ملک کہ یہ انفاس کا شمار
دکھ جائے نگاہ کیا تھو اور گل کیا تھو
آج آخری سلام کو با چشم اشکبار
لفظ میں عرض ہو نہیں سکتی وزیر ہمار
جو بوجھ میں ہے آپ۔ وہ ہو مخل بار بار

ایساں حکومت آپ نے دس سال جس طرح
خمسویں صدی کے یہ دس آخری برس
ہوئے اُسے قلی ہے جدائی کا آپ کی
بھی آرزو؛ لگے رہیں قابو سے آپ کے
لیکن خوشی کے ساتھ۔ ہو غم بھی لگے ہوا
آپہنچی وہ گہری کہ ہم آئے حضور میں
اس وقت کہ جو دل پہ ہو حالت گذر ہی
ہو حق سے یہ دعا کہ بھلائی کا تخم یہاں

پر وزن جس طرح کہ خلائق کو خوش رکھا
خالق اُسے بھی رکھے سدا شاد و کامگار

مسٹر مارسلین کی روانگی ولایت

سر تھوڈور مارسلین ۱۹۰۸ء میں علی گڑھ کالج کے سٹاف میں شامل ہوئے تھے۔ پندرہ
سال کے بعد ۱۹۰۹ء میں مسٹر میک کے انتقال پر پرنسپل ہو گئے۔ یہ حیثیت پروفیسر
اور بحالت پرنسپل انہوں نے مسلمانوں کی جو تعلیمی خدمات انجام دی ہیں، علی گڑھ
کالج کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیں گی۔ ۱۹۰۸ء میں جب موصوف اپنی بعض
خانگی ضروریات کیلئے مستعفی ہو کر ولایت شریف لے جانے لگے تو ایک الدعای
پارٹی میں مولانا نے یہ نظم پڑھی تھی۔

(اسامیل)

چھینا ہے اُن کو ہم سے جذبہ حب وطن
جس کے سر پہ تھے ہما کی طرح وہ سایہ فلک
چھوڑ جائیں گے وہ یوں ٹھوٹا پھلا اپنا چمن

ہم سے ہوتے ہیں جدا اب آرمیل مار سن
سایہ اپنا مرے کالج کے اٹھانیکو میں وہ
تھی نہ کالج کے ہوا خواہوں کو یہ ہرگز امید

کیا خبر تھی ہکو، یاد آئے کچھ اچھا جبکہ دس
 چھڑ کر بڑا مشکل فون ہو جوں مجھ پر۔ بس
 تنہے پوری کر کے آنکھوں سے دکھائی وہ شل
 چاہیے تھا دیکھتے اپنے چمن کی اب ہمار
 پرورش میں تنہے جس بچے کی کاٹے پس سال
 تم نے بانہ ہی تھی کمر جس قوم کی تسلیم پر
 پر لگاتے اور ہیں یہاں پود بھل کھاتے ہیں اور
 جو تمہاری جانشینوں کے لئے اب اوصاف
 تنہے کی کوچ کنیت جس خلوص و صدق سے
 جو صلیب کی کاخ و نیکی۔ کہ دلسوزی کا اجر
 گو کہ یہاں تعلیم کا بویا تھا سرسید نے بیج
 جیسے پھیلا مقدس پال نے دین مسیح
 تنہے سرسید کی جو اصلاح میں حصہ لیا
 تم زمیں کے ہونک مصلح ہو تم اقوام کے
 نورِ انساں کی مدد کرنا تمہارا ہی شمار
 مارسن اور مارسن تعلیم نے ثابت کر دیا
 نیک نال باؤ بھی کالج کی مرنے تھی یو نہیں
 اب عایہ ہو کہ آپ اور آپ کے اہل و عیال

رہوے ہر منزل میں توفیق الہی ساتھ ساتھ
 حافظ و ناصر تمہارا ہو خدا کے ذو المنن

خطاب بہ حاذق الملک

(منقول از علی گڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ، مورخہ ۵ اربوری ۱۹۱۹ء)

۱۹۱۹ء کے شروع میں جب حکیم محمد اعلیٰ خان صاحب کو پختہ پور میں حاذق الملک کا خطاب مرحمت فرمایا تو حکیم صاحب موصوف کو مبارکباد دینے اور گورنمنٹ کا شکریہ ادا کرنے کے لئے ۷ جنوری ۱۹۱۹ء کو دہلی کا ایک عظیم الشان جلسہ شہر کے ماؤن ہال میں نواب امیر الدین احمد خاں صاحب والی ریاست لوہارو کے زیرِ سدايت منعقد ہوا تھا۔ مولانا بھی اتفاقاً دہلی تشریف لائے تھے۔ باعثِ جلسہ میں شریک ہوئے ایک تقریر فرمائی اور آخر میں یہ قطعہ پڑھا۔

(اسماعیل)

حاذق الملک! اس خطابِ فرخ و سنو پر
 پر یہ ہے کیسی مبارکباد۔ ہم حیران ہیں؟
 سعی و کوشش اپنے کی تھی کبھی بہرِ خطاب؟
 یہ تو یاروں کی دعاؤں کا ہر بس مبارکباد پور
 ایک عالم آپ کو دیتا مبارکباد ہے
 گو کہ دل ہر اپنے جھگڑیکا آسٹ شاد ہے
 یا کوئی درخواست فرمائی تھی آپنے کچھ یاد ہے؟
 غیبِ سحر یہ ان دعاؤں کی ہوئی امداد ہے

بس مبارکباد یہ جو دیر ہے میں خاص عام
 مستحق ہیں اسکے ہم۔ یا آپ کیا ارشاد ہے؟

شکریہ مساعی جمیلہ ظفر علی خان

از طرف جملہ مسلمانان

(منقول از روزنامہ ”زمیندار“ جلد ۳ نمبر ۱۷۹- مورخہ ۱۰ اگست ۱۹۱۳ء)

۱۹۱۳ء میں جب مٹر ظفر علی خاں بی بی لے اڈیٹر و مالک اخبار زمیندار جنگ بلقان کے سلسلہ میں تسلیفینہ گئے اس وقت ان کی اسلامی خدمت اور قومی ہمدردی کا بڑا شور تھا۔ عام رائے سے متاثر ہو کر مولانا نے بھی اس وقت ان کی شان میں کچھ ابیات لکھی تھی لیکن نظم نام تمام رہی جب وہ واپس ہندوستان آئے اور دہلی میں پہنچے (جہاں ان کا نہایت پر جوش استقبال کیا گیا) اس وقت مولانا نے اس نظم کو پورا کیا۔ مولانا کی خواہش تھی کہ خود یہ نظم ان کے سامنے پڑیں۔ پانی پت سے انہیں دہلی تار دیا گیا کہ لاہور جاتے ہوئے بخٹوری دیر بہاں بھی ٹھہریں مگر نہ تار کا جواب آیا اور نہ مٹر ظفر علی خاں ادھر سے گزرے موقع گذر جانے کے بعد مولانا نے یہ نظم دفتر زمیندار میں اشاعت کے لئے بھیج دی تھی۔

(اسماعیل)

اے ملک دفتر زمیندار	اے نازش قوم و فخر آخراں
لے روح دروان جمیع اجاب	اے چشم و چراغ بزم اخواں
لے دین کے امتحاں میں جانناز	لے نصرت حق میں تیغ عریاں
لے صدق و صفائی زندہ بقویر	ای شیر دل لے ظفر علی خاں
قدرت نے بھری تھے تجھ میں جن گن	جتک وہ رہے نظر و پہاں
فوقیت در تری پہ تیسری	قام کوئی ہو سکی نہ برہاں
پردت کی تاک میں برابر	ہمت تری گن ہی تھی گھریاں

بلقان طرابلس میں ناگاہ
 ہمدردی اہل دیں سنے آخر
 جمیعت و صبر کا سراسر
 پہیلے وہ بر سکل پس آتش
 ڈالا یہ تری پکار سنے فل
 جو دل غم قوم سے تھے بے حس
 وہ بن گئے آپ اپنے رہن
 اسلام کی سمجھے اب حقیقت
 ہاں اس میں نہیں مبالغہ کچھ
 نازاں ہے وہ درگاہ تجھ پر
 کاش ایسے جنے سدا وہ فرزند
 سوز غم دین حق سے جن کے
 جو ملک وطن کے ہوں فدائی
 مشرق میں ہوں درو دل یحییٰ
 پنجاب کو تجھ پہ ہو اگر خیر
 - زندہ ہے وہ ملک اور وہ ملت
 ہوں زندہ دل ایسے جہیں انساں

حصہ اول تمام شد

حصہ دوم

غزلیات

میں انکی تمام غزلیات تین حصوں پر تقسیم کی جاسکتی ہیں :-

اول وہ قدیم غزلیات ہیں جو ایام جوانی یا اس زمانہ کی تصنیف ہیں جب حالی پر تغیرات زمانہ کا اثر نہ پڑا تھا اور جس وقت شاعری صرف گنگھی پوٹی حق و عشق - ہجر وصال اور عاشقانہ شکوہ و شکایت وغیرہ مضامین میں ہی منحصر سمجھی جاتی تھی - حالی کی یہ غزلیات بھی زمانہ کی ہوا کے موافق اسی رنگ میں رنگین نظر آتی ہیں -

دوسری قسم کی غزلیات اس وقت کی ہیں جب زمانہ پلٹنے لگا اور نئی طرز کی شاعری کی داغ بیل پڑنی شروع ہوئی - پرانی شاعری سے طبیعت متغیر ہونے لگی اور رفتار زمانہ کو دیکھ کر اس بزرگ حکیم کے دل میں بھی قومی درد اٹھ اچھا جو آئندہ اس ناصحانہ اور حکیمانہ کلام کا باعث بنا جس سے حالی کی تمام منظوم تصانیف لبریز ہیں - اس زمانہ کی غزلیات سے نصیحت و عبرت اور درد پیکا پڑتا ہے اور دراصل یہی وہ میدان ہے جس میں حالی نے فاتحانہ انداز سے قدم رکھا ہے - اور جس میں وہ اپنے تمام معاصرین سے نہایت ممتاز نظر آتے ہیں -

اول اور دوم دونوں قسم کی غزلیات دیوان حالی میں صاف طور پر علیحدہ علیحدہ نظر آتی ہیں - اور ایک نظر میں معلوم ہو جاتا ہے کہ کونسی غزلیات قدیم ہیں اور کونسی جدیدہ

تیسری قسم کی غزلیات وہ ہیں جو حالی کی بالکل آخری عمر کی تصنیف اور دیوان کے شائع ہونے سے بعد کی ہیں اور جن میں بڑے ہاپے کی نچہ کاری۔ اعلیٰ درجہ کی قوت فیصلہ۔ ہر معاملہ میں چچی تلی رائے۔ کلام کی خوبی و لطافت۔ اور جن بیان غرض ہر خوبی نہایت نمایاں نظر آتی ہے۔ اور جن سے اس مشہور قولہ کی سچائی پورے طور پر ذہن نشین ہو جاتی ہے کہ ”شاعر حقد ر ضعیف اور بوڑھا ہوتا جاتا ہے اُسی قدر اُس کی شاعری منہجستی اور جوان ہوتی جاتی ہے“

ہم نے تینوں قسم کی غزلیات میں تمیز کے لئے کچھ اشارات مقرر کر دیئے ہیں جن سے ناظرین سمجھ لیں گے کہ کونسی غزل کس وقت کی تصنیف ہے۔

(۱) قدیم غزلیات کے شروع میں حاشیہ برحق بنا دیا گیا ہے۔

(۲) جدید قسم کی غزلیات چونکہ بہت زیادہ تھیں لہذا آسانی کے لحاظ سے ان پر کوئی نشان نہیں لگایا۔ ان کا نشانات سے خالی ہونا ہی ان کے جدید ہونے کی علامت ہے۔

(۳) آخری عمر کی غزلیات پر لکاشان بنا دیا گیا ہے۔

ہم تینوں قسم کی غزلیں جدا جدا درج کرتے مگر ردیفوں کے سلسلہ کا بھی خیال تھا اور اس صورت میں یہ سلسلہ قائم نہیں رہ سکتا تھا۔ کیونکہ علیحدہ علیحدہ ہر قسم میں اس قدر غزلیں نہیں ہیں کہ وہ تمام ردیفوں پر تقسیم ہو سکتیں لہذا مجبوراً تینوں اقسام کی غزلیں ملا جلا کر گلدی گئیں۔ اس طرح ردیفوں کا سلسلہ بھی پورا ہو گیا اور ہر غزل پر خاص نشانات لگا دینے سے تمیز میں بھی آسانی ہو گئی۔

(اسماعیل)

الف

بقضہ ہودلوں پر کیا اور اس سو سوا تیرا اک بندہ نافرماں ہے حمد سرا تیرا

گو سب سے مقدم ہے حق تیرا ادا کرنا
محرم بھی ہے ایسا ہی جیسا کہ ہے نامحرم
چھتاہیں نظروں میں یاں خلعتِ سلطانی ^{قطرہ}
غفلت تری مانے بن کچھ بن بند آتی یاں
تو ہی نظر آتا ہے ہر شے میں عیسا اُن کو
نشہ میں وہ احساں رکے سرشار میں اور بخود
سمجھا ہے پرستہ تجھ کو اور اک کی سرحد سے
طاعت میں ادب تیرا عصیاں ہی گو بڑھ کر
آفاق میں پھیلے گی کب تک نہ مہک تیری

ہر بول ترا دل سے ٹکرا کے گذرتا ہے

کچھ رنگِ بیاں حالی ہی سب سے جُدا تیرا

کمال ہے جو ازل سے وہ ہے کمال تیرا
ہر عارفوں کو حیرت اور منکروں کو سکتہ
کاوش میں ہر آہی و گدہ میں ہے طبعی
چھوٹے ہوئے ہیں گوجی پر دل بند ہو ہیں
گو حکم تیرے لاکھوں یاں ٹالنے رہی ہیں
بھندے تیرے کیونکر جائے نکل کے کوئی؟
انکی نظر میں شوکت چھٹی نہیں کسی کی

باقی ہے جو ابد مدت وہ ہے جلال تیرا
ہر دل پہ چھارہا ہے رعبِ جلال تیرا
جو حل ہوا نہ ہوگا وہ ہے سوال تیرا
سننے سے بھی سوا ہے پھٹنا محال تیرا
لیکن ٹلانا ہر گز دل سے خیال تیرا
پھیلا ہوا ہے ہر سو عالم میں جال تیرا
آنکھوں میں بس رہا ہر جن کی جلال تیرا

۱۔ یہ اشارہ ہے اس حدیث کی طرف اَلَا اِنَّ لِلّٰهِ لَفَتْحَاتٍ فِی الدِّیْنِ لَا فَتَحَ صُوتُهَا
یعنی خدا کی خوشبوئیں زمانہ میں پھیلی ہوئی ہیں سو اُنکا آگاہ اور اُن کو اوپر اور نہ جانے دو ۱۲ حالی

دل ہو کہ جان۔ تجھ سے کیونکر عزیز رکھے
 دل ہو سوخیز تیری۔ جاں ہو سوال تیرا
 ہے پور زناں سو دل اُسکا قوی زیادہ
 رکھتی ہے آسرا تیاں جو پیر زناں تیرا
 ہے پاس دوستوں کے تیری یہی نشانی
 یار بکھی نہ پائے زخم اند مال تیرا
 بیگانگی میں حالی۔ یہ رنگ آشنائی
 سُن سُن کو سر دہنیں گے قال ال حال تیرا
 رُٹ میں دشت جنوں کی تیرے عجب مزا خوشگوار دیکھا
 نہ اس سفر میں تکان دیکھی نہ اس نشے میں خمار دیکھا
 نہ جی رکھائی سے تیری چھوٹے نہ بے نیاز می سجاس ٹوٹے
 رہے سدا نامراد جو یاں اُنہیں بھی امیدوار دیکھا
 بُرخ جہاں سوز تیرا دیکھا نظارہ افز و ز جس چمن میں
 نہ بلبل و گل میں واں تعلق نہ سرو و قمری میں پیار دیکھا
 سوار محل کی جستجو میں ہزاروں دشت طلب میں ڈوڑے
 نہ محل آیا نظر نہ نامتہ فقط کچھ اُٹت اخبار دیکھا
 جو لاکھ میں ایک پر کہیں کچھ کھلا بھی قسمت سے بھی تیرا
 ملا نہ کھوج اس کا پھر کسی کو۔ ہزار ڈھونڈا ہزار دیکھا
 لگن میں تیری نخل گئے جو نہ جھجکے دریا کے پر خطر سے
 گئے وہ گوہر آنکھ بند کر کے نہ وار دیکھا نہ پار دیکھا
 بچے ہوئے کا ہشوشیاں کی وہی ہیں جو تیری ہو رہی ہیں
 و گرنہ زخموں سے حادثوں کے ہر ایک سینہ دکھا دیکھا
 چمن میں ٹھوٹے سے جا بھی نکلے اگر کبھی داغدار تیرے
 گل اُٹنی نظر و مین چھپتے دیکھا کھٹکتے آنکھوں میں خمار دیکھا

خبر نہیں یہ کہ کیا ہے۔ کیا ہو۔ کون ہے۔ اور تو کہاں ہے؟
 یہ اپنے میں اور تجھ میں ہم نے علاقہ اک استوار دیکھا
 سلوک ہیں تیرے سب یکساں وہ گہر و ترساہوں یا مسلمان
 نہ اُن کو کچھ تیرا بیر پایا نہ ان سے کچھ تیرا پیار دیکھا
 سپر بھی دی تو نے تیغ بھی دی مگر دیے ہاتھ باندھ سکے
 جنہیں تہا یاں اختیار سب کچھ اُنہیں ہی بے اختیار دیکھا
 بشر سے کچھ ہو سکے نہ حالی تو ایسے جینے سے فائدہ کیا
 ہمیشہ بے کار تجھ کو پایا کہی نہ گرم کار دیکھا

پر وہ ہوا لاکھ کینہ شمر و یزید کا
 مضمون ہو نقش دل میں لہنا مزید کا
 قفل در مراد سب اکبار کھل گئے
 دیکھا ہے ہمنے عالم رحمت کو غور سے
 شرم گرم کی ہیں ہی گر پرودہ داریاں
 ہو زو بان جذبہ توفیق در میاں
 ہو آسماں پر تیرے جگر خوار کا دماغ
 تسکین نہیں مشاہدہ گاہ گاہ سے
 دوزخ ہو گر وسیع تو رحمت وسیع تر
 لا تقطعوا جواب ہے ہل میں مزید کا

حالی کی ہیں اگر ہی شیوا بیاسیاں

لیگا نہ کوئی نام ظہیر و رشید کا

اللہ قرآن شریف میں ہے ”لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ فِيهَا وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ“ یعنی اہل جنت کے لئے جنت
 میں جو کچھ وہ چاہیں گے سب کچھ ہوگا اور (اس کے سوا) ہمارے پاس اور بھی (بہت کچھ) ہے ۱۲ - حالی

لغت

یا مَلِکِ الصِّفَاتِ یا بَشَرِی الْقُوَلِ
 تجھ سے ہوئی زندہ خلق جیسے کہ بارگاہِ خاک
 دعوے روشن ترا ثابت بے سبب نہ
 قال ترا اور حالِ نشہ وحدت میں چور
 غیب بھیجا تجھے۔ ٹاپتا پھرتا تھا جب
 اٹھا ہدایت کو تو عین ضرورت کے وقت
 شانِ سالت کی تھی تیری جہیں سے عیاں
 گلہ بنی سعد کا جب کہ چراتا تھا تو
 دوڑ پڑے سوسے حق کاٹ کر سب بٹریاں
 رام بھتیسیں جبر رکھے دل تھام کر
 خاک تھی جس ملک کی مزرع شر و فساد
 تو نے تھل کیا قوم کا غلبہ تھا جب
 چھوڑ گئے تھے سلف کام ادھر بہت
 تو نے کیا ترقی عارف و عامی پر فاش
 پوٹ سی حق کی رہا دل نہ اچھوتا کوئی
 حجت حق کر چکا دین ترا جب تمام
 دیر ہوئے بے چراغ اور صلوات یہود
 بجھ گئے آشکدے بیٹھ گئے بت کدے

فَیْکَ دَلِیلُ عَیْکَ اِنَّکَ خَیْرُ الْوَرِیْ
 خَلَقْتَ خَصَبَ الزَّمانِ بَنَیْتَ فِیْہِ الْوَرِیْ
 صَوْرَتِ وِسیْرَتِ تَری صِدْقِ پَریْ
 اِدْرَ صَنا تِرا خَذا اِدْرَ بَچھو نا خَدا
 وِشتِ مِیْنِ بَچھکا ہوا تافلہ بے رہنا
 جِیسے کہ مَہنگا مَ قَطا قَبیلہ سے اُسے گھٹا
 گو دے دا یہ ابھی کر نہ چکی تھی حُدا
 گلہ آدم تجھے سو پ چکی تھی قَضا
 اُنہیوں کے جب پڑی کان میں تیری صدا
 دیکھ کے تیرا ترم ہم قدم اُنہیوں
 تو نے اُسی کو دیا ارضِ مقدس بنا
 جب ہوئی مغلوب قوم تو نے ترحم کیا
 تو نے کیا دام دام و رُض سب اٹکا ادا
 ایک کو سمجھا دیا ایک کو دکھا دیا
 ایک کے چرکا لگا ایک کو گھال کیا
 پھر نہ کسی دین کا رنگ جہاں میں جما
 شرک ہوا مَصلَح اور کمانت مہبَا
 ہو گئی مَیلِث مات اور ثَنوِیْتِ فَنّا

۱۵ دیر راہوں کا کلیسا۔ صلوات۔ یہودیوں کا کلیسا۔ ہنبا عبرا ناچیز ۱۵ موسیٰ جو خدا ایک خالق
 خیر ایک خالق شر یعنی یزدان اور اہرن کو مانتے ہیں اس عقیدہ کو ثنویت کہتے ہیں۔ ۱۲

اٹھے بہت مدعی جیسے کہ ساون میں گھانسن
غیرت حق نے مگر جلد لیا انتقام
رہ گیا نام سجاد کذب میں ضرب المثل
سلسلہ انبیاء ختم نہ ہوتا۔ اگر
آتے ہی چشمہ دیا تو نے کنوئیں کو نکال
بس نہ رہا اشتباہ اب حق و باطل میں کچھ

مربطہ پر چند روز باقی ہے نشو و نما
بل گئے اٹھ اٹھ کے سب خاک میں ابل ہوا
اسود و ابن کثیر شیر خوار تھے بڑا
حق کی حقیقت سے تو پردہ نہ دیتا اٹھا
جس کو چلے آتے تھے کھودتے سب انبیا
بیچ چکا تیرے ہاتھ ملت بیضا خدا

تجھ پہ صلوة و سلام رب سموات سے

روز و شب بیچ و شام قدر مال و حصا

اے عشق تو نے اکثر قوموں کو کھا کے چھوڑا

جس گھر سے سر اٹھایا اس کو بٹھا کے چھوڑا

ابراہیم سے ترساں احرار تجھ سے لرزاں

جو زد پہ تیری آیا اس کو گرا کے چھوڑا

رایوں سے راج چھینے شاہوں سے تاج چھینے

گردن کشوں کو اکشر نیچا دکھا کے چھوڑا

کیا منعموں کی دولت کیا زاہدوں کا تقویٰ

جو گنج تو نے تاکا اس کو لٹا کے چھوڑا

جس رہ گزریں بیٹھا تو غول راہ بن کر

صنماں سے راست رو کو رستہ بھلا کے چھوڑا

لے سجاد ایک عورت مدعیہ نبوت کا نام ہے جس کا کذب عرب میں ضرب المثل ہے چنانچہ کہتے ہیں
هو الكذب من سجاد اور اسود غسی اور سیلمہ جس کی کینت ابن کثیر ہے۔ یہ دونوں مدعی نبوت تھے
جہ آخر کا قتل کئے گئے ۱۲

فرہاد کو کہن کی لی تو نے جان شیریں
اور قیسِ عامری کو مجنوں بنا کے چھوڑا
یعقوب سے بشر کو دی تو نے ناصبوری
یوسف سے پارسا پر ہٹاں لگا کے چھوڑا
لاگ اور لگا دو دو نوہیں دل گداز تیرے
پتھر کے دل تھے جنکے اُن کو رُلا کے چھوڑا
عقل و خرد نے تجھ سے کچھ چھپا لیا جہاں کی
عقل و خرد کا تو نے خاکہ اُڑا کے چھوڑا
علم و ادب رہے ہیں دُبلے ترے ہمیشہ
ہر معرکہ میں تو نے اُن کو دِلا کے چھوڑا
افسانہ تیرا نگیں رُوداد تیری دل کش
شعر و سخن کو تو نے جادو بنا کے چھوڑا
اک دسترس سے تیری حالی بچا ہوا تھا
اُس کے بھی دل پہ آخر چرکا لگا کے چھوڑا

دیکھ اے امید! کیجیو ہم سے نہ تو کنار
یوں بے سبب زمانہ بھرتا نہیں کسی سے
میں جانہ کی خرابی جی دیکھ کر بھڑ آیا
اک شخص کو توقع بخشش کی بے عملی
دُنیا کے خرخوش سے چیخ اٹھے تھے ہم دل
توفیق نے ہمیشہ لی تیرے خیریاں
تیرا ہی رہ گیا ہے لے دیکے اک سہارا
لے آسمان کچھ اس میں تیرا بھی ہوا اشارا
موت کے بعد کل اں جا سکے تھے فضا را
لے زاہد و متہارا ہے اس میں کیا اجارا
آخر کو رفتہ رفتہ سب ہو گئے گوارا
جب ناؤ ڈلگائی پاس آگیا کنار

لے دلانا کشتی دلانا۔ یعنی پھینا ڈرنا۔ اکثر کشتی کا لفظ حذف کر کے صرف دلانا بولتے ہیں۔ ۱۲

الضاف سیو دیکھا نکلے وہ عیب سے
 افسوس اہل دین بھی مانند اہل دنیا
 اُمت کو چھانٹ ڈالا کافر بنا کر
 کیا پوچھتے ہو کیونکر سب نکتہ چیں ہو چپ
 جتنے ہنرتھے اپنے عالم میں آشکارا
 خود کام و خود نما ہیں خود میں اور خود آرا
 اسلام ہے فقیہو! ممنون بہت تمہارا
 سب کچھ کہا انھوں نے پرہنے دم نہ مارا
 حالی سے کام ہر یاں فغلوں سے اسکے کیا کام
 اچھا ہے یا بُرا ہے پھر یا رہے تمہارا

رومانہ ہو گا حالی شاید یہ کم تمہارا
 الفت میں دم بدم کچھ لذت ہوڑتی جاتی
 عاقل ہیں شہر میں کم ناداں بہت ہیں عفا
 دُجُو نہیں کوئی، یاں حیف اے صنم پرستو
 کاہک کی قد سے کچھ نیت نہ پاؤ گے تم
 دشتِ طلب کے رستو طے ہو گے بسطِ رحتم
 دو مینواؤں کو بھی کچھ جم کے جانشینو
 روسی ہوں یا تیار می ہو کوسا میں گے کیا
 کھولی ہیں تنے آنکھیں اے حادثہ ہاری
 ہوتے ہی تم تو پیدل کچھ رو دیے سوارو!
 رستے میں گر نہ ٹھہرے تو تم ہی جا ملو گے
 پھرتے ادھر ادھر ہو کس کی تلاش میں تم؟

جاؤ رقم تو مانیں ہم دل سے تم کو حالی
 کچھ کر کے بھی دکھائے زورِ قلم تمہارا
 وہ دل ہے شگفتہ نہ وہ بازو ہیں تو آنا
 پہنچا ہی بس اب کو حق کا تم سمجھو زمانا

خود ہر وطن سے ہی دواعِ آبِ کسے سفر میں
 ولی سے نہ ملکتے ہی ہوا جیسے سو دل سیر
 یارب طلبِ وصل ہو یا موٹربِ وصل
 دنیا کی حقیقت نہیں جز حسرت و حرام
 افسوس کہ غفلت میں کٹا عہدِ جوانی
 یاروں کو ہمیں دیکھ کے عبرت نہیں تھی
 دنیا میں اگر ہر بھی فراغت کا کوئی دن
 لی ہوش میں نے کی جو ساقی سے اجازت
 فرمایا "خیر دار! کہ نازک ہے زمانا،"

ڈھارس سی کچھ اے ہمقد موت سے بندہ ہی ہو

حالی کو کہیں راہ میں تم چھوڑ نہ جانا

جہاں میں حالی کسی پہ اپنے سوا بھروسا نہ کیجے گا

یہ بید ہے اپنی زندگی کا بس اس کا چرچا نہ کیجے گا
 ہولا کھ غیروں کا غیر کوئی نہ جانتا اس کو خیر ہر گز

جو اپنا سایہ بھی ہو تو اس کو تصور اپنا نہ کیجے گا
 سنا ہے صوفی کا قول ہے یہ کہ ہے طریقت میں کفر دعویٰ

یہ کہدو "دعویٰ بہت بڑا ہے پھر ایسا دعویٰ نہ کیجے گا"

اسی میں ہے خیر حضرت دل - کیا رہ بھولا ہوا ہے ہم کو
 کرتے دہ یاد اس کی بھول کر بھی کہی تبتا نہ کیجے گا

کہے اگر کوئی تم کو داعظا! کہ کہتے پھرا کرتے کچھ ہو
 زمانہ کی خوشے نکتہ چینی کچھ اس کی پروا نہ کیجے گا

کمال ہے صندبے کمالی - نہیں ملاپ ات میں حرف گیر د!

جو ہم پہ کچھ چوٹ کیجئے گا تو آپ بے جانا کیجئے گا
لگا دو تم میں نہ لاگ زاہد۔ نہ دردِ الفت کی آگ نہ اہد

پھر اور کیا کیجئے گا آخر جو ترکِ دینا نہ کیجئے گا
تمہارا تھا دوستدارِ حالی اور اپنے بیگانہ کا رخصتا جو
سدا کس سے کہے یہ تھے تو ہم سے کیا کیا نہ کیجئے گا

ہو غم ویرشاہ کعبہ سے پہر کر اپنا
مقیدِ خرد میں رہتے آتے نہیں نظر ہم
آتا ہے دُور ہی سے ہکو نظر گھر اپنا
دشتِ رہیگی دل کی دکھلا کے جو ہر اپنا
پیرِ مغاں سے ہو کر بتِ سرِ خرد میں لے
بیگانہ دوش ہو کر وہ تو ہے ہمارے دھب کا
عصمتِ اپنی ہی خود فطرت گواہ اپنی
کچھ کذبِ اختر ہے کچھ کذبِ حقِ نما ہے
غیرِ دل کو لیں گے آخر اپنا بنا کے کیا ہم
اپنوں ہی سے ہو حالی کچھ دل بکدرا اپنا
معنی کا تم نے حالی دریا اگر بسایا

یہ تو بتائیں حضرت! کچھ کر کے بھی دکھایا
اے بانگِ طبلِ شاہی دِن ہو گیا جب آخر
خوابِ گراں سے تو نے ناحق ہمیں جگایا
ہتا ہوش یادِ گل کا دُورِ خزاں میں کس کو
اے عندلیبِ نالاں یہ تو نے گل کھلایا

دیراں ہے باغ۔ تسپر پھولی نہیں ساتی
مردہ صبا نے یاربِ لبّیل کو کیا سنایا؟

اے عشق دل کو رکھا دُینا کا اور نہ دیں کا
 گھر ہی بگاڑ ڈالا تو نے بے سنا یا
 ڈرتے رہیں گے اب ہم بے جرم ہی نر اسو
 احسان اُس کا جس نے ناعق ہمیں ستایا
 واعظ کی محبتوں سے قائل تو ہو گئے ہم
 کوئی جواب شافی پر اُس سے بن نہ آیا
 آیا نہ تھا کہی یاں گویا قدم خزاں کا
 دو دین میں یوں پلٹ دی کسے چمن کی کایا
 تقلید قوم ہی پر گرے مدارِ تحسین

تو ہم نے دوستوں کی تھیں سے ہاتھ اٹھایا
 دیکھا تو کچھ نظر میں حالی جہانہ اپنی
 جو جو گماں تھے ہم کو اُن کا نشان پایا
 نفس دعویٰ بے گناہی کا سدا کرتا رہا
 حق نے احسان میں کی اور میں نے کفر انہیں کی
 چور یوں دیدہ دل کی نہ سترایا کہی
 طاعتوں کی زد و تیغ کیج کر چلا راہِ خطا
 نفس میں جو نار و خواہش ہوئی سدا کہی
 منہ نہ دیکھیں دوست پھر میرا اگر جانیں تیریں
 تھا نہ استحقاق تحسین پرستی تھیں سدا
 شہرت اپنی جفا بڑھتی گئی آفاق میں
 ایک عالم سے وفا کی تو نے اسی حالی کر

گرچہ اترے جی سے دل کُشا کرتا رہا
 وہ عطا کرتا رہا اور میں خطا کرتا رہا
 چھپکے چھپکے نفسِ خائن کا کسا کرتا رہا
 وار انکا اس لئے اکثر خطا کرتا رہا
 اُس کو جیلے دل سے گھر گھر کر رہا کرتا رہا
 اُن کو کیا کہتا رہا اور آپ کیا کرتا رہا
 حق جو دُونِ ہمیت کا وہ ادا کرتا رہا
 کبر نفس اتنا ہی ماں نشو و نما کرتا رہا
 نفس پر اپنے سدا نظم و جفا کرتا رہا

کہیں اسام منوانا پڑے گا ۱ کہیں کشف اپنا جملانا پڑے گا
 نہو صوفی صفا گو تجھ میں لیکن ۲ کمرسمہ کوئی دکھلانا پڑے گا
 نصیحت بے اثر ہے گرنہ ہو درد“ جھیں ہو جھوٹ کو بیچ کر دکھانا
 عوام الناس کا ہو گا جھیں منہ رہے وصفِ جہاں کی مشق واعظ
 سخن میں پیروی کی گر سلف کی انہیں سچوں کو جھٹلانا پڑے گا
 اُھیں خاصوں پہ منہ آنا پڑے گا تمہیں بچوں کو پھیلانا پڑے گا
 انہیں باتوں کو دہرانا پڑے گا انہیں بچوں کو پھیلانا پڑے گا
 تعلق کا ہے پھندا بیچ در بیچ ۱ یہ عقدہ ہم کو سلجھانا پڑے گا
 بہت یاں ٹھو کریں تہائی ہیں تہنے ۲ بس اب دنیا کو ٹھہکانا پڑے گا
 نہیں ٹوٹس کی اس غمکدے میں ۳ کہیں دل جا کے ہلانا پڑے گا
 دل اب صحبت کو کوسوں بہا گتا ہو ۴ ہمیں یاروں سے شرمنا پڑے گا
 زمانہ کر رہا ہے قطع پیوند ۵ وفا سے ہم کو بچنا پڑے گا
 جو منصوبے ہیں یہ حالی تو شاید ۶ ارادہ فتح نہ کرنا پڑے گا

بشر پہلو میں دل رکھتا ہے جب تک

اُسے دنیا کا غم کھانا پڑے گا

سخن پر ہیں اپنے پڑے گا یہ دفتر کسی دن ڈبونا پڑے گا
 عزیز دکھاں تک یہ آتش مزاجی تہیں جلد تر خاک ہو نا پڑے گا
 رہا دوستی پر نہ تکیہ کسی کی بس اب دل شکوہ دکو دکھنا پڑے گا
 بن آہنگی ہر گز نہ یاں کچھ کہے بن جو کچھ کاٹنا ہے تو بونا پڑے گا

ہوئے تم نہ سید ہے جوانی میں حالی
 مگر اب مری جان ہونا پڑے گا

کبتک اے ابر کرم ترسائے گا
 پھل کچھ لے نخل وفا تجھ میں نہیں
 دُست کا آیا ہی سمجھو اب پیام
 ذوق سب تے رہے جز ذوق درد
 منہ ہی رحمت کا کبھی برسائے گا
 جو لگائے گا تجھے بھتائے گا
 آج اگر آیا نہیں کل آئے گا
 اک یہ لپکا دیکھے کبت جائے گا
 پر فرانے کا یاں کیا پائے گا
 اور خود شرمندہ ہو کر جائے گا
 ہمہ منہ آئے گا منہ کی کھائے گا
 رنگ یہ دیوانہ اک دن لائے گا
 جی نفس میں سکا کیا گہرائے گا
 شبدہ تازہ کوئی دکھلائے گا
 دیکھے برے گا یا برسائے گا
 ابر برق آئے ہیں دونوں ساتھ ساتھ ۲
 قطعہ ۱

مشکلوں کی جب کو ہے حالی خبر
 مشکلیں آساں وہی فرمائے گا

داں اگر جائیں تو لے کر جائیں کیا
 دل میں باقی ہے وہی حرص گناہ
 آؤ لیں اس کو ہمیں جا کر منا
 دل کو مسجد سے نہ مندر سے ہو انس
 جانتا دنیا کو ہے اک کیسل تو
 عمر کی منزل تو جوں توں کٹ گئی
 دل کو سب باتوں کی ہوا صبح خبر
 منہ آئے ہم جا کے یہ دکھلائیں کیا
 پہر کے سے اپنے ہم بچھتا میں کیا
 اس کی بے پروائیوں پر جائیں کیا
 ایسے وحشی کو کہیں ہمسائیں کیا
 کیسل قدرت کے تجھے دکھلائیں کیا
 مرحلے اب دیکھے پیش آئیں کیا
 سمجھے سمجھائے کو بس سمجھائیں کیا

ان لیے شیخ جو دعوائے کرے اک بزرگ دین کو ہم جھٹلائیں کیا
 ہو چکے حالی غزل خوانی کے دن
 راگنی بے وقت کی اب گائیں کیا
 کاش اک جام بھی سالک کو پلایا جاتا
 اک چراغ اور سر راہ جلایا جاتا
 کر دیا اُس نے تو اللہ سے غافل ناصح!
 اُس کو کیوں بھولتے گراں کو بھلایا جاتا
 چپ چپاتے اُس دے آئے دل اک تپا ہیم
 مال ہنگام نظر آتا تو چمکایا جاتا
 شب کو زاہد سے نہ مٹ بیٹھ ہوئی خوب ہوا
 لشکر زور دہ پہ تھا شاید نہ چھپایا جاتا
 دل کو یہ تو نے دکھایا ہے کہ دکھ جاتا ہے
 چینیٹی کا بھی اگر دل ہے دکھایا جاتا
 نامہ بر آج بھی خط لے کے نہ آیا یا رو
 تم تو کہتے تھے کہ ”وہ ہے ابھی آیا جاتا“
 عشق ہنس دقت سے سر پر تری منڈلاتا تھا
 گودیوں میں تجھے تھا جب کہ کھلایا جاتا
 لوگ کیوں شیخ کو کہتے ہیں کہ عیار ہی وہ
 اُس کی صورت سے تو ایسا نہیں پایا جاتا
 بارہا دیکھ چکے تیرے فریب سے دینا
 ہم سے اب جان کے دہوکا نہیں کھایا جاتا

کرتے کیا؟ پیتے اگرے نہ عشا سے تا صبح
 وقت فرصت کا یہ کس طرح گنویا جاتا
 دل نہ طاعت میں لگا جب تو لگایا غم عشق
 کسی دہندے میں تو آخر یہ لگایا جاتا
 اُس نے اچھا ہی کیا حال نہ پوچھا دل کا
 بڑک اٹھتا تو یہ شملہ نہ دبایا جاتا
 عشق سنتے تھے جسے ہم وہ یہی ہے شاید

”خود بخود دل میں ہر اک شخص سمایا جاتا“
 اب تو تکفیر سے واعظ نہیں بڑھتا حالی
 کہتے پہلے سے تو دے لے کے بٹایا جاتا

راحت کا جہا نہیں یوں نہیں اک نام ہو گیا
 کچھ کرتے ہیں جو یاں نہ ہی انگشت نما ہیں
 بنا نام ہی دُنیا میں نہ کو نام ہے گویا
 نا چیز ہیں وہ کام - نہیں جن پہ کچھ الزام
 جو کام ہیں - انکا یہی انجام ہے گویا
 ہر وقت سبیل اور وہی عشرت کو ہیں سامان
 آخر ہونی رات اور ابھی یہاں شام ہے گویا
 اٹھا تھا کچھ اول ہی سے یہ درد بُری طرح
 آغاز ہی الفت کا بس انجام ہے گویا
 اسلام کا ادبار بھی اک نام ہے گویا
 ادبار بھی دیکھو گے جہاں پاؤ گے اسلام

جب دیکھے حالی کو پڑا پاسے بے کار
 کرنا اُسے باقی ہی اک کام ہے گویا

خلوت میں تری صوفی گر فور صفا ہوتا
 تھا آفت جان اُس کا انداز کما نذاری
 تو سب میں طار ہوتا اور سب جدا ہوتا
 ہم نچکے کہاں جاتے گر تیر خطا ہوتا
 میری طرح تو بھی غیروں سے خفا ہوتا
 کچھ اپنی حقیقت کی گرتجہ کو خبر ہوتی

یہ لطف بناوٹ میں دیکھنا نہ ساقا صد
 باتوں میں شکایت کی بڑا آتی ہوا الفت کی
 ہم روزِ دلع اس سے ہنس ہنس کے ہو کر رخصت
 اگر صاحبِ دل ہوتے سُن کر مری بیتابی
 جو دل پہ گزرتی ہے کیا تجھ کو خبرِ ناصح
 جو جانِ درگزرِ وہ چاہی سو کر گزرے
 اُن پر تھ تو ہر کو یہ کچھ پڑھتا تو بلا ہوتا
 گرد لیں جگہ ہوتی لب پر بھی گلا ہوتا
 رونا تھا بہت ہلکے روتے بھی تو کیا ہوتا
 تم کو بھی قلع ہوتا اور مجھ سے ہوا ہوتا
 کچھ ہم سے سنا ہوتا پھر تو نے کہا ہوتا
 گر آج نہ تم آتے کیا جانے کیا ہوتا

کل حالی دوانہ کہتا تھا کچھ فتنہ
 سُننے ہی کے قابل تھا تھے ہی سنا ہوتا

ق پیش از ظہورِ عشق کسی کا نشان نہ تھا

تھا حُسنِ میزبان کوئی میہبان نہ تھا

ہم کو بسا میں بھی سہرگمتاں نہ تھا

یعنی خزاں سے پہلے ہی دل شادمان تھا

ملتے ہی اُن کے بھول گئیں کلفتیں تمام

گویا ہمارے سر پہ کہی آسماں نہ تھا

کیا جانتے تھے جائے گاجی اک نگاہ میں

تھی دل کی احتیاط مگر یہیم حسان نہ تھا

بیچ ہے کہ پاس خاطرِ نازک عذاب ہو

تھا دل کو جب فراغ کہ وہ مہربان نہ تھا

کچھ میری بے خودی سے تمہارا زیاں نہیں

تم جانتا کہ بزم میں اک خستہ جان نہ تھا

رات اُن کو بات بات پہ تلو تلو دیے جواب

مجھ کو خود اپنی ذات سے ایسا گمان نہ تھا
رونا ہے یہ کہ آپ بھی ہنستے تھے درنیاں

طعن رقیب دل پہ کچھ ایسا گراں نہ تھا
تھا کچھ نہ کچھ کہ پھانسی سی اک دلیں چبھ گئی
نانا کہ اس کے ہاتھ میں تیرا دستاں نہ تھا
بزم سخن میں جی نہ لگا اپنا زینہ سار
شب انجمن میں حالی جا دو بیاں نہ تھا

ق
ریخ اور ریخ ہی تنہائی کا
عمر شاید نہ کرے آج وفا
تم نے کیوں وصل میں پہلو بدلا
ایک دن راہ پہ جا پونچے ہم
اس سو نادان ہی بن کر ملے
سات پردوں میں نہیں ٹھہرتی آج
درمیاں پائے نظر ہے جب تک
کچھ تو ہے قدر تماشائی کی
اُسکو چھوڑا تو ہے لیکن اُو دل
بزم دشمن میں نہ جی سے اُترا
یہی انجام تھا اُو فضل خزاں؟
مدد اے جذبہ توفیق کہیاں
محبسِ مذر بہت ہیں لیکن
ہونگے حالی سے بہت آوارہ

وقت پہونچا مری رسوائی کا
کاٹنا ہے شب تنہائی کا
کس کو دعویٰ ہے شکیبائی کا
شوق تھا باد یہ میسائی کا
کچھ اجارہ نہیں دانائی کا
حوصا کیا ہے تماشائی کا
ہم کو دعویٰ نہیں مینائی کا
ہے جو یہ شوق خود آرائی کا
مجھ کو ڈر ہے تری خود رانی کا
پوچھنا کیا تری زیبائی کا
گلِ دہلی کی شناسائی کا
ہو چکا کام تو انائی کا
اُذن ہم کو نہیں گویائی کا
گمراہی دور ہے رسوائی کا

انماض چلتے وقت مرّوت سے دور تھا

رو رو کے ہم کو اور رُلانا ضرور تھا

تھی ہر نظر مجسم دیدار ورنہ یاں

ہر خار نخلِ ایمین دہر سنگ طور تھا

درد اک لب پہ راز دل آیا نہ تھا ہنوز

چرچا ہمارے عشق کا نزدیک دور تھا

جانی نہ قدر رحمت حق پار سائے کچھ

ٹھہرا قصور دار اگر بے قصور تھا

دردی کشانِ بزمِ منّاں کا نہ پوچھ حال

ایک ایک رند نشہ وحدت میں چچ رہا

اب باریاب انجمنِ عام بھی نہیں

درد دل کہ خاص محرمِ بزمِ حضور تھا

روزِ وداع بھی شبِ ہجراں سے کم نہ تھا

کچھ صبح ہی سے شامِ بلا کا ظہور تھا

بیمار کی تو اپنے نہ لی تم نے کچھ خبر

بہر نازِ نقش پہ آنا ضرور تھا

حالی کو بھریں بھی جو دیکھا تو شادماں

تھا حوصلہ اُسی کا کہ استا صبور تھا،

۱۔ اس غزل کے متعلق پیغم صاحب کی خبری ۱۸۹۱ء صفحہ ۱۱ میں ہے یہ دو شعر ہکولے میں جو دیوان میں نہیں تھے۔ لہذا یہ دونوں یہاں حاشیہ پر درج کر دیئے جاتے ہیں، (اسماعیل)
کیونکہ کہوں کہ تم مرے مرنے سے شاد تھے چہرہ تہائیوں ادا اس؟ جو دلیں بُھور تھا
زائد کو گر عبادت و تقویٰ پر تھا گھنٹہ ہم کو بھی انفعال ہے اپنے غرور تھا

دل سے خیال دوست بھلایا نہ جائیگا
 تم کو ہزار شرم سہی مجھ کو لاکھ ضبط
 ایدل رضائے غیر ہے شرط رضا دوست
 دیکھی ہیں ایسی اُن کی بہت مہربانیاں
 نئے تند و ظرف حوصلہ اہل بزم تنگ
 رضی ہیں ہم کہ دوست سی ہو دشمنی مگر
 کیوں چھڑتے ہو ذکر نہ ملنے کا رات کے
 بگڑیں نہ بات بات پہ کیوں جانتے ہیں وہ
 ملتا ہے آپ سے تو نہیں حصر غیر پر
 مقصود اپنا کچھ نہ کہلا لیکن اس قدر
 جھگڑوں میں اہل دین نہ حالی رہیں بس آپ
 قصہ حضور سے ہم چکایا نہ جائے گا

قلق اور دل میں سوا ہو گیا
 دکھانا پڑے گا مجھے زخم دل
 سبب ہو نہ ہو لب پہ آنا ضرور
 وہ اُمید کیا جس کی ہوا انتہا
 ہوا رکتے رکتے دم آخر فنا
 نہیں نہولتا اسکی رخصت کا وقت
 سماں کل کا رہ رہے آتا ہر یاد
 سبھتے تھے جس غم کو ہم جا نگزا
 نہ دے میری اُمید مجھ کو جواب
 دلا سا تمہارا بایا ہو گیا
 اگر تیرا س کا خطا ہو گیا
 مرا شکر اس کا کلمہ ہو گیا
 وہ وعدہ نہیں جو فنا ہو گیا
 مرض بڑھتے بڑھتے ڈا ہو گیا
 وہ رورو کے ملنا بلا ہو گیا
 ابھی کیا تھا اور کیا سی کیا ہو گیا
 وہ غم رفتہ رفتہ غذا ہو گیا
 رہے وہ خفا گر خفا ہو گیا

ٹپکتا ہے اشعارِ حالی سے حال کہیں سادہ دل مبتلا ہو گیا

سنگِ گراں ہو راہ میں تمکین یا رکا
اب دیکھنا ہے زورِ دل بے قرار کا
اک خوشی ہو گئی ہو تحمل کی ورنہ اب
وہ حوصلہ رہا نہیں صبر و ستر کا
آؤ مٹا بھی دو غلشِ آرزو سے قتل
کیا اعتبارِ زندگی مستعار کا
ہم خوش کہی ہوئے ہوں تو غم ناگوار تو
ملتا نہیں محلِ گلہ روزگار کا
بجھو بچے اگر نہیں ہو آدمی کی قدر
میرا اک التفات نہ مرنا ہزار کا
گر صبح تک وفا ہوا وعدہ وصال
سن لیں گے وہ مالِ شبِ انتظار کا
اب مجھ بوسے گل پہ ہوا کبِ دلِ خیر
ہم کو چمن سے یاد ہے جانا بہار کا
ہر سمت گردِ نافِ لبلیا بلند ہے
پہونچے جو حوصلہ ہو کسی شہسوار کا
غربت کے مشغولِ وطن کو بھلا دیا
خانہ خرابِ خاطر الفتِ شاعر کا
حالی بس اب یقین ہے کہ دلی کے ہو رہا
بے درہ درہ مہرِ سزا اس دیا رکا

دردِ دل کو دوا سے کیا مطلب
کیا کو طلا سے کیا مطلب
چشمہِ زندگی ہو - ذکرِ جمیل
خضر و آبِ بقا کیا مطلب
بادِ شاہی ہے نفس کی تسخیر
فلِ بابل ہمارے کیا مطلب
جو کرینگے ہر رنگِ خود و اعظ
تم کو میری خطا کیا مطلب
جن کے معبودِ حورو و غلمان ہیں
ان کو زیادہ خدا کیا مطلب
کام ہے مردِ می سوانساں کی قطعہ
زہد یا اتقا سے کیا مطلب
ہے اگر زند و امن آلودہ
ہم کو چون چرا کیا مطلب

صوفی شہر۔ با صفا ہے اگر ۳ ہو۔ ہماری بلا سے۔ کیا مطلب

نگہت مے پر غش ہیں جو حالی
۴ اُن کو در دو صفا سے کیا مطلب

ق

مجھ میں وہ تاب ضبط شکایت کہاں ہو اب
چھٹرو نہ تم کہ میرے ہی نہ میں زبان اب
وہ دن گئے کہ حوصلہ ضبط راز تھا

چہرے سے اپنے شورش پنہاں عیاں ہو اب
جس دل کو قید ہستی دُنیا سے تنگ تھا

وہ دل اسیر حلقہ زلفِ بتاں ہو اب
آنے لگا جب اُس کی تمنا میں کچھ مزا

کہتے ہیں لوگ ”جان کا اسمین یاں ہو اب“
لغزش نہ ہو۔ بلا ہے حسینوں کا التفات
اے دل سنہیل۔ وہ دشمن دیں مہرباں اب

اک جرعہ شراب نے سب کچھ بھلا دیا
ہم ہیں اور آستانہ پیر مغاں ہے اب
ہے وقتِ ترع اور وہ آیا نہیں ہنوز

ہاں جذبِ دل مدد کہ دم امتحاں ہو اب
ہے دل غم جہاں سے سبکدوش اندوڑ

سر پڑتا سو جتنا کوئی بار گراں ہے اب
حالی تم اور ملازمت پیر مے فروش،
وہ علم و دیں کہ ہر ہر وہ تقویٰ کہاں ہو اب

یہ ہیں داغ و سب پہ منہ داتے ہیں آپ
بس بہت طعن و ملامت کر چکے
ہے صراحی میں دہی لذت کہ جو
داغ و اسے اُن کو شرمنا گناہ ۱
کرتے ہیں اک اک کی تکفیر آپ کیوں ۲
کرتے ہیں آباد دوزخ کو حضور
خالد کو دیران کر داتے ہیں آپ

پھیر کر داغ کو حالی خلد سے
بستر کیوں اپنا پہکواتے ہیں آپ؟

گوجوانی میں تھی کجرائی بہت
نہیر برقع تو نے کیا دکھلادیا
سرو یا گل آنکھ میں جتھے نہیں
چور تھا زنجیروں میں اور کتا تھا خر
آ رہی ہے چادرِ توسف سوسدا
وصل کے ہو ہو کے سایاں لگے
جان نزاری پر دہ بول بھرمی
ہم نے ہر ادنیٰ کو اعلیٰ کر دیا
کر دیا چپ واقعات دہرنے
گھٹ گئیں خود ملیاں بام کی؟
ہٹ پہ اسکی اور پس جاتے ہیں دل
پر جوانی ہم کو یاد آئی بہت
جمع ہیں ہر سو تماشائی بہت
دل پہ ہر نقش اسکی عنایت بہت
راحت اس تکلیف میں پائی بہت
”دوست یار عفو فرمائی ہیں افرہائی بہت“
مینہ نہ برسا اور گھٹا چھائی بہت
”ہم فدائی کم تماشائی بہت
خاکساری اپنی کام آئی بہت
تہی کہی ہم میں بھی گویائی بہت
یا گئی کچھ بڑھ شکیبائی بہت
راس پہ کچھ اسکو خود آئی بہت

ہم نہ کہتے تھے کہ حالی چپ رہو
 راست گوئی میں ہے رسوائی بہت
 اس کے جاتے ہی یہ کیا ہو گئی گہر کی صورت
 نہ وہ دیوار کی صورت ہو نہ در کی صورت
 کس سے پیمان دفا باندھ رہی ہے بلبل
 کل نہ پہچان سکے گی ٹھل تر کی صورت
 ہے غم روزِ جدائی نہ نشاطِ شبِ وصل
 ہو گئی اور ہی کچھ شام و سحر کی صورت
 اپنی جیبوں سے ہیں سارے نمازی ہتیار
 اک بزرگ آتے ہیں مسجد میں خضر کی صورت
 دیکھئے شیخِ مصور سے کچے یا نہ کچے
 صورت۔ اور آپسے بے عیب بشر کی صورت
 داغ و آتشِ دوزخ سے جہاں کو تم نے
 یہ ڈرایا ہے کہ خود بن گئے در کی صورت
 کیا خبر زائدِ قانع کو کہ کیا خیر ہے حرص
 اس نے دیکھی ہی نہیں کیسے در کی صورت
 میں کیا تیر حوادث سے نشانہ بن کر
 اڑے آئی مرے تسلیم سپر کی صورت
 شوق میں اس کے فرا در میں اس کے لذت
 تاصحوا اس سے نہیں کوئی مفر کی صورت
 حلقہ اپنے پہ بھی اک۔ بعد نہرِ میت ہو ضرور

رہ گئی ہے یہی اک فتح و ظفر کی صورت
رہنماؤں کے ہوئے جاتے ہیں اُدسانِ خطا

راد میں کچھ نظر آتی ہے خطر کی صورت
یوں تو آیا ہے تباہی میں یہ بیڑا سنبھار

پر ڈرائی ہے بہت آج بھٹور کی صورت
اُن کو حالی ہی بلاتے ہیں گھر اپنے ہمان
دیکھنا آپ کی اور آپ کے گھر کی صورت

بناتے ہیں وہ مہربانی کی صورت
جسے دیکھ کر دل ہو عاشق کا بے کل
شب وعدہ ہی بارِ عام اُن کے در
غم دل نے رُسوا کیا ہم کو آخر
ہے اس ریش پر و ستم کیا خوب کہلتا
یقین ہے کہ ہم جس کو سمجھے ہیں مرنا
یہی ہو تو ہو زندگانی کی صورت

سمجھ کر گردِ قتلِ حالی کو دیکھو

مٹاؤ نہ عشق و جوانی کی صورت

ط

تو نہیں ہوتا تو رہتا ہے اچھا
رج رہی ہے کان میں یاں لے وہی
ناوہے بوسیدہ اور موہیں ہیں سخت
اک کہانی پر زن کی رہ گئی
دل کو یہ کیسی لگا دی تو نے چاٹ؟
اور منتہی لے گئی بدلے ہیں ٹھاٹ
اور دریا کا بہت چکلا ہے پاٹ
راج کسرے کا رہا باقی نہ پاٹ
ہے گریاں جی کچھ اے زاہد اچھا
دیر سے مسجد میں ہم آئے تو ہیں

ہیں بہت سرکار کی محفل میں بھاٹ
سب جہازوں کا ہو لنگر ایک گھاٹ
ٹپڑیاں کب کی گئیں کہنتی کو چاٹ؟
جس قدر تیری زباں کرتی ہے کاٹ
شعر تو ظاہر ہیں تیرے سپاٹ

جو کہ تجھ کو بنا دیں اسے امیر
ملتیں رستوں کے ہیں سب ہمیر
برق منڈلاتی ہے اب کس چنیر
تنغ میں برش یہ اسے حالی نہیں
چٹکیاں سی دل میں یہ لیتا ہو کون

ش

ہو ہنر کا بھی اسکے گرد ارث
تیرا ہے کون اسے ہنر وارث
لے گئے ڈھوکے سیم وزر وارث
کس میراث سے حذر وارث
ایک میت اور اس قدر وارث
انبیاء کے ہو تم اگر وارث
گئے اسلام کے کدھر وارث
جیسے مردہ کے مال پر وارث

باپ کا ہے جہی سپر وارث
گھر ہنر دار کا نا خلف نے لیا
فاتحہ ہو کہاں سے میت کی
ہوں اگر ذوق کسب آگاہ
خاک کروان گور و خویش دہار
واعظودین کا خد ا حافط
قوم بے پر ہے دین بکس ہے
ہم پر بیٹے ہیں ہاتھ دہے حریف

ترکہ چھوڑا ہے کچھ اگر حالی
کیوں ہیں میت پر نوحہ گرد ارث

دل جلوں کو تو نے گر یا عبث
رات ہر یاروں کو چھوڑا عبث
سب کو لازم تو نے پھیرا عبث
آپنے جال اپنا پھیلایا عبث
تو نے زاہد ہم کو شریا عبث

بھید واعظ! اپنا کھلوا عبث
جلوہ صوفی نے نہ دکھلایا کوئی
شیخ رنڈو نہیں بھی کچھ پاکباز
کوئی پنچھی آکے اب پھنسا نہیں
آکھتے تھے کبھی مسجد میں ہم

کھیتیاں جلکر ہوئیں یا رُکئی خاک
اگر ہے گھر گرا دھر آیا عبث
قوم کا حالی پینا ہے محال
سُمنے رو رو دسب کو رُکوا عبث

ج

بات کچھ ہم سے بِن نہ آئی آج
بول کر ہنسنے منہ کی کھائی آج
چُپ پر اپنی بہم تھے کیا کیا کچھ
بات بگڑ سی بنی بنائی آج
شکوہ کرنے کی تُو نہ تھی اپنی
پر طبیعت ہی کچھ بہر آئی آج
بزم ساقی نے دی الٹ ساری
خوب بھر بھر کے خم لٹھائی آج
معصیت پر ہے دیر سے یارب
نفس اور شرع میں لڑائی آج
غالب تاجر نفس دُل یا شرع
دیکھنی ہے تری خدائی آج
چور ہے دل میں کچھ نہ کچھ یارو
نیند پھر رات بہر نہ آئی آج
کل یہاں کاروبار ہیں سب بند
کر لو کرنی ہے جو کمانی آج

زود سے اُلفت کی بیج کے چلنا تھا

مُفتِ حالی نے چوٹ کسائی آج

تلخی دُوراں کے ہیں سب شکوہ سنج
یہ بھی ہے یارو کوئی رنجوں میں رنج
رنج و شادی یاں کے ہیں سب نبات
اور اگر سوچو تو شادی ہے نہ رنج
تھا قناعت میں نہاں رنج فراغ
پر ہمیں بے وقت ہاتھ آیا یہ رنج
فکر و سن بڑھتے تھے شاید ساتھ ساتھ
ہیں وہ اب پناہ جو پہلے تھے بیج
ہم کو بھی آتا تھا ہنسنا بولنا
جب کہی جیتے تھے ہم اے بدلہ سنج
آگئی مرگِ طبعی ہم کو یاد
شاخ سے دیکھا جو خود گرتا ترنج

راہ اب سیدھی ہو حالی سوئے دوست
ہو چکے طے سب خُسم و پیچ و دشمن

بج

نرم سے اچھی ہے گو دنیا ہے اسے میخوار بیچ
 یاں سمجھ لیتے تو ہیں دنیا کو دم بھر بار بیچ
 نفس سے سربہ ہوئی دانش نہ صبر و عقل و ہوش
 ایک دشمن بہ سر کیں ہو تو ہیں سب بار بیچ
 شیخ! جو مخلص ہیں وہ رہتے نہیں کچھ امتیاز
 ہے یہ سب اوچی دوکان اور رونق بازار بیچ
 شاہد معنی کو آرایش کی کچھ حاجت نہیں
 سجدہ و سجادہ بیچ اور جُبہ و دستار بیچ *
 ردی تو آٹھ آٹھ آٹھ آٹھ او بیچا دل نہ ایک
 نکلے موتی تیرے سب اے چشم گوہر بار بیچ
 خوان نعمت نے ترے اے عامل مردار خوار
 کر دیے آفاق کے سب خوان خوان سالار بیچ
 ہے ادب سند پہ جو کچھ ہے رئیس شہر کا
 ہٹ کے منڈے جو خود دیکھیں تو ہیں سرکار بیچ
 گو کہ حالی اگلے استادوں کے آگے بیچ ہے
 کاشش ہوتے ملک میں ایسے ہی ابٹ چار بیچ

ح

کاٹے دن زندگی کے اُن گھانوں کی طرح

ہو کر جتنے جس قدر اسے برکتے تھے نہیں
 اے نصیب! یہ سب گفتار بے کردار بیچ

جو سدا رہتے ہیں چوکس پاسبانوں کی طرح
 منزلِ دنیا میں ہیں پادِ رکاب آٹھوں پہر
 رہتے ہیں مہماں — مہماں مہمانوں کی طرح
 سعی سے اگتاتے اور محنت سے کیناتے نہیں
 جھیلے ہیں سختیوں کو سخت جانوں کی طرح
 رسم و عادت پر ہیں کرتے عقل کو فرما زوا
 نفس پر رکبتے ہیں کوڑا حکمرانوں کی طرح
 شادمانی میں گذرتے اپنے آپ سے نہیں
 غم میں رہتے ہیں شگفتہ شادمانوں کی طرح
 رکبتے ہیں تکلیں جوانی میں بڑھاپے سے سوا
 رہتے ہیں چو پخال پیری میں جوانوں کی طرح
 پاتے ہیں اپنوں میں غیروں سے سوا بگاڑی
 پر بھلا سمجھتے ہیں ایک اک کا لگاؤں کی طرح
 اُس کھیتی کے پنبے کی آہنیں ہو یا نہ ہو
 ہیں اُسے پانی دیے جاتے کسانوں کی طرح
 اُن کے غصے میں ہے دلسوزی ملامت میں ہو یا نہ ہو
 مہربانی کرتے ہیں نامہر زبانوں کی طرح
 کام سے کام اپنے ان کو — گو ہو عالم گنگتہ چین
 رہتے ہیں تبتیس دانتوں میں زبانوں کی طرح
 طعن سُن سُن احمقوں کے ہنستے ہیں دیوانہ وار
 دن بسر کرتے ہیں دیوانوں میں سیانوں کی طرح

کچھ کیا حالی۔ نہ کیجے سادگی گراختیار

بولت آئے نہ جب رنگیں ہیانوں کی طرح

ح

تو ایسی ہی کئی چاٹ اورے لگا کر شیخ
تہیں بھی ہو کوئی یاد ایسی کیسا اے شیخ
تو اسکو دیکھے ہیں یہ ہم نے بار بار اے شیخ
تجھی پر رکھتے ہیں ہم منحصر تبا اے شیخ
پہ ایسا کیجو ہرگز نہ ادا اے شیخ
ہیں آپ جو لئے ٹیرے کو نا خدا اے شیخ
شناوری کا یہی گربے۔ مرجا اے شیخ
نہایت آپ کی ہو۔ اُن کی ابتدا اے شیخ

مے مُغناں کا ہو چسکا اگر بُرا اے شیخ
ریا کو صدق سے ہے جام مے بدل دنیا
وہ نکلے بھان متی جو بناتے تھے اسیر
غور فقر و غور غنا میں فرق ہے کیا؟
زباں پہ ہوتی جو ہر آنکی جو ہیں محرم راز
خبر بھی ہے نہیں؟ کیا بن رہی ہو پیر پر فطہ
وہ دو دہنوں سے الگ ہتے ہیں تیرک
گو زن و گور ہیں بچپن سے تارک دنیا

کمال حسن عقیدت سے آیا تھا حالی
پہ خانقاہ سے اسرودہ دل گیا اے شیخ؟

د

اب خوف کے سوا ہو دہر کیا رجا کے بعد
ہوتی ہو عافیت کی توقع بلا کے بعد
بڑھتا ہے اور دُوق گنہ یاں نمر کے بعد
آتی ہو دل کی موت قطر اس شفا کے بعد
آگے خدا کا نام ہے نا صبح خدا کے بعد
ہوتی رہی ہمیشہ ندامت خطا کے بعد
تیرا ہی حکم کم نہیں حکم قصا کے بعد

شادی کے بعد غم ہے فقیری غنا کے بعد
ہے سامنا بلا کا پس از عافیت ضرور
تغزیر جرم عشق ہے بے صرفہ محتسب
گرد و دل سے پانی بھی اے چارہ گر شفا
یادِ خدا میں جب نہ گئی دل سے اسکی یاد
کرتے رہے خطائیں ندامت کے بعد ہم
آخر کو ماننا پڑا اے لغتِ خیرہ

مدت سوتھی دعا کہ ”ہوں بدنام شر شر“ بارے ہوئی قبول بہت التجا کے بعد
 حالی کی سن لو اور صدائیں جگر خراشیں
 دلکش صدا سنو گے نہ پہ اس صدا کے بعد
 کہیں خوف اور کہیں غالب ہے رجا اے زاہد
 تیرا قبلہ ہے جدا سیہ راجہ اے زاہد
 در گذر گرہنیں کرتا وہ گنہگاروں سے
 تو ترا اور کوئی ہو گا خدا اے زاہد
 ہم دکھا دیں گے کہ نہ ہاں اور ہے نیکی کچھ اور
 کچھ بہت دور ہنیں روز جزا اے زاہد
 قرب حق کے لئے کچھ سوز نہاں ہی ہو ضرور
 خشک نفلوں میں دہرا کیا ہو بھلا اے زاہد
 میں تو تنہا بارہوں دل نہیں ملتا تم سے
 تو ہی کہہ اس میں ہو کیا میری خطا اے زاہد
 جال جب تک ہے یہ پیلا ہوا دینداری کا
 فکر دنیا کا کرے تیری بلا اے زاہد
 عیب حالی کے بہت آج کئے تو نے بیاں
 ذکر کچھ اور کر اب اس کے سوا اے زاہد

ۛ

پیاس تیری بُوے ساغر سے لذیذ بلکہ جامِ آب کوثر سے لذیذ
 جس کا تو قاتل ہو پہ اس کے لئے کونسی نعمت ہے خنجر سے لذیذ
 لطف ہو تیری طرف سے یا قاتل ہکو ہے سب شہد و شکر سے لذیذ

قد سے شیریں تری پسلی نگاہ
بھانجھ میں جس بھوک کی بھولے نہ تو
ہو یہ تجھ میں کس کی بُو باس اے صبا
جو فطاعت کے ہیں حالی میہماں

دوسری قند کمر سے لذیذ
بھوک ہے وہ شیر مادر سے لذیذ
بوئے بید مشک و عنبر سے لذیذ
اُن کو فاقے ہیں مرز عفر سے لذیذ

ہے یہ تکیہ تری عطاؤں پر
رہیں نا آشنا زمانے سے
رہ رو! باخبر رہو کہ گساں
سے وہ دیر آشنا تو عیب ہو کیا
اسکے کوچہ میں ہیں ہلے پڑ بال
شہسواروں پر بند ہے جو راہ
نہیں منعم کو اس کی بوند نصیب
نہیں مجدد و بخششیں تیری

وہی اصرار ہے خطاؤں پر
حق ہے تیرا یہ آشناؤں پر
رہزنی کا ہے رہنماؤں پر
مرتے ہیں ہم انہیں اداؤں پر
اڑتے پھرتے ہیں جو ہواؤں پر
وقف ہے یاں برہنہ پاؤں پر
مینہ برستا ہے جو گداؤں پر
زاہدوں پر نہ پار ساؤں پر

حق سے درخواست عفو کی حالی
کیجے کس منہ سے ان خطاؤں پر

کرتے ہیں تسو تسو طرح سے جلوہ گر
جانتے ہیں آپ کو پرہیزگار
دوست اسکے ہیں اس کے آشنا
خصلتیں روباہ کی رکھتے ہیں ہم
اپنی نیکی کا دلاتے ہیں یقین
کوئی پڑتی ہے کسی کی دج جب

ایک ہوتا ہے اگر ہم میں ہمز
عیب کوئی کر نہیں سکتے اگر
گو بظاہر سب میں شیر و شک
گو۔ دکھاتے آپ کو میں شیر نہ
کرتے ہیں نفرت بدی جو حقد
کرتے ہیں تقریر اکشر مخقر

گر کسی کا عیب سن پتے ہیں ہم
کی نہیں جس سے کبھی کوئی بدی
ایک بخشش میں بہلا دیتے ہیں سب
عیب کچھ گنتے نہیں اس عیب کو
خیر کا ہوتا ہے ظن غالب جہاں
بیتے ہوں یاروں کا صبح تاکہ ہو
دوست اک عالم کے پر مطلب کو دست
کرتے ہیں رسوا اُسے دل کو کمر
شکر کے ہیں اُس کی خواہاں عمر بہر
ہوں کسی کے عیب لاکھ حساں اگر
جس سے ہوں اپنے سوا سب بخیر
کھینچ کر لاتے ہیں شکوے سوسے شر
عیب انکا ظاہر اور اپنا ہنر
ایسے یاروں سے حذر یار و حذر

عیب حالی اپنے یوں کہتا ہے کون

خواہش تھیں ہے حضرت کو مگر

ہوگی نہ قدر جان کی قربان کئے بغیر
گو ہوشیاسے یاں یہ جبتک جو میں دم
بگڑی ہوئی بہت ہے کچھ اس باغ کی ہوا
عزت سے اپنی یاروں کو کچھ اڑی جو چند
مشکل بہت ہے گو کہ مٹا سلف کا نام
گوئے ہے تند تلخ یہ پر ساقی ہے دلربا
تکفیر جو کہ کرتے ہیں اُبنائے وقت کی

حالی کسے گا کاٹنے ہی سے یہ بیستون

حل ہوں گی مشکلیں نہ یہ آساں کئے بغیر

ط

کہر ہے دشت خیز اور بستی اُجاڑ
ہو گئی ایک ایک گڑی تجھ بن پساڑ

پند آگاہ رہے یہ درد و رسی پر ہے قوم کی
میرا کہہ کر رہے گا نہ عیاں کئے بغیر

آج تک قصرِ اُمل سے نامتو
ہے پہونچنا اپنا چوٹی تک محال
کھیلنا آنا ہے ہم کو بھی شکار
دل نہیں روشن - تو ہیں کس کام کے
عید اور نور و زہی سب دل کے ساتھ
کھیت رستے پر ہے اور رہر و سوار
بات دعا غلط کی کوئی پکڑ سی گئی
تم نے حالی کبول کرنا حق زبان
کر لیا ساری خدائی سے بگاڑ

عہد وصال دل نے بھلایا نہیں ہنوز
پیغام دوست کا کوئی لایا نہیں ہنوز
لگ جائے دل نہ منزل مقصود میں کہیں
آیا نہوگا اُس کو تغافل میں کچھ مزا
ایمن میں رگ لگ چکی اور طورِ جل چکا
یاں دے چکی جواب امید جواب خط
پایا ہی ذوق و شوق میں ہم کو بھرا ہوا
کیا دل سے بد مرگ بھی جانی نہ تیری یا
سرِ مایہ خلاف دو عالم ہے راز دل
کس نشہ میں ہے چورِ خدا جانے استعد
حالی نے جامِ منہ سے لگایا نہیں ہنوز

ق

جیتے ہی موت کے تم منہ میں نہ جانا ہرگز
 عشق بھی تاک میں بیٹھا ہو نظر بازو کی
 نزال کی پہلی ہی رستم کو نصیحت یہ تھی
 چاہتا اک طلعتِ مکروہ جو برق میں نہاں
 ہاتھ ملنے نہوں پیری میں اگر حسرت سے
 جتنے رشتے تھے تری ہو گئے دیراں و عشق؟
 کوچ سب کر گئے دلی سو ترے قدر شناس
 تذکرہ دلی مرحوم کا اسے دوست نہ چھوڑ
 داستانِ گل کی خزاں میں سنا او بکبل
 و موندنا ہے دل شوریدہ بہانے مطرب
 صحبتیں اگلی مصور ہیں یاد آئیں گی
 موجزن دلیں ہیں یا غن کے دریا چشم
 لیکے داغ آئینہ سینے پہ بہت اسے سیاخ
 چپے چپے یہ ہیں یاں گوہر یکتا تر خاک
 مٹ گئے تیرے مٹانیکے نشان بھی اب تو
 وہ تو بھولے تھے ہمیں ہم بھی انھیں بھول گئے
 جسکو زخموں کے حوادث کے اچھوتا سمجھیں
 ہکو گرتوں نے رلایا تو رلایا اسے چرخ
 یار خود دیں گے کیا اپنے جہاں و ماہر
 آخری دور میں بھی تجھ کو قسم ہے ساقی
 بخت سوائے بہت جاگے او دورِ رماں

دوستو دل نہ لگانا نہ لگانا، ہرگز
 دیکھنا شیر سے آنکھیں نہ لڑانا ہرگز
 زرد میں تیر صفتِ مہرگاں کی نہ جانا ہرگز
 کسی دلالہ کے دھوکے میں نہ آنا ہرگز
 تو جوانی میں نہ یہ روگ بسانا ہرگز
 آکے دیرانوں میں اب گہ نہ بسانا ہرگز
 قدریاں دے کا اب اپنی نہ گنوا ہرگز
 نہ سنا جائیگا ہم سے یہ سنا ہرگز
 ہستے ہستے ہمیں ظالم نہ رلانا ہرگز
 درد انگیز غزل کی نہ گانا ہرگز
 کوئی دھچپ مرقع نہ دکھانا ہرگز
 دیکھنا اس سے آنکھیں نہ چرانا ہرگز
 دیکھ اس شہر کے کھنڈروں میں نہ جانا ہرگز
 دفن ہوگا کہیں اتنا نہ خزاں ہرگز
 اسے فلک اس سے زیادہ مٹانا ہرگز
 ایسا بلا ہی نہ بدلے گا زمانا ہرگز
 نظر آتا نہیں ایک ایسا گہرا ہرگز
 ہمہ گیروں کو تو ظالم نہ مٹانا ہرگز
 انکی ہنستی ہوئی شکلوں پہ نہ جانا ہرگز
 بہر کے اک جام نہ پیاسوں کو پلانا ہرگز
 نہ ابھی منیڈ کے ماتوں کو جگانا ہرگز

یاس رخصت ہو سکر کہیں اور عیش نشا
 تبھی اے علم دہن گھر تھا تھا راولی
 شاعری پر حلی اب زندہ نہ ہوگی ہرگز
 غالب شیفٹہ و نیر و آرزو و ذوق
 مومن غلامی و جہانمی و مومن کے بعد
 کر دیا مرنے کے یگانوں نے یگانہ ہمسکو
 داغ و مہر و کوسن لو کہ پھر اس گاشن میں
 رات آخر ہوئی اور بزم ہوئی زیر و زبر
 نہیں اس دور میں یاں تیرا کھانا ہرگز
 ہکو بھولے ہو تو گھر بھول نہ جانا ہرگز
 یاد کر کرے اُسے جی نہ کڑھانا ہرگز
 اب کھا بیگا یہ شکلیں نہ زمانا ہرگز
 شعر کا نام نہ لے گا کوئی زمانا ہرگز
 ورنہ یاں کوئی نہ تھا ہم میں یگانا ہرگز
 نہ سنے گا کوئی بلبل کا ترانا ہرگز
 اب نہ دیکھو گے کبھی لطفِ شبانا ہرگز

بزم ماتم تو نہیں۔ بزم سخن ہے حالی

یاں مناسب نہیں درد کے رُلانا ہرگز

زنجش و التفات و ناز و نسیا
 عشق کی آغوش میں پاتا ہوں
 شیخ! افسوس تری عیاری
 اک پتے کی جو بننے لکھی آج
 ہم کو نسبت پہ فخر ہے تیری
 آج منکر بھی ناچ اٹھیں گے
 خیر ہے اے فلک کہ چار طرف
 رنگ بدلا ہوا ہے عالم کا
 ہوتے جاتے ہیں زور مند ضعیف
 ہنسنے دیکھے بہت نشیب و فراز
 دل دزدی کھتا ہوں جس کا گداز
 کس توجہ سے پڑھ رہا ہے نماز
 رنگ و اعظا کا کر گیا پرواز
 تو گئی بھول ہم کو خاکِ حجاز
 گر معنی کی ہے یہی آواز
 چل رہی ہیں ہوائیں کچھ ناساز
 ہیں دیگر گوں زمانہ کے انداز
 بنتے جاتے ہیں مبتذل ممتاز

لے یہ قطعہ اس وقت لکھا گیا تھا جبکہ ترکی کو سلطان عبدالعزیز خاں کے قتل کے بعد سر دیہ۔ ہاشنگرو

اور دوس وغیرہ کے مقابلہ میں اخیر صمدیہ پہونچا۔ ۱۲۰ (حالی)

چھتے پھرتے میں کبک تھوڑے ۴ گھوٹلوں میں عقاب اور شہباز
 ہے ہتھوں کو رکھ کر میں خط ۵ رہنروں نے کئے ہیں ہاتھ دراز
 مٹیوں کا ہے کھیتوں پہ ہجوم ۶ بھیڑیوں کے میں خون میں تلب آاز
 ناتوانوں پہ لگد میں منڈلاتے ۷ گھالوں پر ہیں ہیز تیر انداز
 تشہ خون میں بھوکے شیروں کے ۸ جیلہ گر روہوں کے عشوہ ناز
 دشمنوں کے ہیں دست خود جاسو ۹ اور یاروں کے یار ہیں غماز
 ہوگا انجام دیکھتے کیا کچھ ۱۰ ہے پر آشوب جیکہ یہ آخان
 لے ابھی تک کھلی نہیں لیکن ۱۱ غیب سے آرہی ہو کچھ آواز
 وقت نازک ہو اپنے بڑے پر ۱۲ موج ہاٹل ہے اور ہونا ساز
 یا تھیرے ہو کے لے ابھرے ۱۳ یا گیا کشمکش میں ڈب جہاز
 کام آتے اپنے سوئے نہ حالی ۱۴ نہیں جس کا شریک اور انباز
 ہر وہ مالک بوئے خواہ ترائے ۱۵ چارہ یاں کیا ہے غیر عجز و نیاز

س

جاذب رحمت ہے مقناطیس عصیاں اپنے پاس
 رکھتے ہیں عاصی کندِ صیدِ عُفراں اپنے پاس
 عاجزوں سے مقتدر کرتے ہیں اکثر درگزر
 عجز اپنا ہے کلید بابِ رضواں اپنے پاس
 ہو گئی گر کچھ سمجھنے میں خطا فرمان کے
 عذر خواہ اپنا ہے خود فرمانِ سلطان اپنے پاس
 بامِ تبتلایا بلند اور نارسا بخشی کمنہ
 رکھتے ہیں ہم اپنی مذوری پہ برہاں اپنے پاس

خاک میں ہنسنے ملا رکھی ہے اکسیر اپنی۔ آپ
 ورنہ ہے ہر درد کا موجود درماں اپنے پاس
 دست بردا ہر من کا جس کو کچھ کہنا نہیں
 ہے بھگد شدہ ہر سیلیاں اپنے پاس
 دیکھنا حالی نہ دینا وضع فطرت کو بدل
 ہے یہ دستاویز اختلافِ رحماں اپنے پاس

چھپر اب نہ اے تصورِ مرگان یا ربس
 یہ غم نہیں ہو وہ جسے کوئی بٹا سکے
 ہر داغِ فصلِ گل کی نشانی ہو اے صبا
 ڈر ہو دلوں کیساتھ امیدیں بھی نہیں جائیں
 کانی ہے خارِ غمِ روزگار بس
 غمخواری اپنی رہنے دے اے غمگسائیں
 گلگشت کو بہت ہو دل داغدار بس
 اے آسیائے گردشِ لیل و نہار بس
 باں و شمنی کے واسطے کانی ہیں یا ربس
 کی نیند کیوں حرام بس اے انتظارِ بس
 آتا نہیں نظر کہ ہو یہ رات اب سحر
 تھوڑی ہی رات اور کہانی بہت بڑی
 حالی نکل سکیں گے نہ دل کے بچار بس

اک ہم کو ہم برسرِ ایام ہے درپیش
 غفلت ہو کہ گھیرے تجھے ہر چار طرف سے
 وہ دن گئے جب تھا مرضِ صعب کا آغاز
 گو صبح بھی تھی روزِ مصیبت کی قیامت
 وہ وقت گیا۔ لسنہ تھا زوروں پہ جب اپنا
 امیدِ شفا کا تو جواب آہی چکا ہے
 بننا نظر آتا نہیں جو کام ہے درپیش
 اور معرکہ گردشِ ایام ہے درپیش
 اب اُس مرضِ صعب کا انجام ہے درپیش
 پر صبح تو جوں توں ٹپٹی اب شام کی درپیش
 اب وقتِ خارے گلغام ہے درپیش
 اب موت کا سننا ہمیں پیغام ہے درپیش

جی اُس کا کسی کام میں لگتا نہیں زہن سار
ظاہر ہے کہ حالی کو کوئی کام ہے درپیش

ص

ہر بشر سے اُسکی مختص ہیں عطائیں خاص خاص
ہر مرض کو اس میں جیسے دوائیں خاص خاص
دل تو اپنا پھر چکا ہے زلال دُنیا سے - مگر
زہن دل میں ابھی اُس کی ادائیں خاص خاص
گوزمانہ نے بھلا دی دل سے اپنے فصل گل
یاد ہیں لیکن وہ بلبل کی صدا میں خاص خاص
زہد و تقویٰ سے نہیں ہوتیں دعائیں مستجاب
وقت میں کچھ خاص خاص اور ہیں ادائیں خاص خاص
یوں تو ہے اُمید سب کچھ - پر نہوں شاید معاف
وہ جو کی ہیں جتنے اے حالی خطائیں خاص خاص
درد - اور درد کی ہے سب کے دوا ایک ہی شخص
یاں ہے جلا دو سیجا بخدا ایک ہی شخص
حور و غلمان کے لئے لائیں دل آخر کس کا
ہونے دیتا نہیں یاں عمدہ برآ ایک ہی شخص
قافلے گذریں وہاں کیونکہ سلامت و اعظ
ہو جہاں راہزن اور راہنما ایک ہی شخص
قیس سا پھر کوئی اٹھانہ بنی عامر میں
خضر ہوتا ہے گہرانے کا سد ایک ہی شخص

جگھٹے دیکھیں جن لوگوں کے ان آنکھوں نے
 آج ویسا کوئی دے ہم کو دکھا ایک ہی شخص
 گھڑیں برکت ہے۔ مگر فیض ہو جاری شب روز
 کچھ سہی سیخ گرہے بخدا ایک ہی شخص
 اعترافوں کا زمانہ کے ہے حالی پہ پنجوڑا
 شاعر اب ساری خدائی میں ہو کیا ایک ہی شخص

ض

عشق کو ترک جنوں سے کیا عرض
 دل میں ہے اے خضر گر صدق طلب
 چرخ گرداں کو سکون سے کیا عرض
 راہرو کو رہنوں سے کیا عرض
 گھر کے محراب ستوں سے کیا عرض
 ان کو چنگ و آغونوں سے کیا عرض
 ہم کو تفتیش دروں سے کیا عرض
 ان کو اپنے اشک خوں سے کیا عرض
 شیر کو صید زبوں سے کیا عرض
 اب اسے دنیا سے دوس سے کیا عرض
 آئے ہو حالی ہے تسلیم یاں
 آپ کو چون و چگون سے کیا عرض

دوست کا ناروا نہیں اعراض
 چاہیے ایک سبکا ہو مقصود
 دوستوں ہی کا کام ہے اغماض
 گو ہوں سب کے جدا جدا غرض
 مہو دیے ایک گھنے سب امراض
 اور تو ہم سے سب میں کچھ ناراض
 دیکھئے تو بھی خوش ہو یا ناخوش

لَا أَبَا لِي بَانَ يِعَارُ بَنِي
 کُلُّ نَاسٍ وَأَنْتَ عَنِّي رَضٍ
 منعوا! بذلِ خیر میں یہ دیر
 حق میں اپنوں کے سخت تمکین
 رائے ہے کچھ علیل سی تیری
 وعظ میں گل گترتے ہیں واعظ
 ہر نفیسوں میں اور ہم میں شرع
 ہے ریاضت پہ ناز کیا زاہد
 شیخ کی بھی یہ آخری تلقین
 چاہیے زرتو اس سے کراہن

ایسی غزلیں سنی نہ تھیں حالی
 یہ نکالی کہاں سے تم نے بیاض؟

ط

رات گزری ہو چکا دورِ نشاط
 طر ہوئی بس اب کوئی دم میں بساط
 دل سے خوشیاں ہو گئیں اب گوشہ گیر
 نام تھا شاید جوانی کا نشاط
 دن اب ایدل نقبض رہنے کے ہیں
 ہو چکا ہونا تھا جو کچھ انبساط
 غنچہ چکا اور آہو پچی حنذاں
 فصلِ گل کی تھی فقط اتنی بساط
 زینہ منبر ہے لغزش کی جگہ
 حبا نیود اعطاسے راہِ صراط
 تو بھی کھانے میں نہیں محتاط شیخ!
 ہم کریں پیٹنے میں کیوں پھر احتیاط
 کویح کی حالی کرو تیا ریاں،

ہے قومی میں دم بدم اب انحطاط

ظ

چھٹے ہیں سر لیونوں میں احرار واعظ

بُرا کہ نہ رزدوں کو زہنسا رواعظ
 سدا قمر ہی قمر ہے عاصیوں پر
 نہ ستار ہے تو نہ غف رواعظ
 نکل آئے گی میکشی کی بھی جلت
 کوئی مل گیا گر ہمیں یار رواعظ
 کوئی بات دیکھی نہیں تجھ میں لیکن
 سنا ہے کہ ہوتے ہیں عیار رواعظ
 ہمیں اور بھی تجھ سے کرتے ہیں بدن
 یہ جبہ - یہ ریش اور یہ دستار رواعظ
 نہ چھوڑے گا زیور گھر دینش زرتو
 یہی ہے اگر حُسنِ گفت رواعظ
 مسلمان نہ ہم کاش حالی کو کہتے
 ہوئے بات کہہ کر گنگا رواعظ!

ع

اے بہارِ زندگانی الوداع
 اے بیاضِ صبحِ پری السلام
 اے شبابِ اے شادمانی الوداع
 اے شبِ قدرِ جوانی الوداع
 اے عزمِ ثانی الوداع
 اے غمِ ثانی الوداع
 وقتِ سعی و جافقتِ ثانی الوداع
 روزِ گارِ صنف و سستی الصلا
 فرصتِ عشق و جوانی الفراق ۱
 دورِ عیش و کامرانی الوداع
 تجھ کو سبھی تھے نفیسِ جادواں ۲
 اے نفیسِ جادو دانی الوداع
 تیرے جاتے ہی گئیں سب خوبیاں ۳
 اے خدا کی مہربانی الوداع

آگہا حالی کنارے پر جہاز
الوداع اسے زندگانی الوداع

ع

کھل کبک سے چمن میں یہ کہتا تھا ایک زراغ
دیکھ اس خرام ناز پہ اتنا نہ کر دماغ
ہے تاک میں عقاب تو شہباز گھات میں
حلقے سے یاں اجل کے نہیں ایکدم فراغ
یار بنگاہ بد سے چمن کو بچپائیو
بکبل بہت ہے دیکھ کے پھلوں کو باغ باغ
دو چار گام نقش قدم بل کے رہ گئے
آگے چلا نہ آہوئے مشکین کا کچھ سراغ
آئیں یہیں وہ شوق سے جواہلِ ظرف ہوں
ساتی بھرے کٹر ہے مے لعل سے آیاغ
جنگل میں تختہ گل خود رو کو دیکھ کر

تازہ ہوا زمانہ کی ناقدریوں کا داغ

حالی بھی پڑھنے آئے تھے کچھ بزمِ شعر میں
باری تب ان کی آلی کہ گل ہو گئے چراغ

ف

اور نہ صوفی نے کچھ دکھایا صاف
مہرِ روشن نظر نہ آیا صاف
صاف تھو آپ سب کو پایا صاف

حق نہ ملانے کچھ بتایا صاف
آنکھ اپنی ہی جب تلک نہ کھلی
کبھی دشمن سے بھی نہ ٹھکے ہم

زاہد وہم تو تھے ہی آلودہ
تم کو بھی پہنچے نہ پایا صاف
کیوں فقیہوں سے رک گئے حالی
بھید تم نے نہ کچھ بتایا صاف

ق

نہ ہم ہیں یار کی محفل میں بار کے لائق
گر نگا کیا ترا کھل السجوا ہر اسے کمال
مکان عاریتی اور لباس بوسیدہ
غزور و حرص ہیں زیور عروسِ دنیا کے
کرکلی باد بہار کے اب گئے سر سبز
بس اب ہی فضلہ پر وہ باد و گرگ پر لذران
گنہ کا عذر کر سکتے ہم آنکھوں سے
گرہ میں دام نہ دفتر میں نام ہی حالی
یہ پہننے مانا کہ تم میں نہر بھی ہیں کچھ کچھ

ک

دلوں کا کھوٹ اگر کہئے بر ملا ایک ایک
سلامتی کو وہاں قافلوں کی رو بیٹھیں
زمانہ پھر نظر آتا ہے کچھ ترقی پر
رہا ہوں بند بھی اسی شیخ پار سا بھی میں
وفا کی ایک تجھی سے امید ہی اس وقت
چھپا کے اس سے قتل اپنی ہم بہت تر ہے
ہو نہ ایک بھی حق اس کی بندگی کا ادا

تو آشنا سے ہو بیگانہ آشنا ایک ایک
جاں ہی راہزنِ خلق رہنا ایک ایک
بنا ہی غوثِ زمان آجکل گدا ایک ایک
مری نگاہ میں ہی رہند و پارنا ایک ایک
کہ بار بار سے ہو جایگا جد ایک ایک
جب آپ منہ سے لگی بولنے خطا ایک ایک
کیا ہی جس نے حق خواجگی ادا ایک ایک

ایمیرِ حجاج کی ہمت میں گرنے آئے قصور
تو موجِ بحر ہے کشتی کی ناخدا ایک ایک
ہم آج بیٹھے ہیں ترتیب کرنے دستِ کو
ورق جب اسکا اڑا لے گئی ہو ایک ایک
بہار نے بھی نہ بیکل تری بھبھائی آگ
جگر کے پار ہے اب بھی تری نو ایک ایک
وہ عشقِ ہر نہ جوانی - وہ تو ہو اب - نہ وہ ہم
پر دل پر نقش ہو اب تک تری اد ایک ایک
نہ ہم رہیں گے نہ حالی - یہ دُخراش جہاں،
رہے گی حالی دُگیسہ کی صد ایک ایک

عالمِ آزادگاں ہے اک جہاں سب سے الگ
ہو زمین اُن کی اور اُن کا آسماں سب سے الگ
پاک ہیں آلائشوں میں - بندشوں میں بے لگاؤ
رہتے ہیں دُنیا میں سب کے درمیاں سب سے الگ
دوست کے ہیں جاں نثار اپنا ہو یا بیگانہ ہو
ہے عیشہ اور اُن کا دُودماں سب سے الگ
سب کی سُن لیتے ہیں لیکن اپنی کچھ کہتے نہیں
ہے کوئی بھیدی اور اُن کا راز داں سب سے الگ
جا بچتے اور دل کو ہیں خود سے کے اپنا امتحان
رہکتے ہیں اپنا طریق امتحاں سب سے الگ
اک چمن بہرِ تفرّج رہکتے ہیں زیرِ بغل
روضہٴ دِلِ بانِ فردوسِ جہاں سب سے الگ
کلبہٴ احزاں ہے روشن اُن کا جس ہتاب سے
ہے وہ نورِ مہرِ ماہ و کمکشاں سب سے الگ

سیکڑوں پھندوں میں یاں جکڑا ہوا ہے بند بند
 پر ٹپوٹے کوئی دل اُن کا تو داس سب الگ
 شاعروں کے ہیں سب انداز سخن دیکھے ہوئے
 درد مندوں کا ہے دکھڑا اور بیاں سب الگ

مال ہے نایاب پر گاہک ہیں اکثر بے خبر
 شہر میں کھولی ہو حالی نے دکان سب الگ
 صلح ہے اک مہلت سامان جنگ کرتے ہیں بھرنے کو یاں خالی تشنگ
 عہد گیتی پر نہ پھولیں کامراں آخر استی آشتی لائے گی رنگ
 علم کیا - اخلاق کیا - ہتھیار کیا؟ سب بشر کے مار رہنے کے ہیں رنگ
 رو گئے بد خو بد خوئی سے کیوں آپ اپنی خوشے آجائے گاتنگ
 زہد و طاعت پر جوانوں کی نہ جاؤ یہ بھی ہو اک فوجانی کی رنگ
 پاکبازوں کو نہیں کچھ میت وضع جو ہیں اچھوٹے سب کہلتے ہیں رنگ
 کام کا شاید زمانہ ہو چکا دل میں اب اٹھتی نہیں کوئی تشنگ
 وہ عجائب اب نظر آتے ہیں کھیل دیکھ پیلے جن کو رہ جاتے تھر رنگ
 کا ہوش پرورش پاتی ہو روح اب لگا لگایا سب کے انگ
 عقل شاید ملک میں باقی ہو کچھ ہو گی اسیجا داب نئی تو پڑ رنگ
 بڑھ گیا ہو جسم انسانی نہت

قوم کو حالی نہیں اس اتفاق
 پھوٹ ہی کا بس کہلے گا ہمہ رنگ

ہو گئے ہیں ہم ہی کچھ اور آجکل یا زمانہ ہی گیا یا رب بدل

رہ گئے ہیں کچھ کچھ آثارِ سلف
 اک سنبھلتے ہم نظر آتے نہیں
 اور ابھی ہونا ہے شاید مبتذل
 ورنہ گر گر کر گئے لاکھوں سنبھل
 آگیا بنیاد میں جس کی خسل
 تیری حد بھی ہے کچھ اے طولِ اَل
 لاپچھے پودے بہت اگلوں کے پھل
 ہم نہ بدلے اور گسیا عالم بدل
 وقت کو شش کا گیا شاید نکل
 اب سُنو حالی کے نوسے عمر بھر
 ہو چکا ہنگامہ مدح و عنزل

مدرس میں دہر کے رُوئے قضا بیٹھے تھے ہم
 اُٹھے بس دیسے ہی کورے جیسے جا بیٹھے تھے ہم
 پر وہی ہم ہیں کہ ہر عشوہ پہ ہیں کافر کے لوٹ
 زلِ دُنیاسے ابھی ہو کر خفا بیٹھے تھے ہم
 صحتیں اہلِ ورع کی سب گئیں نظروں سے گر
 نرم رنداں میں یونہیں اک روز جا بیٹھے تھے ہم
 شیخ! دُنیا کی حقیقت رہ کے دُنیا میں کھلی
 ورنہ دھوکا - دُور سے دیکھ اسکو - کھا بیٹھے تھے ہم
 ہم نہ تھے آگاہ و اعجازِ زشتِ خوئی سے تری
 آدمی تجھ کو سمجھ کر پاس آ بیٹھے تھے ہم
 سعی کا انجام پہلے ہی سے آتا تھا نظر

ہاتھ ساحل ہی پر پڑے سے اٹھا بیٹھے تھے ہم
 ہم سے خود دُنيا ہی تپسائی نہ حال کی درنیاں
 دین تک دُنیا کی قیمت میں لگا بیٹھے تھے ہم
 خوابیاں اپنے میں گو بے انتہا پاتے ہیں ہم
 پر ہر اک خوبی میں داغ اک عیب پاتے ہیں ہم
 خوف کا کوئی نشان ظاہر نہیں اِخال میں
 گو کہ دل میں متصل خوفِ خدا پاتے ہیں ہم
 کرتے ہیں طاعت تو کچھ خواہاں نمائش کے نہیں
 پر گنہ چھپ چھپ کے کرنے میں مزا پاتے ہیں ہم
 دیدہ و دل کو خیانت سے نہیں رکھ سکتے باز
 گر چہ دست و پا کو اکثر بے خطا پاتے ہیں ہم
 دل میں دردِ عشق نے دُبت سے کر رکھا ہو گھر
 پر اسے آلودہ حرص ہو پاتے ہیں ہم
 ہو کے نادم جرم سے پھر جرم کرتے ہیں وہی
 جرم سے گو آپ کو نادم سد پاتے ہیں ہم
 ہیں فدا اُن دوستوں پر جن میں ہو صدق و صفا
 پر بہت کم آپ میں صدق و صفا پاتے ہیں ہم
 گو کسی کو آپ سے ہونے نہیں دیتے خفا
 اک جہاں سے آپ کو لیکن خفا پاتے ہیں ہم
 جانتے اپنے سوا سب کو ہیں بے مہر و وفا
 اپنے میں گر شمع مہر و وفا پاتے ہیں ہم

بخل سے منسوب کرتے ہیں زمانہ کو سدا
 گر کبھی توفیق ایسا رو عطا پاتے ہیں ہم
 ہو اگر مقصد میں ناکامی تو کر سکتے ہیں صبر
 دردِ خود کامی کو لیکن بے دوا پاتے ہیں ہم
 ٹھہرتے جاتے ہیں جتنے چشمِ عالم میں بھلے
 حالِ لُغزِ دون کا اتنا ہی بُرا پاتے ہیں ہم
 جس قدر جھک جھک کے ملتے ہیں بزرگِ خود
 کبرِ ناز اتنا ہی اپنے میں ہوا پاتے ہیں ہم
 گو بھلائی کر کے ہچکچاہٹوں سے خوش ہوتا ہو جی
 تہ نشیں اُس میں مگر دُورِ دریا پاتے ہیں ہم
 ہے رداے نیک نامی دوش پر اپنے مگر
 داغِ رسوائی کے کچھ زیرِ ردا پاتے ہیں ہم
 راہ کے طالب ہیں پر بے راہ پڑتے ہیں ہم
 دیکھئے کیا ڈھونڈتے ہیں اور کیا پاتے ہیں ہم
 نور کے بہنے لگے دیکھے ہیں اے حالی۔ مگر
 رنگ کچھ تیری الاپوں میں نیا پاتے ہیں ہم
 آگے بڑھتے نہ قصہ عشقِ بتاں سے ہم
 اب بھاگتے ہیں سایہ عشقِ بتاں سے ہم
 خود رفتگیِ شب کا مرا بھولتا نہیں
 دردِ فراقِ در شبِ عدد تک گرا نہیں
 جنت میں تو نہیں اگر لے زخمِ تیغِ عشق
 سب کچھ کہا۔ مگر نہ کھلے رازِ داں سے ہم
 کچھ دل سے میں فری ہوئے کچھ آسماں سے ہم
 آئے ہیں آج آپ میں یار کہاں سے ہم
 تنگ آئے ہیں اسنے دلِ شاداں سے ہم
 بدلیں گے تجھ کو زندگی جاوداں سے ہم

لینے دو چین کوئی دم اسے منکر و نکیر
 کہے ہیں آج چھوٹ کے قید گراں سے ہم
 بہتے ہیں اس کے گریہ بے اختیار پہ
 بھولے ہیں بات کہنے کوئی راز داس سے ہم
 اب شوق سے بگاڑ کی باتیں کیا کرو
 کچھ پاگئے ہیں آپ کی طرزِ بیاں سے ہم
 دلکش ہر ایک قطعہ صحرا ہے راہ میں
 ملتے ہیں جاگے دیکھئے کب کار داس سے ہم

لذت ترے کلام میں آئی کہاں سے یہ
 پوچھیں گے جا کے حالی جادو بیاں سے ہم

ن

یا روں کو تجھ سے حالی اب سرگرایاں ہیں
 نیندیں اچاٹ دیتی تیری کسانیاں ہیں
 یاد اس کی دل سے دھو داسے چشم تر تو مانوں
 اب دیکھنی مجھے بھی تیری روایاں ہیں
 بنتے ہیں غیر اپنے ہوتے ہیں رام وحشی
 الفت کی بھی جاں میں کیا حکمرانیاں ہیں
 غیبت ہو یا حضوری دونوں بُری ہیں تیری
 جب بد گمانیاں تھیں اب بد زبانیان ہیں
 کہتے ہیں جس کو جنت وہ اک بھلاک ہو تیری
 سب دواعظوں کی باقی رنگیں بیانیان ہیں
 رحمت تری غذا ہے غصہ ترادوا ہے

شائیں ہیں تیری جتنی جان جاسانیاں ہیں
 ہوگا تو پہلے ہوگا اسے چرخ مہرباں تو
 کچھ ان دنوں تو ہم پر نا مہربانیاں ہیں

اپنی نظر میں بھی یاں اب تو حقیر ہیں ہم
 بے غیرتی کی یار و اب زندگانیوں ہیں
 روتے ہیں چار ہم پر ہنستے ہیں چار ہم پر
 یاں تک ہماری پہونچی اب نا تو انیاں ہیں
 ہر حکم پر ہوں راضی ہر حال میں رہیں خوش
 حصہ میں اب ہمارے یہ شادمانیاں ہیں
 خاور سے باختر تک جن کے نشان تھے برپا
 کچھ مقبروں میں باقی اُن کی نشانیاں ہیں
 دیکھا نہیں ابھی تک قحط الرحبال تم نے
 اس سے بھی سخت آتی آگے گرائیاں ہیں
 کھیتوں کو دے لو پانی اب بہہ رہی ہو گنگا
 کچھ کر لو جو انو اٹھتی جو انیاں ہیں
 فضل و ہنر بڑوں کے گر تم میں ہوں تو جا میں
 گر یہ نہیں تو با با وہ سب کہاں ہیں
 رونے میں تیرے حالی لذت ہے کچھ نرالی
 یہ خوں نشانیاں ہیں یا گل نشانیاں ہیں
 جب سے سُنی ہو تیری حقیقت چہ نہیں اک آن ہمیں
 اب نہ سنیں گے ذکر کسی کا آگے کو ہوئے کان ہمیں
 کچھ روزوں غفلت میں پھرے یاں ڈھونڈتے ہم کسائش کو
 کھل گئی دُنیا کی حقیقت کچھ نہ رہا طحبان ہمیں
 چل کے نئی اک چال فلک نے کھو دیے ہوش حرفوں کے

زد سے بچیں یا مات قبولیں اتنے نہیں اُدسان ہمیں
 پاس اُنھیں گرا پنا دزا ہو۔ جان اپنی بھی اُن پہ فدا ہو
 کرتے ہیں خود نامُصفیاں اور کہتے ہیں نافرمان ہمیں
 داد طلب سب غیر ہوں جب تو ان میں کسی کا پاس نہ ہو
 بتلائی ہے زمانہ نے انصاف کی یہ چکان ہمیں
 صحرا میں کچھ بکریوں کو قصاب چراتا پھرتا تھا
 دیکھ کے اُس کو سارے تمہارے آگے یاد احسان ہمیں
 یاں تو بدولت زہر و درّے کے بچھ گئی خاصی عزت سے
 بن نہ پڑا پر کل کے لئے جو کرنا تھا سامان ہمیں
 سُر تھے وہی اور مال وہی پر راگنی کچھ بے وقت سی تھی
 غل تو بہت یاروں نے مچایا پر۔ گئے اکثر ان ہمیں
 غیر سے اب وہ بیز نہیں اور یار سے اب وہ پیار نہیں
 بس کوئی دن کا اب حالی یاں سمجھو تم مہمان ہمیں
 کی تو ہیں پہننے بھی حالی کو توج کی تیاریاں
 خوابِ حُت میں وہ لذت تیر وادی سیری نہیں
 جو جوانی میں فراہم تھی تہیں شب بیداریاں
 ہیں اگر بیدیاں اپنی نکی دل کو ناگوار
 ناگوار الٹی سوا غیروں کی ہیں غنچاریاں
 ہے کہیں اقبال کی نوبت کہیں ادبار کی
 بسکو کرنی جو نگہ پوری اپنی اپنی باریاں
 زیت بقیلو نکو ہو جائے بسر کرنی محال
 اتنی بھی اے عاقلو اچھی نہیں ہشیاریاں
 بے مزہ ہوا لیں کی تر مشروئی بھی۔ مگر
 اسے پھینکی اہل دُنیا کی ہیں ظاہر واریاں
 گو طبیعت سے گئے سب مادے فاسد نکل
 کم ہوئیں حالی نہ لیکن نفس کی ہمیاریاں

آج ہم شہر میں خون اپنا بہہ رہ کر رہے ہیں
 جنتی جتنے ہیں سب ہم سے خد کر رہے ہیں
 جبکہ ہم اپنے جرائم پہ نظر کرتے ہیں
 بول تو ال کے جو دلیں اثر کرتے ہیں
 یاد اللہ کو ہم آٹھ پہر کرتے ہیں
 ورنہ یاں عیب تو سب فردوس کرتے ہیں
 دل دکھاتے ہیں یہی جس میں گھر کرتے ہیں
 اک لگا دس میں ادھر سو وہ ادھر کرتے ہیں
 یا اسی طرح سے سب عمر بسر کرتے ہیں
 یہ فہم بھی جو خدا چاہے تو سر کرتے ہیں
 بس ہماری ہی طرح وہ بھی گذر کرتے ہیں

کہیں افطار کا حیلہ تو نہ ہو یہ حالی

آپ اکثر رمضان ہی میں سفر کرتے ہیں

رنے نکلیں گے سیکڑوں اس میں
 اور اک بس ملا دیا بس میں
 چشم انسان چشم نرگس میں
 بے غل علم ہیں مدار کس میں
 اب ہر کیا ہے اس میں اور اس میں
 ہیچ ہیں جو ہنر ہیں فارس میں
 وہی نعمت ہے چشم مفلس میں
 درد تو تھوڑا بہت نہ ہو جس میں

راز دل کی سر باز خبر کرتے ہیں
 عقل کی بات کوئی ہنسنے کی ہے شاید
 جرم خالق سی سوا پاتے ہیں جرم فقہا
 کہے کہ عظمیٰ است تا اثر ہو واعظا
 زہد و طاعت کا سہارا نہیں جب سی زاہد
 عیب یہ ہے کہ کرو عیب بہنزد کھلاؤ
 عمر و درج و مصیبت پہ کرو ناز کہ وہ
 جی رکاوٹ سی جو انکی کبھی رک جاتا ہے
 اک یہاں جینے سے بیزار ہمیں ہیں یارب
 تنہا زلیست کی تھوڑی سی رہی ہیں باقی
 قیصر و زار کا یاں پیٹ تو بھرنا معلوم

دیکھنا ہر طرف نہ مجلس میں
 کی نصیحت بری طرح ناصح
 ہو نہ مینا تو منرق پھر کیا ہو
 بقدم دم ہیں خالق ہوں میں
 دین اور فقر تھے کبھی کچھ پسینہ
 نہو قبضے میں جب عنان فرس
 جس سے نفرت ہے اہل نعمت کو
 ہو فرشتہ بھی تو نہیں انسان

جاؤز۔ آدمی۔ فرشتہ۔ خدا
 آدمی کی ہیں سیکڑوں متیں
 آج کل چرخِ صلح جو ہے بہت
 دیکھے ہو بگاڑ کس کس میں
 کی ہے خلوت پسند حالی نے
 اب نہ دیکھو گے اُس کو مجلس میں

بوالہوس عشق کی لذت سے خبردار نہیں
 شہر میں اُنکے نہیں جنسِ وفا کی بکری
 کو کُن وہ گلِ رعنا پہ نوا سنج نہیں ؟
 کبھی لسی پہ ہیں مفتوں کبھی شیریں فدا
 اٹھ نہیں سکتی سزا جرمِ وفا کی اُن سے
 عیش میں جانِ فدا کرنے کو تیار ہیں وہ
 نہتِ نیا ذائقہ چکھنے کا ہے لپکا اُن کو
 بوالہوس۔ کام طلب۔ بندہ نفسِ اہل ہوا
 دعویٰ اسٹشِ محبت پہ نہ جانا اُن کے
 ہیں مژدہ ناب کے دلال۔ قلعِ خوار نہیں
 بہاؤ ہیں پوچھتے پھرتے پہ خریدار نہیں
 کون سی نرگس شہلا کے وہ بیمار نہیں ؟
 اور جو پھر دیکھو تو وہ نو سے سروکار نہیں
 دل بھٹتا اگر کہیں بنتے وہ گنگار نہیں
 اور جو ہو مکمل کا کھٹکا بھی تو پھر یار نہیں
 در بدر جھانکنے پھر نیسے اُنھیں عار نہیں
 ایک عالم ہے اسی رنگ میں ڈوچار نہیں
 ان میں گفتار ہی گفتار ہے کردار نہیں

کہے حالی بھی اگر عاشق صادق ہو نہیں

کمد و واسد کہ صادق نہیں زہنار نہیں

پھونکا ہے فصلِ گل نے صور آ کے پھر چمن میں

اک حشر سا ہے برپا مرغانِ نعمتِ زن میں

بلبل کے آگ سی کچھ تن میں لگ رہی ہے

بجلی گری فلک سے یا گلِ کبریا چمن میں

بارِ صبا گئی بھونک کیا جانے کان میں کیا ؟

پھولے نہیں سماتے غنچے جو پیرہن میں

چپ ہے زبانِ سوسن حیراں ہے چشمِ نرگس
 قدرت کا دیکھ جلوہ نسرین و سنترن میں
 ہیں اور تو ادائیں ساری سہی قدوں کی
 پڑنی ہے جان باقی بس سرو و ناروں میں
 ہے عید اہل اسلام یا موسمِ بہاراں
 جنگلِ بسا ہوا ہے سب عطرِ یاسمن میں
 منہ سے دھواں سا اٹھا۔ لیتے ہی نامِ اسلام
 بارود بچھ رہی تھی گویا لب و دہن میں
 پھر زخمِ پھوٹ نکلا۔ حالی نہ چھپتا تھا
 فصلِ خزاں کا قصہ ذکرِ گل و سمن میں
 گوروں چکے ہیں دکھڑا۔ سو بار قوم کا ہجم
 پرتاؤنگی وہی ہے اس قصہ کہن میں
 وہ قوم جو جہاں میں کل صدرِ انجمن تھی
 تم نے سنا بھی؟ اس پر کیا گزری انجمن میں
 پائینِ نرم بھی اب ملتی نہیں اُسے جا
 روزِ ن میں ہر وہ گلبن چھو لاتا تھا جو چمن میں
 رُو بہ کی جون میں ہے مرغوبِ اب و ملت
 تھی سہناک کل تک جو شیر کے برن میں
 وہ دن گئے کہ حکمت تھی مستندین کی

اہل بیت کی نسبت حدیث میں آیا ہے کہ ”اَلَا یَا اَنْیَاصُ یَہَا اَنْیَاصُ الْحَکِیْمَةُ یَہَا اَنْیَاصُ“ یعنی ایمان ہے تو میں کا
 ہے اور حکمت ہر تو میں کی ہے۔ اسی بنا پر میرا قرداداد نے اپنے فلسفہ کا نام ”حکمتِ یانیز“ رکھا ہے ۱۲

ہے اب چائے حلت خاک اُڑ رہی مین میں
وہ دن گئے کہ موتی مشہور تھے عدن کے

ہے کالی موتیوں کا اب سرسبز عدن میں
قبر اولیس پر ہے بس خراب قرن کو

زندہ اولیس کوئی باقی نہیں قرن میں
اس باغ کی خزاں نے کچھ خاک سی اُڑادی

فضل ہمارا گویا آئی نہ تھی چمن میں
ڈالی نہ ہوگی آگے اسے دُور چرخ شاید

جواب کے تو نے بل چل ڈالی ہی انجمن میں
فوج اور بہیر دونوں پھرتی ہیں بے سری سی

گویا امیر لشکر مارا گیا ہے رن میں
خرد و بزرگ سارے ہیں بدحواس گویا

لٹنے کی قافلہ کے پہونچی خبر طمن میں
بھولی ہوئی ہیں ڈائیں ہر نوں کی چو کڑی سب

جائیں کہ مھر کہ ہر سو دواں لگ ہی ہو بن میں
حالی بس اب نہیں یاں سننے کی تاب باقی

انا کہ ہے بہت کچھ وسعت تیرے سخن میں
نوک زباں نے تیری سینوں کو پھید ڈالا،

ترکش میں ہے یہ پیکاں یا ہو زباں نہیں میں

ہو جستجو کہ خوب سی ہے خوب تر کہاں،
اب ٹھیرتی ہے دیکھنے جا کر نظر کہاں
ق
ہیں دُور جامِ اول شب میں خودی سو دُور
ہوتی ہے آج دیکھنے ہم کو سحر کہاں

یار بس اس اخلاط کا انجم ہو بھیر
اک عمر چاہیے کہ گوارا ہوشیہ عشق
بس ہو چکا بیان کسل و رنج و راہ کا
کون دم کہاں سے ہے دل و حسی کنارہ گیر
ہم جیسے مر رہے ہیں وہی بات ہی کچھ اور
ہوتی نہیں قبول دعا ترک عشق کی
حالی نشاۃ النعمہ دوسے ڈھونڈتے ہو اب

آئے ہو وقت صبح رہے رات بھر کہاں
خزاں کو لیکے ہمارا اگر پہنچے گلستاں میں
جوں چاہے تو اچھے اک غبارِ دو دینچاں میں
نہ رہنے دیگا حسن و نمایوسف کو کنگاں میں
نہ کچھ کلفت ہو زندا میں نہ کچھ راحت شستاں میں
کہاں تک جی نہ گہرے آگے درِ ہجر اں میں
نہ پوچھو ہم سے کیا دیکھا ہے بنے بزمِ زنداں میں
سوائے طولِ حسرت کیا دہرے آگے آج میں
نہیں مھر کو آنا ہے اک دن بیتِ احزاں میں
ہمارا بھی کبھی گلتا تھا دل سیرِ گلستاں میں
نکل کر چاہے کنگاں سے بھی رہنا ہے زنداں میں

نہ دی حیرت نے حالی فرست سیرِ جہاں اک دم

رہے ہم شہر میں ایسے کہ تھے گویا بیاہاں میں

اب وہ اگلا سالتقات نہیں جیسے بھولے تھو اب وہ بات نہیں

ق

ق

بُجھ کو تم پر ہے اعتمادِ وفا
 رنج کیا کیا ہیں ایک جان کیساتھ
 یونہیں گزرے تو سہل ہو لیکن
 کوئی دلسوز ہو تو کیسے بیاں
 ذرہ درہ ہے منظرِ غورِ شہید
 تم کو مجھ سے پرالفتات نہیں
 زندگی موت ہی حیات نہیں
 فرصتِ غم کو بھی ثبات نہیں
 سرسری دل کی واردات نہیں
 جاگے آنکھ دن ہر ات نہیں

قیس ہو کو بہن ہو یا حالی
 عاشقی کچھ کسی کی ذات نہیں

کچھ منہ ہی کھل سنبھلنا غم سہجراں میں نہیں
 کو یا یا س نے ذوقِ خلش فک وصال
 ہمنے کی سیرِ حرم غور سے اسے بلبل زار
 عشق نے مصر میں ببار زلیخا سے کہا
 محنت! صدقِ صفایا ہو اُنھیں کے دم سے
 یاں بھی ہو کون کون مکان سے دلِ وحشی آزاد
 ٹھہرتے ٹھہرتے دل یوں ہی ٹھہر جائے گا
 کس طرح اسکی لگاؤ کو بناؤں سمجھوں
 دی ہو داغ طے کن آداب کی تکلیف نہ پوچھ
 آدمی ہو تو کبھی پاسِ محبت کے نہ جائے
 بے قرار ہی تھی سب امید ملاقات کے ساتھ

حالی زار کو کہتے ہیں کہ ہے شاہد باز

یہ تو آثار کچھ اس مردِ مسلمان میں نہیں

غمِ فرقت ہی میں مرنا ہو تو دشوار نہیں
 شادیِ قیل بھی عاشق کو سزاوار نہیں

سچ تو یہ ہے کہ کوئی تجھ سا طرہ دار نہیں
ہم کو سچا نظر آتا کوئی اقرار نہیں
”دل میں سب کچھ ہو مگر رخصتِ گفتار نہیں
جسکے نزدیک جفا باعثِ آزار نہیں
کعبہِ دیر سے کچھ ہم کو سرد کار نہیں

ہوں گے قائل وہ ابھی مطلعِ ثانی میں نہ کر
جو تجلی میں یہ کہتے ہیں کہ تکرار نہیں

اک قیامت ہو ترے ہاتھ میں تلوار نہیں
جب یہ جانا کہ ہمیں طاقتِ رفتار نہیں
غیرِ عشق سے اب تک وہ خبردار نہیں
لعلِ الحمد کہ باہم کوئی تکرار نہیں
دل نے آخر یہ دیا حکم کہ کچھ عارفین
ورنہ ہم اور کسی شے کے طلبکار نہیں؟

بات جو دلیں چھپائے نہیں نبیِ حالی
سخت مشکل ہے کہ وہ قابلِ اظہار نہیں

لائی ہے بُوئے اُنس نسیمِ جن کہاں
جایگا دیرِ چھوڑ کے اب برہمن کہاں
واں دخلِ دستِ برد کو ایڑا ہزل کہاں
مرغِ چمن کو فرصتِ سیرِ چمن کہاں
لیجائے ہم کو دیکھتے ذوقِ سخن کہاں
وہ آئے سخن میں تو پھر سخن کہاں

خبرِ دنی کے لئے زشتیٰ جو بھی ہے ضرور
قولِ دینے میں تامل نہ قسم سے انکار
کل خرابات میں اک گوشہ سے آتی تھی صدا
حق ہوا کس سے ادا اس کی وفاداری کا
دیکھتے ہیں کہ پہنچتی ہے وہاں کون سی راہ

میں تو میں غیر کو مرنے سے اب انکار نہیں
کچھ پتا منزلِ مقصود کا پایا ہم نے
چشمِ بدو رہت پھرنے میں عیار کے ساتھ
ہو چکا نازِ اٹھانے میں ہے گو کامِ تمام
مدقوں رشک نے عیار سے ملنے نہ دیا
اصل مقصود کا جہرِ سیز میں ملتا ہے پتا

دشت میں تھا خیالِ گلِ دیاسن کہاں
ہے بندگی کے ساتھ یہاں ذوقِ دید بھی
اہلِ طریق جس کو سمجھتے ہیں زادِ راہ
فصلِ خزاں کہیں میں ہے تیا دگھات میں
لاتا ہے دل کو وہ جد میں اک حرفِ آشنا
جی ڈھونڈھتا ہے بزمِ طرب میں انھیں مگر

ق

دل ہو گیا ہے لذتِ غربت سے آشنا
اب ہم کہاں ہو اے نشاطِ وطن کہاں
کہتا ہے خیر ہم بھی سہی دشمنِ آپ کے
شکوے کو لے گیا ہے وہ بیدارِ وطن کہاں
رو کا بہت کل آپ کو حالی نے داں مگر
جاتا ہے محوِ شوق کا دیوانہ پن کہاں

کہاں فکر میں اب وہ جوانیاں
وہ دریائےِ معنی کی طغیانیاں
کہاں وہ طبیعت کی رنگینیاں
وہ بزمِ سخن میں گل افشانیاں
کہاں اب وہ جلسوں میں اجاب کے
سخنِ سنجیاں اور سخنِ رانیاں
دکھائی جو نہیں دورِ گردِ دل آنکھ
گئے بھول ساری غزل خوانیاں
بچھے بنِ زمانہ سے بنتی نہیں
رگرگرنی ہیں یہاں سب کویشانیاں
گئے بربتنے جبے کہ ہوش و خرد
لگیں ساتھ بڑھنے پریشانیاں
بڑھاپے کی دانائی لے کر کوئی
بدلے وہ بچپن کی نادانیاں
اگر راست گوئی کی جرات نہیں
تو جھوٹی ہیں واعظ کی لسانیاں
منادی نہیں حق کی کچھ دل لگی
بہت یاں ہیں درکارِ قربانیاں
گئے بھیل چپ چاپ گرسٹکیں
یہی مشکلیں ہیں پھر آسانیاں
ہونا پید - جس ملک میں اتفاق
ہیں آبادیاں ہاں کی دیرانیاں
ہر بنِ حرقہ پوش اب کوئی اور روپ
یہ مشکلیں تو ہیں جانی بچانیاں
وہی لیکے یہاں سے زادِ سفر
گئے جھاڑ جو اپنی ہمسایاں
لگاؤ نہ اس دار فانی سے دل
عیانِ اسکی ہیں شست پیمانیاں
جو یہاں آج ہر جوشِ عیش و نشاط
توکلِ حسرتوں کی ہیں طغیانیاں
پھر آرام برسوں نہیں یہاں نصیب
اگر چار دن ہیں تنِ آسانیاں
”چمن ہے کہ ہے سیمیاں مینود“
یہ کہتی ہیں زرخس کی حیرانیاں

گل۔ آوازِ مبل پہ میں ہنس رہے
متابع وفا کا ہے دنیا میں کال
لگا دیتے ہیں اسکی قیمت میں جو
کھلوں پہ مرتے ہیں مہر چوڑ بھوڑ
بھٹتے ہیں مردار کی پا کے بو
بنی نوع کے دوست کرتے ہیں آد
کیلجے کے ٹکڑے ہوتی ہیں تیاں
جہاں سوزیوں کا ہے گویا کرنام
ڈوبتی ہیں آخ کو سمجھدار میں
کہ ”کے دن کی ہیں خوش الحانیاں“
مگر گاہکوں کی ہیں ارزائیاں
شہنشاہیاں اور سلطائیاں
یہ داناؤں کی ہیاں ہیں نادانیاں
یہ ہیں شیر مردوں کی جولانیاں
بنی نوع پر آتش افشائیاں
سدا چل کوؤں کی ہمایاں
جہاں داریاں اور جہاں بانیاں
یہ فرعونیاں اور ہاماسیاں

محبت کا دنیا کے حالی مال

پیشیاں ہیں پشیمائیاں

کوئی محرم نہیں ملتا جہاں میں
تفس میں جی نہیں لگتا کسی طرح
کوئی دن بوالہوس ہی شاد ہوں
کہیں انجام آ پہونچا دفا کا
نیا ہے لیجے جب نام اس کا
دل پر درد سے کچھ کام لوں گا
مجھے کہنا ہے کچھ اپنی زباں میں
لگا دو آگ کوئی آشیاں میں
دھرا کیا ہے اشارت نہاں میں
گھلا جاتا ہوں آکے امتحان میں
بہت دسعت ہو میری استاں میں
اگر فرصت ملی مجھ کو جہاں میں

بہت جی خوش ہوا حالی سے مل کر
ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں

مرے دلیں ہو۔ گو مجھے نہاں ہو،
مجھے بھی ڈھونڈ لینا تم جہاں ہو

ق

ق

نہ چھڑوں تذکرہ وصلِ عدو کا
تقاضائے محبت ہے - وگرنہ
بہت بیقرار ہوں محفل میں تیری
مجھے ڈالا ہے سو دہم و گماں میں
کمرؤں پر ہمارے باندھ رکھے
جسے سنی ہماری داستان ہو

موت رہے بہت حالی ترا و غظ
کل اسکے سامنے بھی کچھ بیاں ہو

حکم ہے پیرمناں کا کہ جو انی نہ گنواؤ
دل کو کس طرح سمجھے کہ وہی ہے یہ دل
یار کو یاد سمجھتا ہے نہ تو غیر کو غمیر
دوست ہوں جبکہ ہزاروں وہ کسی کا نہیں دوست
تو وہی برق جہاں سوز ہی بن خواہ نہ بن
ایک ہی دوست اور اس سے ہمیں چھوٹاتے ہو
ہو گیا ذکر قیامت تو اجبیرن و اعظ
تجھ کو لے بار بلا دیکھ کے جی چھوٹ گیا
پہونچ اسے خضر کہ ہر وقت مدد گاری کا
دیکھیں کس طرح نہ سرسبز ہو پھر کشتِ امید
لے شرافت تجھے بکنا ہے اگر مفت تو بکن
قافلے ساتھ کے جا پہنچے حرم کے لگ بھگ

خیر کفارہ عصیاں ہے پیوا اور بلاؤ
وہ امیدیں نہ ارمان وہ اُنکیس میں جاؤ
تو تو اچھا ہے مگر تیرے برے ہیں تراباؤ
سچ بتا تجھ کو کسی سے ہی ہر دنیا میں لگاؤ
ہے برابر ترابے ساختہ پن اور بناؤ
ناصحاب تمہیں دشمن کہیں یا دوست بتاؤ
باتیں کچھ اور کرو قصہ کوئی اور سناؤ
ایک ہی بار تم لے بادلو؟ اس طرح نہ بھاؤ
ڈمگاتی ہو بہت دیر سے مجھ ہار میں ناؤ
آؤ اور ندیاں آج آسو و نکی مل کے بہاؤ
آج کل کیجئے کیا؟ ہی ہی بازار کا بھاؤ
وقت اب ہاتھ سے جاتا ہے جواتے ہو تو آؤ

اس کے نالوں نے کیا نرم کو آخربے لطف
ہم نہ کہتے تھے کہ حالی کو نہ محفل میں بلاؤ

درفض حق بند جب تھا نہ اب کچھ
ہر اک کو نہیں ملتی یاں بہیک اہد
کچھ اور آؤ بنکر تم لے میر و مرزا
یہ طبل تہی ہیں جو بنکار رہے ہیں
دیا تو نے یاں جس بہانے سے چاہا
ہو افسردہ مجلس کی خست سرواغظ
تم اپنی سی کہنی تھی جو کہہ چکے سب
یہ ہی میر مجلس کہ چینی کی مورت

فقیروں کی جھولی میں ہر اب بھی سب کچھ
بہت جان بچ لیتے ہیں دیتے ہیں ترچھے
نہیں پوچھتے یاں حب لب کچھ
جنہیں کچھ خبر ہو وہ کہتے ہیں کب کچھ
ہنر کام آیا نہ علم و ادب کچھ
وہ گرامیگا یہ تسخیں گے جب کچھ
نہیں ناصحو! تم پہ الزام اب کچھ
ٹوٹو تو پیچ اور جو دیکھو تو سب کچھ

کوئی لغت نہ چرب تاکا ہے شاید
یہ حالی کی غزلت نہیں بے سبب کچھ

بڑھاؤ نہ آپس میں نکت زیادہ
تکلف علامت ہی بیگانگی کی
کر دو دستو پہلے آپ اپنی غرت
بکالو نہ رنٹے نسب میں کسی کے
کر و علم سے کتاب شرافت
فراغت کسی دنیا میں دم بھر نہ بھو
جہاں رام ہوتا ہی میٹھی زبان سے
مصیبت کا ایک سی احوال کتنا
کر و ذکر کم اپنی داد و دہش کا
پھروروں کی تہمت پھر گے سخاوت

مبادا کہ ہو جائے نفرت زیادہ
نہ ڈالو تکلف کی عادت زیادہ
جو چاہو کریں لوگ غرت زیادہ
نہیں اس سے کوئی زوالت زیادہ
نجات سے ہی یہ شرافت زیادہ
اگر چاہتے ہو فراغت زیادہ
نہیں لگتی کچھ اسمیں دولت زیادہ
مصیبت سے ہی مصیبت زیادہ
مبادا کہ ثابت ہو خست زیادہ
بڑھاؤ نہ حد سے سخاوت زیادہ

کہیں دوست تم سے نہو جائیں ظن
 جو چاہو فقیری میں غربت سے رہنا
 وہ افلاس اپنا چھپاتے ہیں گویا
 نہیں چھتے عیب اپنی ثروت سے سرے
 ہوا الفت بھی خست بھی نیا سولازم
 فرشتے سے بہتر ہے انسان بننا
 بکے مفت یاں ہم زمانہ کے ہاتھوں
 ہوئی عمر دنیا کے دھندوں میں آخر
 جت اوندہ اپنی محبت زیادہ
 نہ رکھو امیروں کے قلب زیادہ
 جو دولت سے کرتے نفرت زیادہ
 خدا سے تجھے خواجہ ثروت زیادہ
 یہ الفت زیادہ نہ وحشت زیادہ
 مگر اسمیں پڑتی ہے محنت زیادہ
 پہ دیکھا تو تھی یہ بھی قیمت زیادہ
 نہیں بس اب اسے عقل نہلت زیادہ

غزل میں وہ رنگت نہیں سیری حالی

الاپس نہ بس آپ دہر پت زیادہ

ن

حقیقت محرم اسرار سے پوچھ
 دف اغیار کی اغیار سے سن
 ہماری آہ بے تاثیر کا حال
 دلوں میں ڈالنا ذوق اسیری
 دل مجھ سے سن لذت وصل
 نہیں خبر گریہ غم حاصل عشق
 نہیں آپ بقا جز جلوہ دوست
 فریب وعدہ دیدار کی قدر
 فغان شوق کو مانع نہیں وصل
 تصور میں کیا کرتے ہیں جو ہم
 متارے بے ہا ہے شعر حالی
 مزا انگور کا مے خوار سے پوچھ
 مری الفت درود دیر سے پوچھ
 کچھ اپنے دل کو کچھ اغیار سے پوچھ
 کمند گیسو سے خدا سے پوچھ
 نشاط عافیت بیمار سے پوچھ
 ہماری چشم دریا ہار سے پوچھ
 کسی لب تشنہ دیدار سے پوچھ
 شہید خنجر انکار سے پوچھ
 یہ نکتہ عنذ لب زار سے پوچھ
 وہ تصویر خیال یار سے پوچھ
 مری قیمت مری گفتار سے پوچھ

ی

ہو ان کی دوستی پر ہم کو تو بدگمانی
 بیجرم کوئی آ خر کب تک سنے ملامت
 عاشق کے دلوں ٹھنڈک جو تیری آگ میں ہے
 امید وصل سے ہر کچھ جی چھڑائے دیتا
 ہر حکم پر ہوں راضی ہر حال میں رہیں خوش
 صبر و سکون سے ہکو یہ بھی بیٹرنے دے
 پھر یہ بنے ہستی ہر تیرے بعد ویراں
 دیکھا جمالِ جاں مال کھنڈوں نے اور نہ دل نے
 وہ ہم کو دوست سمجھیں یہ انکی مہربانی
 ناصح سے ہکو اپنی کہنی پڑی کسانِ
 دیتا نہیں وہ لذتِ پیاسے کو سر دپانی
 جو کچھ سنا ہے بہنے مشاطہ کی زبانِ
 کچھ ہے اگر تو یہ ہے دینا میں شادمانی
 تھوڑی سی رہ گئی ہے اُسے کا ہش ہمانی
 ہو تو بھی اب غنیمت اے ضعفِ ناتوانی
 کیا جانے کس ادا سے کی اُس نے دلستانی

اک نکتہ کے بیان سے سر بر نہ ہو گے حالی

چلتا نہیں کسی کا یاں لافِ نکتہ دانی

کدو کوئی ساقی سے کہ ہم مرتے ہیں پیاسے

گرے نہیں۔ دے زہر ہی کا جامِ بلا سے

جو کچھ ہے سو ہے اُس کے تغافل کی شکایت

قاصد سے بے تکرار نہ جھگڑا ہے صبا سے

دَلالہ نے اُمید دلائی تو ہے۔ لیکن

دیتے نہیں کچھ دل کو تسلی یہ دلا سے

ہے وصل تو تقدیر کے ہاتھ اے شہِ خویاں

یاں ہیں۔ تو فقط تیری محبت کے پیاسے

پیاسے ترے سر گشتہ ہیں جو راہِ طلب میں

ہوٹوں کو وہ کرتے نہیں تر آبِ بقا سے

درگزرے دواسے تو بھر دے پہ دُعا کے
 درگزرے دُعا سے بھی - دُعا ہے یہ خُدا سے
 اک درد ہو بس آٹھ ہر دل میں کہ جس کو
 تخفیف دواسے ہو نہ تسکین دُعا سے
 حالی دلِ انساں میں ہے گم دولت کو نین
 شرمندہ ہوں کیوں غیر کے احسانِ عطا سے
 جب وقت پڑے دیکھے دستک دردِ دل پر
 جھکے فقر اسے نہ جھکے امر اسے
 کبک و قمری میں ہے جھگڑا کہ جن کس کا ہے
 نکل بتا دے گی خزاں یہ کہ وطن کس کا ہے
 فیصلہ گردشِ دُور اُس نے کیا ہے توبار
 ہر ونگا ہے بدخشان و ختن کس کا ہے
 دم سے یوسف کے جب آیا دُعا یقوب کا گھر
 چرخ کہتا تھا کہ یہ بیتِ حُسن کس کا ہے؟
 مطلق - اس سے مسلمان نہ مسیحی نہ یہود
 دوست کیا جائے یہ چرخ کُن کس کا ہے؟
 واعظ اک عیب سے تو پاک ہے یا ذاتِ خدا
 ورنہ بے عیب زمانہ میں چلن کس کا ہے
 آج کچھ اور دنوں سے ہے سوا استغراق
 غمِ تسخیر پھر اسے شیخِ زمن کس کا ہے
 آنکھ پڑتی ہے ہر اک اہل نظر کی تم پر

تم میں رُوپ اے گل و نسرين سمن کس کا ہے ؟
 عشقِ اُدھر عقلِ اُدھر دُھن میں چلے ہیں تیری
 رستہ اب دیکھے دونوں میں کٹھن کس کا ہے
 شان دیکھی نہیں گر تو نے چمن میں اُس کی

دلولہ تجھ میں یہ اے مرغِ چمن کس کا ہے
 ہیں فصاحت میں مثلِ واعظ و حالیِ دُؤ
 دیکھنا یہ ہے کہ بے لاگ سخن کس کا ہے

ہوا کچھ اور ہی عالم میں چلتی جاتی ہے
 عجب نہیں کہ رہے نیک بے میں کچھ تیز
 سپاہِ دیرِ سپہِ باغِ باغ ہیں۔ لیکن
 کہا جو میں نے وفا کرتے آئے ہیں جاب
 قلعہ انہیں نہیں کہ دوستوں سے چھٹے کا
 بہت سے کھوئے غلجانِ بندہ انی نے
 ہوئے ہیں بارِ امانت تو تیرے سب عاجز
 اڑے گی خاکِ تقدس کی اب ہر باز

نہ خوفِ مرنیے جب تھانہ اب ہو کچھ حالی
 کچھ اک جھجک تھی سو وہ بھی نکلتی جاتی ہے
 بُری اور بُھلی سب گزر جائے گی
 ملیگا۔ نہ گل چیں کو گل کا پتا
 یہ نشئی تو نہیں پار اتر جائے گی
 ہر اک پنکھڑی یوں بکھر جائے گی
 کوئی دن میں لگنا اتر جائے گی
 یہ بازی تو توں سو ہی ہر جائے گی
 ادھر ایک ہم اور زمانہ اُدھر

بناوٹ کی شے نہیں رہتی شیخ ! یہ عزت تو جائے گی پر جاگیگی
نہ پوری ہوئی ہیں امیدیں نہ ہوں یو نہیں عمر ساری گزر جائیگی

تسلیں گے نہ حالی کی کب تک صدا
یہی ایک دن کام کر جائے گی

سلف کی دیکھ رہو راستی اور است اخلاقی

کہ انکے دیکھنے والے ابھی کچھ لوگ ہیں، باقی

نہیں خالی ضرر سے دخیوں کی لوٹ بھی لیکن

خدا راس لوٹ سے جو لوٹ ہو علمی و اخلاقی

نہ گل چھوڑے نہ برگ بار چھوڑے توئے گلشن میں

یہ گل چینی ہے یا لٹس ہو گلچیں۔ یا ہے قزاقی

کمال کفش دوزی علم افلاطوں سے بہتر ہے

یہ وہ نکتہ ہے سمجھے جس کو مشائی نہ اشرافی

رہی دانائی آخر غالب آکر پہلوانی پر

گئے چین مان سب چینی و فرغانی و قباقی

ہمارے طرف ہی انعام کے قابل نہیں درنہ

لنڈہائے غم پہ غم غیروں پہ کیوں مسک ہو گرساکی

مدارج کوشش و تدبیر کے سب ہو چکے حالی

لطیفہ رہ گیا ہے دیکھنا اک غیب کا باقی

بزم میں اہل نظر بھی ہیں تماشائی بھی

اسیں تہتری بھی ہیں۔ کوئی بھی ہیں مہجری بھی

اسمیں ستم بھی ہیں۔ ہندو بھی ہیں۔ عیسائی بھی

اہل معنی کو ہے لازم سخن آرائی بھی

اپنے اور غیر کے حق کی نہیں کچھ رکھتے تمیز

اکھ سب ایک کھلی رکھتے ہیں اور ایک مندی

جو چھپاتے ہیں حق اندیشہ رسوائی سے
دوست گر بھائی ہو دوست ہو تو بھی۔ لیکن
اُسے غم دوست کبھی پر نہیں اپنی گذران
دل غمی رکھتے ہیں امر دولت دنیا جو لوگ
عقل ہو۔ اپنی حاجت کو چھپانے کی نہیں
عقل اور حسن پہ جنکے بھری مجلس ہو گواہ
ملنے دیگی نہ اجل تم سے ہمیں جی بھر کر

گھات میں لگے گی مٹی بہ رسوائی بھی
بھائی گر دوست نہیں تو نہیں کچھ بھائی بھی
کچھ فتوح اسکے سوا اور ہے بالائی بھی
توران کے کبھی تو دیکھ کے شرابی بھی
جن میں کچھ ساتھ حاکم کو جو خورانی بھی
ان کو خود دلی بھی بھلتی ہے خود آرائی بھی
فرصت اے دوستو دنیا سے اگر پائی بھی

جی گئے ہم۔ پر ہی مردوں سے بدتر حال
دیکھ لی ہم نے بلیوں کی سیجانی بھی

رہا کھل کے زاہد کا زہر ریائی
برائی ہے رند و عین بھی شیخ لیکن
گناہوں سے بچنے کی صورت نہیں جب
رکا ہاتھ جب بن گئے پارسام
برا آپ کو وہ سمجھتا ہے ہم سے
جو کہنے تو جھوٹی جو سُننے تو سچی
ہوئی اسکے پیری میں متدرجوانی
وہی جو کہ کرتا ہے رانی گہر بت
جوانی میں عاشق تھے اب ہم ہیں ناصح
قیاس آپ پر سب کو کرتے ہو حال
نہیں اب بھی اچھوں سے خالی خدائی

بنائی بہت بات پرین نہ آئی
کماں میر برائی کہاں وہ برائی
عبادت میں کیوں جان ناحق کھپائی
نہیں پارسائی یہ ہے نارسائی
سو اس کے منعم میں ہو کیا بڑائی
خوشامد بھی ہم نے عجب چیسر پائی
سمجھ ہم کو آئی یہ ناوقت آئی
وہ پر بت کو بھی کر دکھاتا ہو رانی
جو داں دل پہ لی تھی تو یاں منہ کی کائی

وصل کا اس کے دل زانوستانی ہے
نہ ملاقات ہے نہ شناسائی ہے
قطع امید نے دل کر دیے یکسو۔ صد شکر
شکل مدت میں یہ اندر سے دکھائی ہے
قوت دستِ خدائی ہے شکیبائی میں
وقت جب کے پڑے ہی کام آئی ہے
درہنیں غیر کا۔ جو کچھ ہے سوا پناہ ہے
ہنر جب کھائی ہو پنی ہی کو رک کھائی ہے
نشہ میں چورہوں۔ جھانچھ میں مجذوبوں
پناہ یہ پیرِ حجابات سے فرمائی ہے
نظر آئی نہیں اب دل میں تنہا کوئی
بعدِ مدت کے منتا مر جا برائی ہے
بات سچی کہی۔ اور انگلیاں اٹھیں سبکی

سچ میں حالی کوئی رسوائی سی رسوائی ہو؟

اتنی ہی دشوار اپنے عیب کی پہچان ہو
جس قدر کرنی دامت اور کو آسان ہو
سامنا ہو موت کا ہونا محبت سے بوجہ
آئے اس میدان میں ناہ اگر کچھ جان ہو
دیکھ لے بیل ذرا گلبن کو آنکھیں کھول کر
پھول میں گر آن کو کٹوں میں ہی نشان ہو
عقل بھلی پر نہ مٹی حرص و ازان کی
سے نہ اپنا نام آدمیت کا اگر انسان ہو
چوٹیوں میں اتھا اور کھینوں میں التفیق
آدمی کا آدمی دشمن۔ خدا کی شان ہو
تجھ میں جوت ای شمع ہو کس بقی عالم کوئی
جان دل کو تجھ پر پڑا نہ جو یوں قربان ہو
دل میں حالی کے رہی باقی نہیں رمان کچھ
جی میں ہو کچھ اب اگر باقی تو ہیرا ران ہو

تم میں وہ سوز نہ تم میں سہم وہ ایماں باقی

رہ گیا کیا ہے اب اسے گہرِ دُسلیاں باقی
بزمِ دعوت میں رسائی ہوئی اپنی اُس وقت

مینر باں جب نہ رہا کوئی نہ ہمسایا باقی
حق ادا رک نہ لطف کا ہو گا کیوں کر؟

دلِ ودیں لے چکے اور ہوا بھی احساں باقی
ظاہر اور ذہنی الفت کا نہیں چارہ پذیر

ورنہ چھوڑا نہیں ہم نے کوئی درماں باقی
تو شہ موجود ہے حالی نہ سواری نہ رفیق
ابھی کرنے ہیں بہت کویج کے سماں باقی
جب یہ کہتا ہوں کہ بس دُنیا پر اب تفت کیجئے

لفس کتاب ہے ابھی چند سے توقف کیجئے
داں رسائی ہے صبا کی اور نہ قاصد کو ہوا بار

اُس سے آخر کس طرح پیدا تعارف کیجئے
ضبط کیجئے درِ دول تو ضبط کی طاقت نہیں

اور کھلا جاتا ہے رازِ دل اگر اُن کیجئے
دوست کے تیر ہیں ہم ہر رنگ میں پہچانتے

بے تکلف ملے ہم سے یا تکلف کیجئے
جبکہ عقبیٰ دل گئی دُنیا ہے پھر سہل الوصول

شیخ لگتے ہاتھ اس پر بھی نصرت کیجئے
وقت تھا جو کام کا حالی گنوا بیٹھے اُسے

جائے اب عمر بھر بیٹھے تائسف کیجئے
تو بہ حضرت کی یونہیں کہ دو دھ کا سا ہر اباں

ہم دکھا دینگے دُعا دم بھر ترقف کیجئے
فکرِ فردا کی گلے پڑ گئی عادت کیسی

جب خزاں ہو گئی آخر تو رہا ہم خزاں
جان کو ہنسنے لگالی ہے یہ علت کیسی؟
جنکی قسمت میں ہو کلفت انہیں راحت کیسی

جی کا الفت کو سمجھتے تھے ہم اک بھلاوا
جیتے جی رک نہ فرغت کی توقع ناواں
عین جی سے نہیں خلق کی دم بھر فارغ
جو حقیقت سی ہیں آگاہ تری اے دنیا
جانتا ہو وہی۔ ول پر ہے گذرتی جس کے
ہمنے اول سے پڑھی جو یہ کتابِ فرحت
جیکہ رہتا نہیں قابو میں دل اپنے ناصح

وہ تو آفت تھی ہوائے لئے الفت کیسی
قیدِ ہستی میں مری جانِ فراغت کیسی؟
جنکو کچھ کام نہیں یاں انہیں فرصت کیسی
وہ نہیں جانتے ہوتی ہے مصیبت کیسی
ہم کہیں کس سو کہ درپیش ہے حالت کیسی
ہم سے پوچھے کوئی؟ ہوتی ہو محبت کیسی
وحی ہی کام نہیں کرتی نصیحت کیسی

نظر آتا تھا یہ پہلے ہی سے حالی انجام
یار کی میں بھی کہوں ہے یہ عنایت کیسی

سعی سے بہتر تن آسانی مری
تھا نہ محتاج سبب عفوِ کیم
خلد میں بھی گری یاد اسکی زلف
ہے لباسِ جسم تک مجھ پر گراں
مانعِ گلگشت ہے بیمِ خزاں
قدرِ نعمت ہے بقدرِ انتظار

کفر سے بدتر مسلمان مری
کچھ نہ کام آئی پشیمانی مری
کم نہ ہو شاید پریشانی مری
دور جا ہو چکی ہے عربانی مری
موت کرتی ہے نگہبانی مری
حشر پر بھری ہو گمانی مری

خندہ زن ہے اس مسلمان پہ کفر

جیسی ہے حالی مسلمان مری

پر دے بہت سے وصل میں بھی درمیاں رہے

شکوے دہ سب سنا کے اور مہرباں رہے

کیا کیا ہیں دل میں دیکھے ارماں بھرے تھے

ہم میزبان نہیں جو کوئی میہاں رہے

حراں میں ہاتھ سے نزدیک رشتہ امید

اب تک تو ہم جہاں میں بہت شاداں ہے

پُچھی گئی نہ بات کہیں پسِ وضع کی

اتنے ہی ہم سبک ہوئے جتنے گراں رہے

ذیرِ دھرم کو تیرے فناؤں سے بھر دیا

اپنے رقیب آپ رہے ہم جہاں ہے

وآراؤ ہم کو تیرے گداؤں پہ رشک ہے

نرخ متابعِ عشق - آہی گراں رہے

حالی سے مل کے ہو گئے تم افسردہ دل بہت

گلے سے ڈولے وہ اب اُس میں کہاں رہے

بات اس کی کاہتے رہی اور ہمزباں ہے

ہم مجبورانہ جس جس کا رواں رہے

یا آپ بھی ملازمِ پیرِ مغیاں رہے

ڈوبے ہم آبِ خضر میں اور نیجاں رہے

مہم مدعی کے گھر گئے اور میماں رہے

کشتی کسی کی پار ہو یا درمیاں رہے

سب مدعی کو آپ پہ کیا کیا گماں رہے

بارِ ان تیرے کام نے عمل کو جالیا

یا کہینچ لائے دیر سے ندول کو اہلِ عطا

وصلِ ہدایم سبھی بھی ہماری کجی نہ پیاس

کل کی خبر غلط ہو تو جھوٹے کار و سیاہ

دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام

حالی کے بعد کوئی نہ ہمدرد پھر دلا

کچھ راز تھے کہ دل میں ہمارے نہاں ہے

آپ کچھ کہہ کے مکرانے لگے

عذر اُن کی زباں پہ آنے لگے

وہ اگر بہت آزمانے لگے

حق و وفا کے جو ہم جتانے لگے

مقاہاں دل میں طعن وصلِ عدو

ہم کو جینا پڑے گا فرقت میں

ڈرہے میری زباں نہ کھل جائے
جان بچتی نظر نہیں آتی
تم کو کرنا پڑے گا عذرا جفا
سخت مشکل ہے شیوہ تسلیم
جی میں ہے توں رضائے پرینماں
سیرِ باطن کو فاش کر یا رب!

وقتِ رخصت تھا سخت حالی پر
ہم بھی بیٹھے تھے جب وہ جانے لگے

ق

حشر تک یاں دل نشیکبا چاہئے
ہو تجلی بھی نقابِ روئے یار
غیر ممکن ہے نہ ہوتا شیرِ خشم
ہو دل افکاروں کی دلہاریِ ضرور
ہو کچھ اک باقی خلشِ امید کی
دوستوں کی بھی نہ ہو پروا جسے
بھاگے مہرِ لب کے انداز و ناز
شیخ ہے انکی نگہ جاؤ بھری

لگ گئی چپِ حالی رنجور کو
حال اُسکا کس سے پوچھا چاہئے

ق

جنوں کا رفرما ہوا چاہتا ہے
دم گریہ کس کا تصور ہے دل میں
قدمِ دشتِ یما ہوا چاہتا ہے
کہ اشکِ اشکِ دیا ہوا چاہتا ہے
بابائے گویا ہوا چاہتا ہے
خط آنے لگے مشکوٰۃِ میرِ ننگے

بہت کام لینے تھے جس دل سے ہو
 ابھی لینے پائے نہیں دم جہاں ہیں
 وہ صرف تنہا ہوا چاہتا ہے
 اجل کا تقاضا ہوا چاہتا ہے
 کوئی وعدہ پورا ہوا چاہتا ہے
 درِ رحمت اب وا ہوا چاہتا ہے
 کوئی دن میں رسوا ہوا چاہتا ہے
 دل اپنا بھی تجھ سا ہوا چاہتا ہے
 قلق دیکھنے کیا ہوا چاہتا ہے
 سو وہ بھی گوارا ہوا چاہتا ہے
 غم رشک کو تلخ سمجھتے تھے ہدم

بہت چن سے دن گزرتے ہیں حالی

کوئی نیت سنہ برپا ہوا چاہتا ہے

ق جس کو غصے میں لگا دٹ کی ادا یاد رہے

آج دل لے گا اگر کل نہ لیا۔ یاد رہے

شوق بڑھتا گیا جوں جوں کے اس شوق سے ہم

یہ سبق وہ ہے کہ بھولے سے سو یاد رہے

ہم بھی آدابِ شریعت سے تھے آگاہ۔ مگر

نہو برتاؤ میں جو رسم وہ کیا یاد رہے

یاد آؤ گے بہت۔ لطف سمجھ کر کیجے،

اس بھلائی کا ہے انجام بُرا۔ یاد رہے

شیخ یاں شرم گنہ شوق بھلا دیتا ہے

تو بہ اُن کی ہے جنہیں اپنی خطا یاد رہے

وادیِ عشق میں موسیقی کو ہو گر نصیب دید

ہاتھ کٹوائیں جو پھر کفّش و عصا یاد رہے

حُضْر نے پانوں اگر دشتِ فنا میں رکھا

بھول جائیں گے روہِ آبِ بقا یاد رہے

دلِ بُری طرح لگا عشقِ بٹاں میں اسے شیخ !

دینِ پڑا پائیں اگر اب کے خدا یاد رہے

چارہ گر ! کارِ باندازہ تدبیر نہیں

کیجیو بہت اگر دقتِ دُعا یاد رہے

ابھی جانا نہیں حالی نے کہ کیا چیز ہیں وہ

حضرت اس لُطفِ کاپائیں گے مزایا دے

ملنے کی جو نہ کرنی تھی تدبیر کر چکے

تہِ خر کو ہم جو الہِ نقتدیر کر چکے

افسوس شبِ وصال کے داں کارِ گر نہیں

نامے شبِ فراق کے تاثیر کر چکے

اسے دلِ اب آزمائشِ تقدیر کا ہے دقت

وہ امتحانِ ہوشِ شمشیر کر چکے

کہتے ہیں طبعِ دوست شکایت پسند ہے

ہم شکوہاے غیر بھی تحریر کر چکے

بھوئے رہے تصورِ مرقاں میں چند روز

دیکھا تو دل کو ہم ہر تیر کر چکے

جاں لب تک انتظار میں آتی ہے بار بار

مشاطہ جلد ترکیں نقتدیر کر چکے

دل لے کے ایک میرا یہ فارغ ہوئے ہیں وہ
گویا کہ اک جان کو تسخیر کر چکے

حالی: اب آؤ پیروی مغربی کریں
بس اقتدائے مصحفی و میر کر چکے

نہ وہاں پریش نہ یاں تاب سخن ہے
بہت لگتا ہے دل صحبت میں اُسکی
بناوٹ سے نہیں خالی کوئی بات
عدو سے بات مخفل میں نہ کرنی
بہت دل میں تری عاشق کو درکار
دلالتی ہے صبا کس کو چہن یاد
کردن تجھ سے بیاں کچھ دردِ غربت
رہے لائوہر میں آگر سو جانے
نہیں آتی کہیں یاں بوئے یوسف
بیاں بیگانگی ہے اس قدر عام
نہ کچھ مجنوں کو ہے پروائے لیلیٰ

ق

محبت ہے کہ دل میں موج زن ہے
وہ اپنی ذات سے اک انجمن ہے
مگر ہر بات میں اک سادہ پن ہے
جو سیج پوچھو تو جائے سوزن ہے
ترمی جو بات ہے وہ دلشن ہے
نہ میں تکیل نہ گمیرا چمن ہے
مگر جویش سخن ہر دہن ہے
یہی دُنیا ہے جو دارِ المجن ہے
مگر جو گھر ہے وہ بیتِ الحزن ہے
کہ بلبِل ناشناساے چین ہے
نہ کچھ شیریں کو دردِ کوکبن ہے

۱۵۔ یہ غزل تقریباً ۱۲۸۹ھ میں اسوقت لکھی تھی جبکہ مجھے بتقریب مازمت دلی چھوڑ کر لاہور جانا پڑا تھا اسوقت اول تو دلی سے جدا ہونا ہی سخت شاق گذرا تھا۔ دوسرے لاہور میں کسی سے جان پہچان نہ تھی۔ وہاں پہونچتے ہی نہایت سخت دبا آئی۔ اور دبا کے ہیضہ کے بعد مدت بہت چھچک اور بیمار کا زور و شور رہا۔ آخر کار راقم بھی سخت بیمار ہو گیا۔ اس تنہائی اور سراسیمگی و غمِ اندوہ کی حالت میں یہ اشعار کہے گئے تھے ۱۲۔ (حالی)

مجھے تنہا نہ سمجھیں اہل لاہور
مری خلوت میں ہے ہنگامہ بزم
بتاؤں تمکو ہوں بس باغ کا پھول؟
بتاؤں تم کو ہوں بس مصر کی بو؟
عدم کی راہ کٹ جاتی کہی کی،
نہ لینے دے گا جنت میں بھی آرام
گریں نظروں سے سب باتیں پرانی
بھلا حالی اور الفت سے ہو خالی!

کیا ہے اس نے کہتے ہیں سخن ترک
مگر ہم کو ابھی اس میں سخن ہو

۱۵ وہم تھی اپنی پارسائی کی،
کہوں بڑھاتے ہو اختلاط بہت
منہ کہتا تک چھپاؤ گے ہم سے
لاگ میں ہیں لگاؤ کی باتیں،
ملنے غیروں سے ہو ملو۔ لیکن
دل رہا پاسے پند الفت دام
دل بھی پہلو میں ہو تو یاں گس سے
شہر و دریا سے باغ و صحرا سے
نہ ملا کوئی غارت امیاں

۱۶ یہ غزل بھی لاہور میں اسی وقت لکھی گئی تھی جبکہ غزل سابق لکھی گئی تھی۔ آخر کے اشعار
میں اس امر کی طرف اشارہ بھی کیا گیا ہے۔ ۱۲۰ (حالی)

ت

بخت ہمدستانی شیدا
تو نے آخر کو نارسانی کی
صحبت گاہ گاہی شعلہ
تو نے بھی ہم سے یوفانی کی
موت کی طرح جس سے ڈرتے تھے
ساعت پہنچی اس جدائی کی

دندہ پرنے کی بے ہوش حالی

انتہا ہے یہ بے حیائی کی

کر دیا غور جہاں تو نے
خوب ڈالی تھی ابتدا تو نے
دور پہنچی تھی اپنی آزادی
پر حذا جانے کیا کیا تو نے
کیوں آئیں گے یاں وہاں جاہم
بس سنا سننے اور کہا تو نے
گوش دل ساتھ لائے تھے ہم آج
نہ کہا اور نہ کچھ سنا تو نے
صبر کا بہ بہت بُرا انجام
ہلکو سمجھا بہت دل میں کیا تو نے
ابتداء سے وفا ہے سر دینا
میری دیکھی نہ انتہا تو نے
دل سے قاصد ایسا کئے وعدہ وصل
اور کہو یا رہا سہا تو نے
ایک عالم کو خوش کیا اور شک
ہم کو کس سے خفا کیا تو نے

جی میں کیا ہے جو بخشو آیا آج

حالی اپنا کما سنا تو نے

کر کے بیمار دی دوا تو نے
جان سے پہلے دل لیا تو نے
رہبرِ شہ نہ گہرا نا
اب لیا چشمہ لقا تو نے
شیخ جیل ہی دیر میں لگا
اس کے مسجد سے کیا لیا تو نے

۱۵ شیدا سے مراد منشی کرم اللہ خاں صاحب دہلوی ہیں کہ اس زمانہ میں کہیں کہیں فکرِ شعر کرتے

تھے اور شیدا تخلص کرتے تھے ۱۲۰

(حالی)

۱۶ رشکی آزر میل نواب محمد علی خان بہادر رئیس جہانگیر آباد کا تخلص ہے ۱۲۱ (حالی)

ق

ق

دور ہوا سے دل مال اندیش
کھو دیا جسم کا مزا تو نے
ایک بیگانہ وار کر کے نگاہ
کیا کیا چشم آشنا تو نے
دل دین کھجے آئے تھی سوئے دیر
یاں بھی سب کچھ دیا خدا تو نے

خوش ہے امید خلد پر حالی
کوئی پوچھے کہ کیا کیا تو نے

ق

دل کو درد آشنا کیا تو نے
طبعِ انسان کو دی ہر شے فنا
دھل جانان محال بھریا
تھنا نہ جز غم با عاشق میں
جان تھی اک دیا بالِ فرقت میں
تھی محبت میں ننگِ منتِ غیر
راہِ زاہد کو جب کہیں نہ ملی
قطع ہونے ہی جب لگا پیوند
تھی جہاں کارواں کو دینی راہ
ناؤ بھر کر جہاں ڈوبنی تھی،
بڑھ گئی جب پلڑ کو مہر سپر
جب ہوا ملک مال ہرن ہوش
جب ملی کارم جان کو لذتِ درد
جب دیا راہر کو ذوقِ طلب

۱۔ اس شعر میں پدوسر کا اشارہ حضرت یعقوب دیوسف علیہم السلام کی طرف اور اگلے
شعر میں بادشاہ سے مراد ابراہیم ابن ادہم رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ۲۔ (حالی)

پروہ چشم تھے حجاب بہت
عشق کو تاب انتظار نہ تھی
حرم آباد اور دیر خسراب
سخت اسرود طبع تھے احباب
پہر جو دیکھا تو کچھ نہ تھا یارب
کون پوچھے کہ کیا کیا تو نے

حالی اٹھا ہلاکے محفل کو
آخر اپنا کہا کیا تو نے

۱
لفس کی فرماں برداری ہو چکی
اب ہیں پیری کی عبودیت کردن
گرم خوشی - لطیف صحبت ہو چکا
موت کی راحت فراموشی کا ہوت
قطرہ اب دریا میں جا ملنے کو ہے
جلتے ہیں جبریل کے شہر جہاں
دیکھنا ہو تجھ کو اب اس جذبہ عشق
قید خانہ میں گیا دل جن کا لگ
دیر میں بھی لیجے قسمت آزما
خود بڑا بن کر دکھا واپ کو
وقت ہواے زاہد - اب تھیر کا
ہے چڑھائی علم کی مذہب پرب
فلسفے سے اسکی اپ منٹ بھر ہے
رہی ہو مذہب نیت کی جنگ

خود پسندی خود نمائی ہو چکی
بس جوانی کی خدائی ہو چکی
ناخوشی - غمگی - لڑائی ہو چکی
زندگی کی جاں گزاری ہو چکی
تیری میعاد اے جدائی ہو چکی
بے پردگی وہاں سائی ہو چکی
عقل کی زور آزمائی ہو چکی
ان اسیروں کی ہائی ہو چکی
مسجد و منین جبہ سائی ہو چکی
باپ دادا کی بڑائی ہو چکی
شہرت زہد ریائی ہو چکی
شرک بدعت کی چڑھائی ہو چکی
سفسطے سے ہاتھ پائی ہو چکی
ملک و دولت کی لڑائی ہو چکی

ہونہ مذہب کی صفائی جب تلک اہل مذہب کی صفائی ہو چکی

اب نہیں سننے کا اے حالی دماغ

بس بہت ہڈیاں سسرائی ہو چکی

مستی بھل میں غفلت کا نشا اور سی شب تاریک میں گھنٹھو گھٹا اور سی

دوستوں روگ بظاہر نہیں جانو لا ہو چکے ختم دوائیں تو دعا اور سی

کہ نہ تھے لوگ انی میں بھی پچھلے پری رخصتہ اب اور سی لغزش پا اور سی

گر گئے عفو کی امید یہ کرنا ہی خطا ہیں جہاں لاکھ گنہ ایک خطا اور سی

شہ کو ہی خوفِ عدو خوفِ اجل خوفِ نوال کہ دو لے بخیر! اک خوفِ خدا اور سی

بی وفا کونسی خبی ہو نہیں جو چھ میں؟ و صفاتے ہیں جہاں ایک فنا اور سی

ترک دنیا کے علائق تو کسے سب ہد گر مناسب ہو تو اک کب یا اور سی

تیر کو ان فاس مردوں کو کیا ہی زندہ ایک جھوٹا ادھر لے باد صبا اور سی

بڑے میں نہ لاکچھ۔ تو نہ توڑا اس مڈل ایک در دولت ساقی یہ صدا اور سی

تم تو حالی ہی طرز اپنی بنا ہے جاؤ

طرزِ شعر فصحا و بلغا اور سی

نہ عیش کیخسروی رہے گا نہ صولتِ بہمنی رہے گی

رہے گی اے منعمو۔ تو باقی دیے کی کچھ روشنی رہیگی

رہے گی گردش دکھا کے نیچا جو ہو گے تارے تم آسمان کے

کسی کی آگے بنی رہی ہے۔ نہ اب تمہاری بنی رہیگی

گرایا تو راینوں کو تو نے۔ پچھاڑا مازند رانیوں کو

کہاں تلک لے شراب غفلت یہ تیری مروغنی رہیگی

رہے گی کس طرح راہِ امین کہ رہنما بن گئے ہیں بہرِ ن
 خدا نگہاں ہے قافلوں کا اگر یہی رہزنی رہے گی
 صفائیاں ہو رہی ہیں صحنی دل اتنے ہی ہو رہے ہیں میلے
 اندھیرا بھا جائے گا جہانیں اگر یہی روشنی رہے گی
 کریم کی کچھ عقل رہنمائی نہ علم سے ہوگی کچھ صفائی
 گناہ کی گندگی میں دینا یونہیں ہمیشہ سنی رہے گی
 بگاڑ نہ ہو جائے جو ہیں ڈالے نہیں وہ تاحشر ٹٹنے والے
 یہ جنگ وہ جو صلح میں بھی یہ نہیں ٹٹنی کی ٹٹنی ہے گی
 قبولیت کی کرو نہ پروا جو چاہو مقبول عام ہونا
 رہو گے اگر حسنِ ظن کے طالب تم سے یہاں بطنی رہیگی
 جو چھوڑے میراث کچھ نہ حالی تو اس سے دل تنگ ہو نہ وارث
 رہیں گے ہر حال میں غنی وہ جو نیت ان کی غنی رہے گی
 کہنے کی بات ہو تو اسے کہہ مٹائیے
 دینا کی ہو ہوس تو دل دین گنوائیے
 یہ کیا کہ دل ہو دیریں اور کعبہ میں مقام؟
 اگر جان کا ضرر ہے محبت میں ناصحو
 اور اعتبار کھوئے ہو اپنا رہا سہا
 بھر پائے بس زمانہ سے جو مانگتے تھے حق،
 مشکل ہے پاک ہونا اگر دل نہیں ہو پاک
 پھر تا ہو جو کہ کو دتا غیر وکی آگ میں،
 جو دل پر بن رہی ہو وہ کیونکر دکھائیے؟
 یاں کوئیے بہت سادہ تو کچھ جا کے پائیے
 ہو رہے بس ہیں جہاں دل لگائیے
 ہم جان ہی سے بیٹھے ہیں بیزار جائیے
 بس آگیا یقین ہمیں قسمیں نہ کھائیے
 فارغ خطی ہم اپنی ابھی لکھ دیں لائیے
 زمرم میں غسل کیجے کہ گنگا نہائیے
 خیر اس اجل گرفتہ کی کب تک منائیے

ہوتی ہجوم غم میں ہے کیوں زہر کی تلاش
حالی بتائیں آپ کو۔ گر کچھ کھلائیے

وصفِ چمنِ نفس میں سُوئے عذیب سے
تالوں سے ایک دم نہیں مسکین کو قرار
لاگ اور لگاؤ ساتھ گئے سب شباب کے
”اب دل سے دور رکھو خیالِ نشاطِ عمر“
شادی ہر ایک کی ہے۔ جو دوسرے کا غم
دولِ طبرِ مہر نہ درِ دول کو مروں میں رہا چلا
کہتا ہوں۔ دیکھتا ہوں جسے خوار و بے وقار
طالب میں صدق ہے نہ عقیدتِ فرید میں
پڑے وہ خطبہ ہیں کہ صدیق و صفا نہ ہو
فاتے میں تلو دیکھ کے جاتی ہو جھوک بھاگ
اب جبکہ جی میں آئے بھرے شاعری کا دم

پوچھو وطن کی قدر مٹا فر غریب سے
کیا کہہ گئی چمن میں صبا عذیب سے
نفرتِ رقیب کو نہ اب الفتِ صیب سے
آواز دے رہا یہ کہ کوئی قریب سے
دینا کے بھی ہیں شادی غم کچھ عجبیب سے
پانچ سو ست لوں صلاح۔ نہ پوچھو طیب سے
”ہر کوئی خاندانِ شریف و عیب سے“
ہیں آج کل کے پیر بھی کچھ بد نصیب سے
کہہ دینا جا کے پیرِ مہرِ خطیب سے
پھینچا ہوا نسخہ آپ کو یہ کس طیب سے؟
میدانِ آج کل ہے یہ خالی نصیب سے

نغم البدل ہے داغ کا حالی کلام داغ

ذکرِ حبیب کم نہیں وصلِ حبیب سے

تیر پیہم لگائے جاتا ہے
دیکھئے اور کیا دکھائے فلک،
دوستوں کو رُلا چکا۔ لیکن،
ہو چکی قومِ مردہ۔ پر جلا د
گو کہ حالی میں دم نہیں باقی
گو نہیں اس خیر کی لیکن

نظروں نظر نہیں کھائے جاتا ہے
ابھی آنکھیں دکھائے جاتا ہے
دشمنوں کو ہٹائے جاتا ہے
ابھی دُور سے لگائے جاتا ہے
دور اپنی ہلاکے جاتا ہے
خیر سب کی منائے جاتا ہے

اب صُنے اس میں کوئی یاء نہ صُنے
 دُہی راگ اپنا لگائے جاتا ہے

حصہ دوم تمام شد

حصہ سوم

رباعیات

وہ رباعیات جو مولانا نے دیوان مرتب کرتے وقت اس میں درج کی تھیں
نسل کے قریب ہیں یہ رباعیاں دیوان سے علیحدہ بھی ”رباعیات حالی“ کے
نام سے کتابی شکل میں مختلف مطابع سے متعدد بار چھپ کر شائع ہو چکی ہیں اور
ملک میں ان کی کافی شہرت ہو چکی ہے۔

دیوان حالی کے شائع ہونے کے بعد بھی (جو کہ پہلی مرتبہ ۱۸۹۳ء
میں چھپا تھا) مولانا نے بہت سی رباعیاں کہی تھیں جو مختلف اخبارات و رسائل
میں شائع ہوتی رہتی تھیں۔ ان سب کو میں نے تلاش کر کے ”جواہراتِ حالی“
میں درج کر دیا تھا جو مولانا کی غیر مطبوعہ اور پراگندہ نظموں کا مجموعہ ہے اور
گزشتہ سال چھپ کر شائع ہو چکا ہے۔

اب یہاں نئی و پرانی۔ جدید و قدیم۔ مطبوعہ و غیر مطبوعہ غرض تمام
رباعیات جو مل سکیں درج کی جاتی ہیں۔ وہ بھی تمام رباعیات اس میں ہیں
جو دیوانِ حالی میں تھیں اور وہ بھی جن کو میں نے جواہراتِ حالی
میں جمع کیا تھا۔ تیز کے لئے جواہراتِ حالی والی رباعیوں کو میں نے آخر
میں درج کیا ہے اور ہر ایک رباعی پر لکھ دیا ہے کہ وہ کہاں سے حاصل
کی گئی ہے۔

اسماعیل

توحید

کائنات ہے ہر اک جگہ میں انکا تیرا حلقہ ہے ہر اک گوش میں لگا تیرا
مانا نہیں جس نے تجھ کو جانا ہے ضرور بھٹکے ہوئے دل میں بھی ہے کھٹکا تیرا

ایضاً

مہر و نئے صنم میں جلوہ پایا تیرا آتش پہ نغماں نے راگ گایا تیرا
دہری نے کیا دہر سے تعمیر تجھے، انکار کسی سے بن نہ آیا تیرا

ایضاً

طوفان میں جب جہاز چکر کھاتا، جب قافلہ وادی میں ہے سر ٹکراتا
اسباب کا آسرا ہے جب اٹھ جاتا واں تیرے سوا کوئی نہیں یاد آتا

ایضاً

جب لیتے ہیں گہیر تیری قدرت کے غور منکر بھی پکار اٹھتے ہیں تجھ کو مجبور
حقاش کو ظلمت کی نہ سوجھی کوئی راہ خورشید کا شمش جہت میں پہنچا جب نور

ایضاً

جب مایوسی دلوں پہ پھا جاتی ہے دشمن سے بھی نام تیرا چھواتی ہے
ممکن ہے کہ سکھ میں بھول جائیں اطفال لیکن انھیں دکھ میں ماں ہی یاد آتی ہے

ایضاً

مٹی سے ہوا سے آتش و آب سے یاں کیا کیا نہ ہوئے بشر پہ اسرار عیاں
پڑے تیرے خزانے میں ازل سے اب تک گنجینہ غیب میں اُسی طرح ہماں

۱۵ یعنی جو کچھ اب تک ظاہر ہوا ہے وہ بمقابلہ اس کے جو خزانہ غیب میں خفی ہے، کان لم یکن

توحید

ہستی سے ہوتیری رنگ بوسب کے لئے طاعت میں ہے تیری۔ آبرو سب کے لئے
ہیں تیرے سوا سارے سہائے مکرور سب اپنے لئے ہیں اور توبسب کے لئے

ایضاً

کیا ہوگی دلیل تجہ اور اس سے زیادہ دنیا میں نہیں ہے ایک دل جو کہ ہوشاد
پر۔ جو کہ میں تجھ سے کو لکائے بیٹیم رہتے ہیں ہر ایک رنج و غم سے آزاد

نعت

وہاد کو تو نے محو تجہ کیا، عشاق کو مست لذت دید کیا
طاعت میں ہا نہ حق کی ماحی کوئی توحید کو تو نے آکے توحید کیا

ایضاً

بطحائے عرب کو محترم تو نے کیا اور امیوں کو خیر ارم تو نے کیا
اسلام نے ایک کر دیا روم و تار بچھے مجھے گنہ کو بہم تو نے کیا

ایضاً

بطحا کو ہوا تیری لاوت سو شرف شرب کو ملا تیری اقامت سو شرف
اولاد ہی کو خضر نہیں کچھ تجھ پر آبا کو بھی ہوتیری ابوت سو شرف

صلح کل

ہندو سے لڑیں نہ گبر سے بیہ کریں شر سے بچیں اور شر کے عوض خیر کریں
جو کہتے ہیں یہ کہ ”ہے جہنم دنیا“ وہ آئیں اور اس بہشت کی سیر کریں

ترک شعر عاشقانہ

بُلبُل کی چمن میں ہنر بانی چھوڑی ، ہنرمند شہر میں شعر خوانی چھوڑی
جب سے دل زندہ تو نے ہم کو چھوڑا ، ہم نے بھی تری رام کہانی چھوڑی

پیران زندہ دل

غوش ہتے ہیں دکھ میں کامرانوں کی طرح ہیں ضعف سے لڑتے پہلو انوں کی طرح
دل اُنکے میں ظرف اُنکے جو کرتے ہیں تیر ہنس بول کے پیری کو جوانوں کی طرح
نیکی اور بدی پاس پاس ہیں

جو لوگ ہیں نیکیوں میں مشہور بہت ہوں نیکیوں پر اپنی نہ مغرور بہت
نیکی ہی خود اک بدی ہے گر ہونہ خلوص نیکی سے بدی نہیں ہے کچھ دُور بہت

امتحان کا وقت

زاہد کہتا تھا جان ہو دین پرستیاں پر آج امتحان کی زد پر ایمان
کی عرض کسی نے کہنے اب کیا ہے صلاح؟ فرمایا کہ "بھائی جان جی ہے تو جان"

عشق

ہے عشق طبیب دل کے بیماریاں کا یا گھر ہے وہ خود ہزار آزاروں کا
ہم کچھ نہیں جانتے۔ پہ اتنی ہے خبر اک مشغلہ دلچسپ ہے بیکاراں کا

نیکیوں کی جانچ

نیکیوں کو نہ ٹھہرایو بد اسے فرزند اگر آدمہ ادا ان کی اگر ہونہ پسند
کچھ نقص انار کی لطافت میں نہیں ہوں اُس میں اگر گلے سڑے دالے چند

دوستوں سے بیجا توقع

تا زلیست وہ محو نفیس موہوم رہے جو طاب دوستانِ معصوم رہے
اصحاب سے بات بات پر جو بگڑے صحبت کی وہ برکتوں سے محروم رہے

شراب اور جوانی

ہو بادہ کشتی پر نہ جوان فوسفتون گردن پہ نہ لو عقل خدا داد کا خون
خود عمد شباب اک جنوں بے اہم کرتے ہو فزون جنوں پہ اک اور جنون
عز و ر سب عیبوں سے بدتر ہے

ملک نہیں یہ کہ ہو بشر عیب سے دور پر عیب سے بچے تا بمقدور ضرور
عیب اپنے گھٹاؤ پر خبردار ہو گھٹنے سے کہیں اُن کے نہ بڑھ جائے غور
گفتار و کردار میں اختلاف

جو کرتے ہیں کچھ نہ باں سے کہتے ہیں وہ کم ہوتے نہیں ساتھ حج دم اور دم
بڑھتا گیا جس قدر کہ حسن گفتار بس اُتے ہی گھٹتے گئے کردار میں ہم

شرط قبول

ملک ہے کہ جو ہر کی نہ ہوتی در کہیں پر قدر کہیں لظیفہ جو ہر کے نہیں
غیر کو نہ لیں مفت یہ امکان ہے مگر غنہ کی جگہ نہ لگا کوئی سرسبز گنیں
طالب کو سوچ سمجھ کر پیر بنانا چاہیے

ہوں یا ہوں پیر اہل عرفان یقین پر ڈر ہے کہ طالب نہ ہوں نادان کہیں
اکھا ہک کو ہے احتیاج چار آنکھوں کی اور ایک کی بھی نیچے واسے کو نہیں
عالم و جاہل میں کیا فرق ہے

ہیں جاہل میں سب عالم و جاہل تہسہ آتا نہیں فرق اس کے سوا اُن میں نظر
عالم کو ہے علم اپنی نادانی کا، جاہل کو نہیں جاہل کی کچھ اپنے خبر

موجودہ ترقی کا انجام

پوچھا جو کل انجام ترقی بشر یاروں سے کہاں پیر مغاں نے ہنسر

۱۔ دم دعویٰ اور قدم عمل ۱۲۔ (حالی) ۱۳۔ سرگین کے معنی گوبر کے ہیں ۱۴۔ اسماعیل

باقی نہ رہے گا کوئی انسان میں عیب ہو جائیں گے چل چلا کے سب عیب ہر

مُسرف کو کیونکر فراغت حاصل ہو سکتی ہے
اک منعم مُسرف نے یہ عابد سے کہا
عابد نے کہا یہ ہاتھ اٹھا کر سوئے چرخ
”کریمرے لئے حق سے فراغت کی دُعا“
”محتاج کر۔ اس کو جلد اسے بار خدا“

کام کی جلدی
یاں رہنے کی ہمت کوئی کب پاتا ہے
آتا ہے اگر آج۔ توکل جاتا ہے
جو کرنے ہیں کام اُن کو جلد ہی بھگتاؤ
طلبی کا پیام وہ چلا آتا ہے

غرض
ہے نفس میں انسان کے جبلی یہ مرض
ہر سچی پہ ہوتا ہے طلبگارِ عوَض،
جو خاص عدا کے لئے تھے کام کئے
دیکھا تو نہاں انہیں بھی تھی کوئی غرض

الغلاب روزگار
بسن بس کے ہزاروں گہرا جڑ جاتے ہیں
گڑ گڑ کے غم لاکھوں اکڑ جاتے ہیں
آج اس کی ہر نوبت توکل اُسکی باری
بن بن کے یونہیں کیل بگر جاتے ہیں

تقاضائے بس
حالی کو جو کل فرودہ خاطر دیکھا
پوچھا باعث تو ہنس کے فرمایا
دور کھو نہ اب اگلی صحتوں کی امید
وہ وقت گئے اب اور موسم آیا

جس کو زندگی کا بھروسہ نہیں وہ کوئی بڑا کام نہیں کر سکتا
دُنیا سے دنی کو نقشِ فنا ہی سمجھو،
رودادِ جہاں کو اک کہانی سمجھو،
ہر سانس کو عسیر جاودانی سمجھو،
پر جب کرو آغاز کوئی کام بڑا،

آثارِ زوال
آبار کو زمین و ملک پر اطمینان
اولاد کو سستی پہ قناعت کا گمان

بچے آوارہ اور بے کار جوان ہیں ایسے گھرانے کوئی دکن مہمان،
شانِ ادبار

صحرا میں جو پایا ایک چٹیل میدان برسات میں سبزہ کا نہ تھا چپ نشان
یاوس تھے جس کے جوتنے سے دھقان یاد آئی ہیں قوم کے ادبار کی شان

نفاق کی علامت

ہرزیم میں آفرس کے لایق ہونا، شیریں سخن سے شہیدِ فایق ہونا
مکن نہیں جب تک کہ نہ وہ دلیں نفاق آسان نہیں مستبدِ خلایق ہونا

مسلمانوں کی بے مہری

جب تک کہ نہ ہو دشمنِ اخواں پکا ہوتا نہیں مومن کا اب ایماں پکا
ہم قوم کی خیر مانگتے ہیں حق سے سنتے ہیں کسی کو جب مسلمان پکا

مکر و ریا

حالی رہ راست جو کہ چلتے ہیں سدا خطرہ انھیں گرگ کا نہ ڈر شیروں کا
لیکن اُن بھٹیروں سے واجبِ ہر خد بھٹیروں کے لباس میں ہیں جو جلوہ نما

جوہرِ قابلیت

ہیں بے ہنروں میں قابلیت کے نشان پوشیدہ ہیں وحشیوں میں اکثر انسان
عاری ہیں لباسِ تربیت سے ورنہ ہیں طوسی و رازی انھیں شکو نہیں ناں

علم

اے علم کیا ہے تو نے ملکوں کو نہال غائب ہوا تو جہاں سے وہاں آیا زوال
اُن پر ہوئے غیب کے خزانے مفتوح جن قوموں نے ٹھہرایا تجھے راس المال

ایضاً

اے علم کلیدِ گنجِ شادی تو ہے سرچشمہ نفاذِ آیادی تو ہے

آسائش دو جہاں ہے سایہ میں ترے دُنیا کا وسیلہ دین کا ہادی تو ہے

ہے تجھ سے ہنال جیسی مغرب کی زمین علم
شاید اے علم ماہِ نخب کی طرح مشرق کو وہ فیضِ تجھ سے اے علم نہیں
رہتی ہیں شعاعیں تری محدود وہیں

خاندانی عزت

بیٹا نکلے نہ جب تلک ذلت سے عزت نہیں اس کو باپ کی عزت سے
سوچو تو ہے کھات کا نسب بھی عالی پر اس کو شرف نہیں کچھ اس نسبت سے

عزت کس چیز میں ہے

دولت نے کہا ”مجھے ہو۔ عزت ہو جہاں“ فرمایا ہمنے ”میں ہوں عزت کا نشان“
عزت بولی ”غلط ہے دونوں کا بیان میں بھید ہوں حق کا جو ہے نیکی میں نہاں“

توقع بیجا

ہیں یا رفیق۔ پر مصیبت میں نہیں ساستی میں عزیز۔ لیک ذلت میں نہیں
اُس بات کی انسان سو توقع ہے عبث جو نوعِ بشر کی خود جبلت میں نہیں

عقل اور دوستی متضاد ہیں

ہے عقل میں جقدر کئی اور بیشی، اتنی ہی منارت ہے یہاں اور خوشی
وہ دوست نہیں جس نے کیا فکر مال ضدین ہیں دوستی و دور اندیشی

عیش و عشرت

عشرت کا شمر تلخ سدا ہوتا ہے ہر قیمت پر پیام بکا ہوتا ہے
جس قوم کو عیش دوست پاتا ہو نہیں کہتا ہوں کہ ”اب دیکھئے کیا ہوتا ہے“

ایضاً

اے عیش و طرب تو نے جہاں راج کیا سلطان کو گدا غنی کو محتاج کیا

دیران کیا تو نے نینوا اور بابل بغداد کو قرطبہ کو تاراج کیا

غیبت

رونق ہے ہر اک بزم کی اب غیبت میں بدگوئی خلق ہے ہر اک صحبت میں
آوروں کی بُرائی یہی پہ ہے فخر وہاں خوبی کوئی باقی نہیں جس امت میں

عشق

اے عشق کیا تو نے گھرانوں کو تباہ پیروں کو خوف اور جوانوں کو تباہ
دیکھا اسلام امتی میں تیسری قوموں کو ذلیل - خاندانوں کو تباہ

سبب زوالِ سلطنت

دیکھو جس سلطنت کی جالت درہم سمجھو کہ وہاں ہر کوئی "برکت کا قدم"
یا تو کوئی بیگم ہے شیر دولت - یا ہے کوئی مولوی وزیرِ اعظم

دین و دنیا کا رشتہ

دُنیا کو دیے دین نے اسرار و حکم دُنیا نے کر دین کی تھامی جِدم
گردین کی مومن بہت ہے دُنیا دُنیا کے بھی احسان نہیں دین پہ کم

آزادگانِ راست باز کی تکفیر

یاروں میں نہ پایا جب کوئی عیب و گناہ کافر کہا د اعظمت انہیں اور گمراہ
بھولے کو نہیں ملتی شہادت جس وقت لاتا ہے خدا کو اپنے دعویٰ پہ گواہ

۱۵ یعنی کفر و ضلالت ایسی چیزیں ہیں جن کا علم خدا کے سوا اور کسی کو نہیں ہو سکتا مثلاً شیخ اکبر کو بعضوں نے
صدیق کہا ہے اور بعضوں نے زندیق اور یہ بات کہ وہ فی الواقع صدیق تھے یا زندیق خدا کے سوا اور
کوئی نہیں جانتا پس جس شخص میں کوئی صریح اخلاقی بُرائی یا عیب موجود نہ ہو اسکی تکفیر یا تضلیل کرنی ایسی
بات ہے جیسے کسی جھوٹے مدعی کو شہادت نہ ملے اور وہ اپنے دعویٰ پر خدا کو گواہ قرار دے ۱۲۰ حالی

بے پروائی و بے غیبتی
 اسباب پر گر نظم جہاں کا ہے مدار
 عزت کی نہیں ہے جس کو ہرگز پروا
 اتر قوم کا چیتا ہے حالی دشوار
 ذلت سے نہیں ہے جس کو ہرگز کچھ عار
 عفو باوجود درت انتقام

موتیٰ نے یہ کی عرض کہ "اے بار خدا
 ارشاد ہوا "بندہ ہمارا وہ ہے
 مقبول تر اکون ہے بندوں میں سوا؟
 جو لے سکے اور نہ لے بدی کا بدلا،
 سختی کا جواب نرمی سے

فتنہ کو جہاں تلک ہو دیجے نکلیں،
 غصہ غصے کو اور بھڑکا تا ہے
 زہر اگلے کوئی تو کیجے باتیں شیریں
 اس عارضہ کا علاج بالمثل نہیں

ہمت

تیمور نے اک مورچہ زیرِ پروا
 آخر سہرا بام لے کے پوچھا تو کہا
 دیکھا کہ چڑھا دانہ کو لے کر سنبھار
 "مشکل نہیں کوئی پیشِ ہمت دشوار"

کم ہمتی

جبیریہ و قدریریہ کی بحث و تکرار
 جو کم ہمت تھے ہو گئے وہ مجبور
 دیکھا تو نہ تھا کچھ اس کا مذہب پر مدار
 جو باہمت تھے بن گئے وہ محنتار

پشیمانی

انجام ہے جو فخر کی طغیانی کا
 لذت سے مذا متوں کی جانا ہم نے
 نمرہ ہے وہی غفلت و نادانی کا،
 دوزخ بھی ہے اک نامِ پشیمانی کا،

تاسف بردفات نواب ضیاء الدین احمد خاں مرحوم نیر تخلص دہلوی
 قمری ہے نہ طاؤس نہ کبک طنائز
 آتے ہی خزاں کے کر گئے سب پرواز

تھی باغ کی یادگار اک لبس زار سواُس کی بھی گل سے نہیں آتی آواز

ایضاً

غائب ہونے شیفۃ، نہ نیر باقی وحشت ہونے سالک ہونے انور باقی
حالی اب اسی کو بزم یاراں سمجھو یاروں کے جو کچھ داغ ہیں دل پر باقی

محنت

محنت ہی کے پھل ہیں ہر اک امن میں محنت ہی کی برکتیں ہیں ہر خرمن میں
موتی کو ملی نہ قوم کی چو پانی، جب تک نہ چرائیں بکریاں ندین میں

گدائی کی ترغیب

اک مرد تو انا کو جو سائل پایا کی میں نے ملامت اور بہت شرمایا
بولاکہ ہے اس کا انکی گردن پہ وہ بال دے دیکے جنہوں نے مانگنا سکھلایا

تکفیر اہل اسلام

کہنا فقہا کا مومنوں کو بے دین، سنتے سنتے یہ ہو گیا ہم کو یقین
مومن سے ضرور ہو گا مرتدیں ال "تکفیر بھی کی تھی فقہانے کہ نہیں؟"

ترک عاشقانہ گوئی

کچھ قوم کی ہے سو گوار ہی سن لو، کچھ چشم جہاں میں اپنی خواری سن لو،
افسانہ قیس کو بہن یا نہیں، چاہو تو کتنا ہم سے ہماری سن لو،

تنزل اہل اسلام

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے اسلام کا گر کر نہ ابھرنا دیکھے،
مانے نہ کہی کہ مذہب ہر جزیر کے بعد دریا کا ہمارے جو اترنا دیکھے،

۱۵ یہ ان شعرائے دہلی کے نام ہیں جن کے ساتھ راقم کو ربط و اختصا ص رہا ہے عالم اس سے کہ وہ مشہور ہوں ہوں یا نہوں ۱۲ (حالی)

اَوَّل کوشش اور بعد دُعا

کوشش میں ہر شرط ابتدا انسان سے پھر چاہئے مانگنی مدد ویزدان سے
جب تک کہ نہ کام دست بازو سے لیا پائی نہ نجات نوح نے طوفان سے

کام کرنا جان کے ساتھ ہے

ہے جان کیساتھ کام انسان کے لئے بنتی نہیں زندگی میں بے کام کئے
بیعتے ہو تو کچھ کیجئے زندوں کی طرح مردوں کی طرح جسے تو کیا خاک جسے

جھوٹی نمایش

میں جھوٹ کے بیج میں سب سمونے والے بننے والوں سے کم ہیں ہونے والے
گھڑیاں رہتی ہیں جن کی جیبوں میں دُعا اکثر ہیں وہی وقت کے کھوئیو اسے

چند عیب بہت سی خوبیوں کو نہیں مٹا سکتے

موجود ہنر ہوں ذات میں جس کی ہزار بدظن ہو۔ عیب اسمیں اگر ہوں دوچار
طاؤس کے پائے زشت پر کر کے افسر کر حسن و جمال کا نہ اس کے انکار

سکوت درویش جاہل

مصرف جویوں وظیفہ خوانی میں ہیں آپ خیر اپنی سمجھتے بے زبانی میں ہیں آپ
بولیں کچھ منہ سے یا نہ بولیں حضرت معلوم ہے ہم کو جتنے پانی میں ہیں آپ

محدود کا طعن مسلمانوں پر

کہتا تھا کل اک منکر و قرآن و خبر کیا لیں گے یہ اہل قبلہ باہم لڑ کر
کچھ دم ہے تو میدان میں آئیں ورنہ کتابھی ہے شیر اپنی گلی کے اندر

۱۲۔ یعنی جیب تک کہ گشتی نہ بنائی۔ (حالی)

دہری کا الزام گور پرست پر

اک گور پرست نے یہ دہری سے کہا ”ہو گا نہ شفی کوئی جہاں میں تجہ سرا“
دہری نے کہا کہ ”کیا خدا کا منکر! اُس سے بھی گیا کہ جس کے لاکھوں ہوں خدا“

دانا کا حال نادانوں میں

کیا فرق؟ سماعت نہ وجب کانوں میں دانی کی باتوں میں اور افسانوں میں
غربت میں ہوا اجنبی مسافر جس طرح دانا کا یہی حال ہے نادانوں میں

رفارم کی حد

دُہونے کی ہے لے رفارم جا باقی کپڑے پہ ہے جیب تک کہ دھبہ باقی
دُھو شوق سے دھتے کو پہ اتنا نہ رگڑ دھبہ رہے کپڑے پہ نہ کپڑا باقی

اپنی تعریف منکر ناک چڑھانا

تعریف سے کھل جاتے ہیں نادان فی الفور داناؤں کے لیکن نہیں ہرگز یہ طور
ہتے ہیں بہت نہ مدح سن کر ناخوش مقصود یہ ہے کہ ہوتا شیش کچھ اور

حسَن ظن اصل حال نہیں کھلنے دیتا

صوفی کو کسی نے آزمایا ہی نہیں، نیکی میں شک اسکی کوئی لایا ہی نہیں
ہو سکے راج میں بھی شاید کچھ کھوٹ پراس کو کسی نے یاں بتایا ہی نہیں

دینداروں کی بُرائیاں دین کو عیب لگاتی ہیں

پاتے ہیں زبوں جو حال اہل اسلام
اسلام پہ طعنہ زن ہیں اقوام تمام
بد پرہیزی سے بگڑے اپنے ہمیار
اور مفت میں ہو گیا مسیحا بدنام

فکرِ عقیلی

منزل ہے بعید۔ باز مدھ لوزاد سفر
موانج ہے بحر۔ رکھو کشتی کی خبر
گاہک چوکس ہے۔ لے چلو مال کھرا
ہلکا کر دو بوجھ۔ ہے کھن راہ گزر

انسان کی حقیقت

ممکن ہے کہ ہو جائے فرشتہ انسان
ممکن ہے۔ بدی کا نہ ہے اس میں نشان
ممکن تو ہے سب کچھ یہ حقیقت یہ ہے
انسان جو اب تک یہی قرنِ الشیطان

سلاطین کا عشق

ہر چیز بُرا ہے عشق کا سب کے آل
پر حق میں ہے شاہوں کے خصوصاً بد فال
سلطان ہے اگر ظلِ الہی۔ تو عشق
ہے ظلِ الہی کے لئے وقتِ زوال
وقت کی مساعت

اے وقت بگاڑ کا ہے سب کے چارہ
پر تجھ سے بگڑنے کا نہیں ہے یارا
جو بجائے گر ایک تو ہمارا سا بھتی
پھر غم نہیں پھر جائے زمانہ سارا

بڑھاپے میں موت کے لئے تیار رہنا چاہئے

کی طاعتِ نفس میں بہت عمر بسر
انجام کی رکھی نہ جوانی میں خبر
کیفیتِ شب اٹھا چکے اب حالی
مجلسِ کروہرِ خاست۔ ہوا وقتِ سحر

دولت میں ثابِت قدم رہنا بہت مشکل ہے

اُس ہے کہ پڑے نہ ہاتھ دل سے دھونا زرد اور ذرا سوچ سمجھ کر ہونا
جس طرح کہ سونے کی کوئی ہے محاک ہے جو ہر لاش کی کوئی سونا

حد سے زیادہ غصّہ قابلِ عفو ہے

غصّہ پہ کسی کے غصّہ آتا ہے وہیں جتنا کہ رہو وہ عقل و دانش کے فریں
آپ سے جب اپنے ہو گیا تو بارہر پہر کس سے ہوں آرزو کہ تو تو ہی نہیں

سُفہا کی مدح و ذم

کرتے ہیں سفیہ اگر ذمت تیری کر شکرت ثابت ہوئی عصمت تیری
پر۔ مدح کریں وہ اگر نصیب اعدا رکھ یاد کہ اچھی نہیں حالت تیری

مرضِ پیری لا علاج ہے

اب ضعف کے بچے سے نکلتا معلوم پیری کا جوانی سے بدلنا معلوم
کھوئی ہے وہ چمپنر جکا پانا محال آتا ہے وہ وقت جس کا ملنا معلوم

اسراف

مُسّر نہ بس اپنے حق میں کائے بویں، نعمتِ خدا کی رائیگاں یوں کھوئیں
گو بخل پہ لوگ اُنکے مہنیں۔ بہتر ہے اس سے کہ فضولیوں پہ اُنکی رویں

ردِ سوال

یہ سچ ہے کہ مانگنا خطا ہے۔ نہ صواب زیبا نہیں سائل پہ مگر متِ عتاب
بدتر ہے ہزار بار اے دُونِ ہمت سائل کے سوال سے تراخِ جواب

کھانا بغیر بھوک کے فرائض دیتا

کھانے تو بہت میسر آئے ہیں ہمیں، جو دیکھ کے چکھ کے دل سے بھائے ہیں ہمیں
پرست لذت تھے وہ کھانے لے بھوک جو تو نے کبھی کبھائے ہیں ہمیں

علم و عمل کا سرمایہ مال و دولت سے بہتر ہے

چھوڑو کہیں جلد مال و دولت کا خیال نہان کوئی دن کے ہیں دولت ہو کہ مال
سرایہ کرو وہ جمع جس کو نہ کبھی اندیشہ فوت ہو نہ ہو خوف زوال

اچھوں کو برا سننے میں بھی مزا آتا ہے

رہتے نہیں وہ مدح و ثنا کی پردا جو کر کے بھلا خلق سے منستے ہیں بُرا
ان بھالیوں کا ہے جن کو چسکا حالی، آتا نہیں اُن کو کچھ دُعاؤں میں مزا

شکر یہ مدح کلامِ راسم

چشمِ خرم بادہ جامِ خالی میں ہوا پیر و لولہ سپدا دلِ خالی میں ہوا
تسلیم نے دی کچھ اس طرح دادِ سخن تجھ کو بھی شک اپنی بے کمالی میں ہوا
احسان بے منت

احسان کے ہر گرصلہ کی خواہش تم کو تو اس سے یہ بہتر ہے کہ احسان نہ کرو

۱۱ مولوی سلیم الدین مرحوم تاروفی معتمد پور متخلص بہ تسلیم نے چند قطعے اردو فارسی کے راقم
کے کلام کی ستائش میں اُس وقت بھیجے تھے جبکہ مدت سے فکرِ شعر کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔

(حالی)

ان قطعوں کے جواب میں یہ رباعی لکھی گئی تھی۔ ۱۲

کرتے ہو اگر احساں تو کر دو اُسے عام اتنا کہ جہاں میں کوئی ممنون نہ ہو

قانون بد اخلاقی سے مانع نہیں ہوتے

قانون ہیں بیشتر یقیناً بے کار حاشا کہ ہو اُن پہ نظم عالم کا مدار
جو نیک ہیں اُن کو نہیں حاجت انکی اور بد نہیں بنتے نیک اُن سے زہنار

مخالفت کا جواب خاموشی سے بہتر نہیں

حق بول کے اہل شر سے اڑنا نہ کہیں بھڑکے گی مدافعت سے اور آتش کیں
گر چاہتے ہو کہ چپ رہیں اہل خلاف چپ جز ترک خلاف کوئی تدبیر نہیں

سیریس

واعظ نے کہا کہ وقت سب جلتے ہیں ٹل

اک وقت سے اپنے نہیں ملتی تو اجل

کی عرض یہ اک سیمٹھ نے اٹھ کر حضور
ہے ٹیکس کا وقت بھی اسی طرح اٹل

انسان اپنے عیب اپنے سے بھی چھپاتا ہے

جیسا نظر آتا ہوں نہ ایسا ہوں میں اور جیسا سمجھتا ہوں نہ ویسا ہوں میں
اپنے سے بھی عیب ہوں چھپاتا اپنے بس مجھ کو ہی معلوم ہے جیسا ہوں میں

بڑھاپے میں عاشقی کا دم بڑھنا

آہیں پری میں شیخ ابھرتے نہیں پل دل دیتے ہیں پرچی سے گزرتے نہیں پل

تھے تم تو ہر اک میت سے آزاد سدا جو جیتے ہیں اس طرح وہ مرتے نہیں یوں

واعظوں کی سخت کلامی

اک گبر نے پوچھے جو اصول اسلام واعظ نے درشتی سے کیا اُس سو کلام بولا کہ ”حصوہ مقتراہوں جس کے ایسی ملت اور ایسے مذہب کو سلام“

نواب وقار الامرا اقبال الدولہ بہادر کی شان میں

تو نصرت نے اُس کی چھوڑ دی ہمزہ ہی اقبال پر جس نے فقیہانی پانی

حالی لے جائے کون بازی اُن سے ہو جنکی رگوں میں خون آصف جاہی

عادت پڑی ہوئی مشکل سے جاتی ہے

ہو عیب کی نحو یا کہ ہنس کی عادت مشکل سے بدلتی ہے بشر کی عادت پھٹتے ہی پھٹے گا اُس گلی میں جانا عادت اور وہ بھی عمر بھر کی عادت

۱۵ یہ رباعی ۱۳۹۹ء میں جبکہ راقم حیدر آباد میں مقیم تھا اور نواب وقار الامرا عجبی سے پولیس بازی جیت کر آئے تھے۔ کبھی تھی گران کی خدمت میں بھیجی نہیں گئی۔ خون آصف جاہی میں اس بات کا اشارہ ہے کہ حضور سے قرابتِ قریبہ رکھتے ہیں اور اقبال کے لفظ میں اُن کے خطاب کی طرف اشارہ ہے۔ ۱۲۔ (حالی)

عاشق کا نوحہ

مُنے پہ مرے وہ روزِ دُشِبُ دیں گے جب یاد کریں گے مجھے تب روئیں گے
اُلفت پہ - وفا پہ - جاں نثاری پہ مری آگے نہیں دئے تھے تو اب روئیں گے

فرقت کی رات

فرقت میں بشر کی رات کیونکر گزرے اک خستہ جگر کی رات کیونکر گزرے
گدڑی نہو جس بغیر یاں ایک گھڑی یہ چار پہر کی رات کیوں کر گزرے؟

معشوق کی یاد

یاد اس کی میاں وِز وِز دُام اپنا ہے خالی نہ ہو کبھی وہ حِسام اپنا ہے
کس طرح نہ لیجئے کہ ہے نام اس کا کس طرح نہ کیجئے کہ کام اپنا ہے

قولِ حق کا پاس

کیا پاس تھا قولِ حق کا اَللّٰہ اَللّٰہ تنہا تھے یہ اعدائے یہ فرماتے تھے شاہ
”میں اور اطاعتِ یزیدِ گمراہ !!!“ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰہ

حر کی آرزو

حر کہتا تھا اے دل شہِ زیجاہ سے مل گمراہ نہ ہو رہبرِ حق آگاہ سے مل
سرسشتگی کوئے ضلالت کب تک؟ اللہ سے ملنا ہے تو چل شاہِ سحرِ مل

یزید

گر کفر میں فرعون کا ثانی نکلا اک شام میں بیدار کا بانی نکلا
سمجھا تھا نہ تھا ہجر غفلت کی یزید واں نیل سے بھی زیادہ پانی نکلا

توحید

ہستی تری گو نہیں ہے محتاج دلیل صبر دل مضطر کی مگر کیا ہے سبیل؟
یہ طبع خیس مطین ہو کیوں کر، بے دیکھے ہوا نہ مطین جبکہ خلیلؑ

ایضاً

اے عقل کی - فہم کی رسائی سے دور ادراک سے اوجھل - تو نظر سے مستور
یہ حسرت دیدل میں قائم رکھو بس یاسر کی ظلمت میں ہی ہواک نور

ایضاً

سُقراط منادی میں تری کام آیا سر تیرے لئے حسینؑ نے کٹوایا

۱۵ یہ رباعی اور اس کے آگے چالیس رباعیاں ”علیگڈھ انسٹیٹیوٹ گزٹ“، مطبوعہ ۲۰ مارچ ۱۹۰۷ء سے نقل کی گئی ہیں ۱۲

۱۷ چوتھے مصرع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس جواب کی طرف اشارہ ہے۔ جو انھوں نے جناب الہی میں عرض کیا تھا کہ ”یٰٰلٰہِیْ وَ لٰکِنِّیْطَمِّنْ قَلْبِیْ“

مر کر کوئی پائے۔ یا کہ سر کٹو اگر پایا تجھے جس نے اُس نے سب کچھ پایا

ایضاً

دریا سے اٹھا کے بھاپ مینہ بہایا پیراہن سبز خاک کو پہنا یا
وانے کو کیا خصل تباہ تو نے پانی جڑ سے پھنگ تک دوڑایا

خدا کی بے نیازی

منوائی ہے ہاں سب سے بازی نے تری طبقے اُلٹے ہیں ترکنازی نے تری
ہے کالوری اور کر بلا اس پہ گواہ جو گھر گھالے ہیں بے نیازی نے تری

طالب صادق آخر کامیاب ہوتا ہے

طالب کا رہے گا پڑ کے پاس آخر دے گا اُسے صدق دل ولا سا آخر
جھوٹی نہیں گر پاس تو آگے پیچھے دریا پہ پہنچ رہے گا پاس آخر

تشنگی طلب

کب تک کوئی سوزش نہانی کو پھپھائے کب تک اپنے کو تشنہ سیراب کھائے
کجدار دمریز سے تری اسے ساتی پتھر کا کلیجا ہو تو پانی ہو جائے

پیری

علم و عمل و کتاب سے نفرت ہے کلہنہ پڑھنے کے نام سے وحشت ہے

تو نے ہر دردِ دوسرے سے دی آکے نجات پیری! رحمت ہی! تجھ کو صدرِ رحمت ہے

ایضاً

پیری نہیں منزلِ فنا ہے گویا اب کوچ کا وقت آگیا ہے گویا
یوں جسم سے ہو گئی حرارت کا فور اک راکھ کا ڈھیر رہ گیا ہے گویا

انسان کی عظمت بقدرِ قلتِ حاجت ہے

دولت کی ہوس اصل گدائی ہے یہ سامان کی حرص بے نوائی ہے یہ
حاجت کم ہے۔ تو ہے یہ شہنشاہی اور کچھ نہیں حاجت۔ تو خدائی ہے یہ

افراطِ دولت کی مذمت

محنت سے وصول ایک پینا ہے اگر کراشِ رفیوں کی نیولی پر نہ نظر
یہ کینچلی میں بھرا ہوا ساپ ہے ساپ! ہاں ہوتی سمجھ کے ڈالنا ہاتھ اس پر

دولت کی تعریف

دولت خرمن بھی۔ برقِ خرمن بھی ہے تلوار کی دھار بھی ہے عویش بھی ہے
تھوڑا سا ہے اس میں شر۔ تو ہی خیرِ مہبت گر ساپ ہی یہ۔ تو ساپ کا من بھی ہے

حالت موجودہ پر قانع نہ ہونا

حاصل ہے اگر خوشی۔ تو ہے غم کی تلاش
گر شہد میسر ہے۔ تو ہے ستم کی تلاش
قانع نہیں کوئی حالت نقد یہ کہاں
جنت میں بھی ستاید ہر جہنم کی تلاش

خوشی کی اُمید نہ رکھنا ہی بڑی خوشی ہے

اولاد کا ہے ایک کے دل میں ارمان
اور دوسرے پر ہے بار اولاد گران
گر چاہے عالم فساد میں خوشی
رہے نہ یہاں خوشی کی اُمید انسان

سب صحبتیں برہم ہونے والی ہیں

نفتے ہیں خوشی کے سب بگڑنے والے
پودے نہیں اسکے جڑ پکڑنے والے
بل بیٹھا ہے یہ نہ ناؤ نڈی سنجوگ
ہیں اب کوئی دم میں سب ٹھنڈا لے

جیسی رعیت ہوگی ویسی ہی اس پر حکومت کی جائیگی

حاکم سے بھلائی کی توقع ہے محال
جب تک کہ رعیت کے بھلے ہوں خصال
تم اپنے سوا کسی کے محکوم نہیں
عالم میں بس یہی تمہارے اعمال

۱۷ اس رباعی میں ایک خاص صحبت کا ذکر ہے جس میں سب اصحاب تہوڑی دیر بعد ایک دوسرے پچھنے والے تھے
۱۸ اس رباعی میں حدیث ذیل کیطرن اشارہ ہے یعنی عَمَّا لَكُمْ اَعْمَا لَكُمْ ۱۲۔

دُنیا کی موجودہ حالت

ہیں برفِ سو-ترخ سے۔ نلک پامال کہیں طاعون ہو نازل کہیں ہو پچال کہیں
اُبتر ہے کچھ ان دنوں قِطامِ عالم عُمال نہ ہوں خَلق کے اعمال کہیں

ہُسنِ مَحَبَّت

ہے جن کو کہ صیدِ دلِ انسان کا خیال لازم ہے کہ پھیلا میں مَحَبَّت کا جال
اُسْتاد کو یاد ہو اگر حُب کا عمل تعطیل میں بھی نہ چھوڑیں مکتبِ اطفال

زخارفِ دنیوی کی بے بشتائی

لکشن میں نہیں ہو تری اے گلِ جھوڑی تو نے نہیں آنِ حُسن کوئی چھوڑی
تھا جی میں کہ تجھ سے باندھے عہدِ وصال پر کیجئے کیا؟ عمر ہے تیری تھوڑی

غیروں کو اپنا بنانا

گر چاہو کہ جلتے جی بھلے کہلاؤ اپنوں کو سلوکِ نیک سے پرچاؤ
پہ درِ نظر ہو گر حیاتِ ابدی بیگانوں کو آشنا بناؤ۔ جاؤ

کام کا وقت

یارو نہ نہیں وقتِ عیش و آرام کا یہ موقع ہے اخیرِ فکرِ انجام کا یہ
بس حُبِ وطن کا چُب چکے نام بہت اب کام کرو۔ کہ وقت ہو کام کا یہ

ذلت کی زندگی

نکبت میں ہو رنج و غم خوشی سے اولیٰ رونایا روں کا ہے ہنسی سے اولیٰ
ہیں دیں میں بے وقار پردیس میں خوار مرنا ہے بس ایسی زندگی سے اولیٰ

قدرِ نعمت بعدِ زوال

دو چہرا اگر ہیں کام کرنے والے ہیں اُن کو ہزاروں نام دہرنے والے
بت قوم کی شاید کہ گھلیں گی آنکھیں مرجائیں گے جب قوم پہ مرنے والے

قومی خدمت کا صلہ

کدو! جنہیں اصلاح کا ہو قوم کی چاؤ طغے جھیلو۔ براستِ نو۔ گالیاں کھاؤ
یہ قوم کی خدمت کا صلہ ہے ہر دست گر اس پہ قناعت کا ارادہ ہو! تو آؤ

مصلحت کی بات ماننی لازم ہے

گر پیرِ مغان کہے ”عمرِ یزد کجدار“ ہے مصلحت اسیں کچھ نہ کچھ اے منجوار!
ہوتا نہ مساکین کا اگر خیر اندیش خضر اُن کا نہ توڑتا سیفِ نہ ہار

الضاف کی پکار

پاؤ گے نہ کوئی قاف سے لے تا قاف حق تلفیوں کے دلیں نہ ہوں جیکے شکاف
گر غور سے سنئے غل ہے یہی چار طرٹ الضاف! الضاف! آہ الضاف! الضاف

۱۵ حضرت خضر کے قصہ کی طرٹ اشارہ ہو دیکھو آیاتِ قرانی و اما السفینۃ تمکانت لیساکین ۱۲ ۱۵ یہ بامی
اور اسکے آگے ۹ اور ”بایان علیگٹھ انٹیٹیوٹ گزٹ مورہ ۱۳ اگست ۱۹۰۶ء سے نقل کی گئی ہیں۔ ۱۲۔

اپنے دستِ بازو سے کام کرنے کی ترغیب

اتر دو ریاست اپنے بلی تیر کے پار کب تک تیرو گے ہو کے تو بنوں پہ سوار
تم ڈوبنے کے یہ کر رہے ہو سامان اوروں کا سہارا بننے والو! ہیشار!

پیری میں نفس کا اغوا کرنا

پیری میں نہ عقل چٹین لینے دیتی، کرتا رہتا نہ دل کو گر نفس قوی
یاد آتی ہے جب موت تو سمجھاتا ہے ”دبا با کے آمدی دے کے پیر شدی“

قوموں کی زندگی اور موت میں فرق

اقوام میں زندگی کی ہے روح جہاں چونک اٹھتے ہیں ایک ”ہاں“ پڑے ہاں پیر جہاں
کرتی نہیں ”وحی“ مُردہ قومیں وہ کام جو کام کت کارٹوں ”کرتا ہے وہاں

نفس کی خواہشیں دولت کی دشمن ہیں

یا نفس کی خواہشوں کو روک لے رِدار یا خافت و فقر کے لئے رہ تیار
لاگے ہوئے ہیں چار طرف گمات میں چہر گھر سے ہشیار! مال و زر سے ہشیار!

یہاں صرف دو چیزیں ہیں

گہرا راپنا ہے اور نہ دولت اپنی، گہنا اپنا نہ ہے تیرا بت اپنی
اپنی نہیں کوئی چیز۔ یہاں دو کے سوا ایک موت اپنی ہے۔ ایک تیرت اپنی

۱۔ جس موقع پر ہم کہتے ہیں ”ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے“ اسی طرح ایرانی اس موقع پر یوں بولتے ہیں ”کے
آہدی کے پیر شدی“ اس باجی میں بطور کنایہ ظاہر کیا گیا کہ نفس عقل کی بات نہیں چلنے دیتا اور ہمیشہ غفلت چاہتا ہے۔ ۱۲۰

عاشق و معشوق دونوں پر حسن کا تسلط ہے

ہے حسن ہی کا کرشمہ چشم بدوڑ
عشاق کی بخود ہی حسینوں کا غرور
یہ وہ مئے تذبذب ہے نشے میں جس کے
عاشق بھی ہے چور اور معشوق بھی چور

تشنگی طلب

ساتی! اے سب کے کام آنے والے
خیم اپنے پر اے پر لٹھ ہانے والے
چھینا رک ادھر بھی بادہ گلوں کا
اوشنہ لبوں کی ذوق کھانے والے

علم کی ترقی سے یقینیات بھی مشکوک ہو جاتے ہیں

بڑھتا جاتا ہے جس قدر علم بڑھتا
کرتے جاتے ہیں شک خیالات میں گھر
ہوتی جاتی ہے دھندلی اتنی ہی فضا
جتنی کہ وسیع ہوتی جاتی ہے نظر

دُنیاسر اسر شر ہے

دُنیاسر ہے وہ شر جس میں نہیں نام کو خیر
رشتہ جو بدی سے اُسکا نیکی سے جو بیز
اور سب سو بڑا یہ عیب ہے اُنہیں کہ آہ
سرتی نہیں یہاں کسی طرح اُس کے بغیر

میر انیس لکھنوی

(غیر مطبوعہ)

اردو! گوراج چار سوتیرا ہے
شہروں میں رواج کو بکویت را ہے
پر جب تک انیس کا سخن ہے باقی
تو لکھنؤ کی لکھنویت را ہے

میر انیس لکھنوی

(غیر مطبوعہ)

دلی کی زبان کا سہارا تھا انیس اور لکھنؤ کی آنکھ کا تارا تھا انیس
دلی جڑ تھی تو لکھنؤ اس کی بہار دونوں کو ہے دعویٰ کہ ہمارا تھا انیس
ہنگامہ مسجد کا پنور

(منقول از روزنامہ "ہمدرد" جلد ۱ نمبر ۱۰۶ مورخہ ۸ اکتوبر ۱۹۱۳ء)

یاران وطن نے قوم کا ساتھ دیا دی قوم نے داد قوم بے رُو دیا
ہر سو بھڑک اٹھی آگ ہمدردی کی ہنگامہ کان پور نے کام کیا

ایضا

صد شکر وطن سے کو حق فطرت نے کیا گھرا بل وطن کے دل میں الفت نے کیا
تفسیروں سے ہو سکا نہ تحریر و س جو کار نمایاں کہ مصیبت نے کیا

ایضا

تائید میں حق کے جو بلا آتی ہے ساتھ اپنے بہت سی برکتیں لاتی ہے
بچھڑے ہوئے دوستوں کو ملواتی ہے روٹے ہوئے بھائیوں کو منواتی ہے

روزانہ ہمدرد کا اجرا

(از ہمدرد ۴۲ جون ۱۹۱۳ء میسوری)

تمغوں کی ہوس نہ یاں خطاوں کی طلب اک ملک کی خدمت کا ہی سونو ایارب
دو ہمدرد کو اس نام بامستی کیجئے اس نام کی لاج ترے ہی ہاتھ ہواب

حکومت سوم تمام شد

باہتمام منشی عبدالغفر نیکان پٹسر

عزیزی پر سیاہ گریٹ میں چھاپا گیا

بلا اجازت کوئی صاحب چھاپیں

إِنَّ مِنَ الشَّعْرِ حِكْمَةً وَإِنَّ مِنَ الْبَيَّانِ لَسُحْرًا

کلیات نظم حالی

یعنی

شمس المآثر لاناخواجہ الطاف حسین حالی پانی پتی

تمام منظوم کلام کا مکمل مجموعہ

جلد دوم

(مشتبہ ترکیب)

مترتبہ

شیخ محمد اسماعیل سکرٹری اور نٹل پبلک لائبریری پانی پتی

شائع کر کے

حالی بک ڈپو پانی پتی

بار اول ————— قیمت: نصف جلد ۸۰

کلیاتِ نظمِ حالی جلد دوم

کی

نظموں کی فہرست

نمبر شمار	عنوانِ نظم	نظم کا سنہ طبع	صفحہ
۱	زمزمہ قیصری	۱۸۷۸ء	از صفحہ ۲ تا صفحہ ۳۳
۲	مدرستہ العلوم مسلمانان	۱۸۷۹ء	از صفحہ ۳۵ تا صفحہ ۴۰
۳	شکوہ ہند	۱۸۸۷ء	از صفحہ ۴۱ تا صفحہ ۵۶
۴	مسلمانوں کی تعلیم	۱۸۸۹ء	از صفحہ ۵۷ تا صفحہ ۷۱
۵	قوم کا متوسط طبقہ	۱۸۹۱ء	از صفحہ ۷۲ تا صفحہ ۸۳
۶	دہلی کا جلسہ کانفرنس	۱۸۹۲ء	از صفحہ ۸۴ تا صفحہ ۹۰
۷	شکریہ والی رام پور	۱۹۰۰ء	از صفحہ ۹۱ تا صفحہ ۹۶
۸	تحفۃ الاخوان	۱۹۰۳ء	از صفحہ ۹۷ تا صفحہ ۱۰۸
۹	فلسفہ ترقی	۱۹۰۳ء	از صفحہ ۱۰۹ تا صفحہ ۱۱۶
۱۰	مسٹر آرنلڈ کی روانگی ولایت	۱۹۰۴ء	از صفحہ ۱۱۷ تا صفحہ ۱۲۶
۱۱	انجمن حمایت اسلام اور اسکے کام	۱۹۰۴ء	از صفحہ ۱۲۷ تا صفحہ ۱۳۴
۱۲	چپ کی داد	۱۹۰۵ء	از صفحہ ۱۳۵ تا صفحہ ۱۴۲

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّیْهِ وَسَلَامًا

کلیات نظم حالی

جلد دوم

مشتبہ ترکیب

زمرہ قصری

مربوہ ۱۸۷۸ء

یہ نظم ایک انگریزی پوئم کے تین حصوں میں سے پہلے حصہ کا منظوم ترجمہ ہے۔ شاید
مسٹر بشوک اس کے مصنف ہیں۔ جنہوں نے کرنل فریوس کے توسط سے جبکہ وہ دہلی
میں کشتہ تھے اس تمام پوئم کو دہلی کے لائن آفیسوں سے فارسی میں نظم کر اور لایٹ
میں پڑے اہتمام سے چھپوایا ہے۔ فارسی نظم لکھے جانے سے پہلے صاحب کشتہ نے
یہ پوئم اردو میں ترجمہ کرنا کرنا نظم کرنے کیلئے مبرے پاس بھیجی تھی۔ میں ان کے
حکم سے صرف پہلے حصہ کو نظم کرنے پایا تھا کہ مصنف نے فارسی میں لکھنا چاہا

میں نے بسبب علالت کے فارسی نظم سرانجام کرنے سے اپنی معذوری بیان کی اور یہ کام آوروں کے سپرد ہو گیا۔

اس نظم کے تین حصے ہیں۔ پہلے حصہ میں ہندوستان اور مسلمان بادشاہوں اور انگریزی سلطنت کا ذکر ہے۔ دوسرے اور تیسرے حصہ میں تمام ہندوستانی رئیسوں کا جو دربارِ قیصری میں شریک ہوئے تھے عموماً اور حضورِ نظام کا خصوصاً تذکرہ ہے۔ مصنف نے پہلے حصہ میں بعض مسلمان بادشاہوں پر نکتہ چینی بھی کی ہے۔ ناظرین اُس کو دیکھ کر مجھ سے خوش یا ناراض نہ ہوں میرا عرفِ اتفاقیہ ہے کہ جس نے ان خیالات کو ایسی زبان میں نظم کر دیا ہے جس کو میرے ہموطن عموماً سمجھ سکتے ہیں۔ اس نظم میں جہاں کہیں ضرورت تھی مجبور کیا ہے۔ وہاں اپنی طرف سے بھی کوئی بات اضافہ کر دی گئی ہے اور اکثر جگہ تہنیز کے لیے اُس کو بریکٹ میں محدود کر دیا گیا ہے۔ بایں ہمہ ممکن ہے کہ اس کے علاوہ اور بھی کہیں کہیں کچھ اختلاف پایا جائے۔ لیکن جو لوگ انگریزی پوٹیکل خیالات کو اردو نظم میں بیان کرنے کی دقتوں سے بخوبی واقف ہیں۔ اُن سے امید ہے کہ ایسی خفیف فروگزاشتوں سے چشم پوشی فرمائیں گے۔

(الکطافُ حُسْنِیْنِ تَحَالِی)

اے قہارِ عافیت! اے کشورِ ہندوستان!
زیب دیتا ہے اگر کہیے تجھے سارا جہاں
اک طرف کھینچی ہے قدرت نے ترے دیوار کو
موج زن ہے ایک جانب تیرے بحرِ بیکراں
چوٹیوں پر ہے پہاڑوں کی وہ عالمِ برف کا
ہے سدا چھایا ہوا جس پر خموشی بکاسماں

بحر میں ہوتا ہے اک شور قیامت آشکار
 جبکہ اُس میں آکے گرتی ہیں ہزاروں ندیاں
 خوف باہر کا ہے تجھ کو اور نہ کچھ اندر کا فکر
 (دست گلچیں نارسا و نخل دولت گلفشان)
 تو نے فارغ کر دیا ہے فتح ملک غیر سے
 پھر ضرورت کیا کہ کھولیں بے سبب تیرا نشان

چل رہی ہے امن کی ہر سو ہوائے خوشگوار (ہو نہ اب کدو خزاں سے رخصتا نذر بہار)

اے مقدس "آریہ ورت" آئی کیا تجھ پر بلا
 جس نے بزم یکدلی کو تیری برہم کر دیا
 کوچ کر جانا نہ تجھ سے گردِ فاق و اتحاد
 کون تھا جو تیری جانب آنکھ اٹھا کر دیکھتا
 تو کہاں اور اہل مغرب کے بھلا حملے کہاں
 ہاں مگر نا اتفاقی کی ملی تجھ کو سزا
 گرتی اولاد میں ہوتا سلوک اور آشتی
 لڑکھڑا جاتے قدم غیروں کے ہنگام و غا
 گھائیوں میں آکے جب ہوتی فراہم تیری فوج
 ہوش کھو دیتی سیم سپان ہندی کی صدا
 بھاگنا بھی دشمنوں کو وہاں سے ہو جانا محال
 دیکھتے جب ہر طرف سے آید سیلِ بلا

یا اطاعت کرتے اور (ٹٹے سے باز کرتے ہیں یا) اگر کرتے بہت بہت تو مرجاتے وہیں

ہند کا حق تھا کہ ہوتی مہر و آفت کی زمیں

قوم کے ہمدرد ہوتے اس مکان کے سب مکین
 حیف جس منی سے اگنا چاہیے تھا نخل مہر
 جم گیا آب دہوائے دہر سے وہاں تخم کیس
 سر بسر تختے گل خود رو کے جس جگہ میں تھے
 (غور سے دیکھا تو) پنہاں تھے درندے بھی ہیں
 (اسن قائم تھا طلوع صبح کے آغاز میں)
 (جنا دن چڑھتا گیا - ہونا گیا عزت گزریں)
 دیوتا جو آریا کے زعم میں فانی نہ تھے
 فانیوں کی طرح یہاں آکر رہے وہ بالیقین
 جنگ و خون ریزی کے خود آکر ہوئے وہ رہنما
 ورنہ فتنہ کا قدم تک یہاں نہ آیا تھا کہیں

ایک بیک آیا خلل امن داماں میں ہر طرف ایک تزلزل پڑ گیا ہندوستان میں ہر طرف
 مہرجا اے خطہ ہندوستان! (صد مہرجا)

اس خرابی پر بھی روکے تو نے حملے بار بار
 جانتا ہے اکھنڈ اسکندر اعظم کا نام
 "چشمہ حیوان" پہ جس کو لے گیا بخت رسا
 تھا جہاں خوف اور سناٹا بشر کا سدا رہا
 اور نیچر کے طلسموں میں خلل آیا نہ تھا
 گہرے اور تاریک غاروں میں تھا آپ زندگی
 سایہ ہیبت تھا جن پر سر بسر چھایا ہوا

یہ شعر اپنی طرف سے اس لیے بڑھا دیا گیا ہے تاکہ بند کے پورے شعر ہو جائیں۔ (حالی)

گو ہوئی اُس کی رسائی "چشمہ حیوان" تلک
پر نہ ہرگز تیرے سارے مرحلے طے کر سکا
جی میں جو حشر تھی وہ آخر نہ نکلی زینہار
دِل میں جو ارمان تھا وہ دِل کا دِل ہی میں رہا

دُقتوں نے فتح کی بے طرح گھبرایا اُسے کام ہی مشکل تھا۔ یا مشکل نظر آیا اُسے

جس جگہ ملتا ہے "ستلج" سے سبک رفتار بیاس
رہ گئیں فوجیں ٹھٹھک کر اُس کی وہاں ساحل کے پاس
بات سنتا تھا نہ کوئی کارواں سالار کی
کارواں اور کارواں سالار کی ٹوٹی تھی آس
تھا کھڑا حیراں سکندر۔ اور یہ کہتا تھا کہ بس
فتح ہند اک خواب تھا۔ اور اُسکی تھی تعبیر یا نہیں
جب سکندر پھر گیا ہو یہاں سے بے نیل مرام
کون پھر ایسا ہے؟ آئے یہ عزمیت جس کو اس
بعد مدت پھر وہیں آئی اُمند کراک گھٹا
بیاس کے میدان میں جس سے چھا گیا خوف وہ اس
جائے حیرت ہے کہ وہ کشور کشائے ناسور
پھر گیا لیکر جہاں سے اپنی فوج بے قیاس

کر سکے کچھ وہاں نہ اس جگہ کے آگے اہل ہند چھوڑ کر ندی بھری کشتیوں سے بھاگے اہل ہند

پہلے اس فتح نمایاں سے بھی اکثر جنگجو
کر گئے یہاں آن کر تیغ آزمائی میں غلو

لہ اس سے مراد انگریزی فوج کا وہ حملہ ہے جو ۱۸۴۳ء میں پنجاب پر ہوا ۱۵ یعنی سکندر اعظم

ندیاں جو راہ میں حائل تھیں ان سے بارہا
 حملہ آور اترے اور پڑتے رہے رن سولہو
 وہ نشان جن کی چمک تھی بے بقا مثل شہاب
 گہ نظر آئے "انک" پر اور "ستلج" پر کبھو
 رفتہ رفتہ سرزمین گنگ تک پہنچا ہر اس
 آکے ٹھہرا پہلے "مینڈر" کنار آب جو
 دھار میں "گنگا" کی وہ ہتھیار چمکے سر بسر
 "سند" تک "یوناں" سے جو پیتے آئے تھے لہو
 ناگماں "جہلم" پہ چمکی ان کر "ستھیا" کی آگ
 اور پھر کرتی رہی آہستہ آہستہ منو

پہنچی جب گنگا کے لگ بھگ بایں اور ستلج کو پھانڈ ہو گئے یوناں کے ہتھیار آگے اُس کے ماند

۱۵ یعنی جن کے جھنڈوں کے پھر یوں کی چمک شہاب ثاقب کی مانند بے بقا اور ناپائیدار تھی اور جو
 ہندوستان پر حملے کر کے محض ناکام یا چند روز شمالی ہند پر حکومت کر کے واپس چلے گئے (عالی)
 ۱۶ مینڈر یوناں کے "سوتیر" خاندان کا ایک مشہور بادشاہ گذرا ہے۔ یہ خاندان سکندر اعظم
 کے بعد ملک باختر یعنی خراسان وغیرہ پر حضرت عیسیٰؑ سے ۲۰۰ برس پہلے سلسلہ ہو گیا تھا مینڈر
 نے جیسا کہ بعض مورخین نے لکھا ہے ہندوستان پر ۱۵۰ قبل مسیح سے ۱۵۰ قبل مسیح کے درمیان
 چلے کیے ہیں۔ اُس نے جنوب میں "سندھ" اور "گجھ" تک اور مشرق میں "تھرا" تک فتح کر لیا تھا
 ۱۷ یعنی گنگا کے کنارے ۱۲

۱۸ بحر اسود اور کوہ قاف اور بحیرہ کیسپین کے شمال میں جو وحشی قومیں آباد تھیں قدیم زمانہ میں
 ان کو "سٹیمیا" والے" کہتے تھے۔ اب وہ تمام ممالک یورپین روس اور ایشیائی روس
 میں شامل ہیں۔ سٹیمیا والوں کے حملے حضرت مسیحؑ سے قبل ۱۰۰۰ برس پہلے شروع ہو گئے تھے

پھر ہوا اسلام کے اقبال کا تارا بلند
جانب ہندوستان "نمود" نے ہانکا سمند
وہ مسلمانوں کے حق میں ابر رحمت تھا۔ مگر
ہندوؤں کے دل رہے اُسکے ستم سے درخند
وہ پہنچتا تھا جہاں - ہوتی تھی وہاں آفت بیا
اور چلتا تھا جلو میں اُس کے آسیب و گزند
غش غش آتے تھے ہر ذی روح کو پیہم وہاں
سانس لیتا تھا جہاں وہ اڑ دہائے زور مند
روندتا تھا جسکو - وہ کھیتی نہ ہوتی تھی ہری
صلح سے بچتا نہ تھا - ہوتا تھا جو شعلہ بلند
خوف تھا دل میں خدا کا اور نہ کچھ بند و نرحم
قتل اور تاراج تھا اک بازی سلطان سپند

جب وہ آیا تھا تو سر تا پا گلستاں تھا یہ ملک جب گیا یہاں سے تو نسل و شیت ویراں تھا یہ ملک

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ان وحشیوں کے غول کے غول ہندوستان پر چڑھ آئے اور
لوٹ مار کر کے چلے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت مسیح کی ولادت سے چند سال بعد کشمیر
کے قریب اُن کی زبردست سلطنت قائم ہو گئی تھی۔ اُن کا سب سے مشہور بادشاہ کنشکا
ہوا ہے جس نے بدھ مذہب کی جو تھی کو نسل منعقد کرائی۔ شمالی ایشیا میں بدھ مذہب کی جو
شکل ہے وہ اسی کو نسل کا نتیجہ ہے۔ "ستھیا کی آگ" سے غالباً اُس کی جہاں سوزی اور تاخت
وتاراج مراد ہے جیسا کہ بایزید غمانی کو الیدرم کہا گیا ہے اور عرب کی فتوحات کو برق سے تشبیہ
دی گئی ہے ۱۲ (حالی)

۱۳ انگریز مورخوں اور شاہدوں کو جب یہ منظور ہوتا ہے کہ لوگوں کو اپنی رصلی اور انسانی

آخر اے دانا حکیمو! کچھ سبب اس کا بتاؤ
ہے بنی آدم کو کیوں قتل بنی آدم کا چاؤ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸) ہمدردی پر غریفہ اور مسلمانوں پر غضبناک اور برا فروختہ کریں تو وہ محمود غزنوی اور تیمور وغیرہ کی سختی اور تشدد کو خوب چھڑک چھڑک کر جلوہ گر کرتے ہیں۔ جس طرح اس بندہ میں محمود کی بے رحمی اور ظلم کا بیان کیا گیا ہے، اس طرح ایک اور انگریز نے اُس کی شان میں کچھ اشعار لکھے ہیں۔ جن کا اردو ترجمہ یہ ہے :-
اے ملکِ زرنگار! قدم ہے وہ کونسا؟ حملے سے جسکے ہے ترے ارکا نہیں زلزلہ
وہ تبرے قصر اور ستونِ ارساباں مسبودہ۔ جو پہاڑوں کے غار و غیمیں پہنچاں
ٹھاکر اور اُن کے مندر۔ راہ اور اُنکے تخت حملے سے اُس کے اُکے پڑا سبقتِ وقتِ سخت
پتلا غضب کا کونسا وہ ہولناک ہے اے ملکِ زرنگار! وہ غزنی کی خاک ہے
آتا ہے کوٹنا ہوا۔ اس بزمِ گاہ میں پھرتے ہیں بکھرے تاج بہت اسکی راہ میں
گتے جو اُس کے ساتھ شکاری ہیں بیشمار اُن کے گلوں میں ہیں وہ جواہر نگار ہار
بے رحم فوج لائی ہے جو لوٹ مار کر مقتول رانیوں کے گلے سے اتار کر
کرتا ہے قتل لڑکیوں کو وہ۔ گھر و کچے اور بے گنہ بچاریوں کو۔ مندروں کے بچے
اگرچہ ان دونوں شاعروں نے محمود کے تشدد کو بہت مبالغہ کے ساتھ بیان کیا ہے مگر حق یہ ہے کہ مسلمانوں کے لیے اُن کے بعض بادشاہوں کی ظالمانہ کارروائیاں گو وہ کیسے ہی وحشت اور تاریکی کے زمانہ میں کی گئی ہوں ہمیشہ باعثِ شرم و ندامت رہیں گی۔ لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ آیا دنیا میں کوئی ایسی قوم ہے جو اس دھبے سے پاک ہو؟ یورپ کی تاریخ سے ظاہر ہے کہ یورپ کی شائستہ قومیں جو آج اپنے سوا تمام دنیا کی قوموں کو وحشی یا نیم وحشی کا خطاب دیتی ہیں۔ محمود کے زمانہ میں بلکہ اُس کے بعد کئی صدیوں تک ایشیائے برابر ت زیادہ وحشت و خون ریزی اور بے رحمی میں مبتلا تھیں اور اگر انصاف سے دیکھا جائے تو بنی نوع انسان

جبکہ حق بطور راستی ہے خاص رحمانی صفت
پھر تعجب ہے کہ جباری کا ہوا اُس میں لگاؤ

(بقبہ حاشیہ صفحہ ۹) کی دو خصائیں نہ کبھی بدلی ہیں نہ آئندہ بدلنے کی امید ہے۔ ایک طبع اور خود غرضی۔ دوسرے زبردستوں کا زبردستوں کو دلنا اور پسنا۔ جس طرح مگرچہ مچھلیوں اور مینڈگوں کو ناشپور چٹتا۔ ہرن مادر نیل گائے کو نوش جان کرتا ہے۔ سیطرح جو انسان قوی اور زبردست ہیں وہ ضعیف اور کمزور انسانوں کو شکار کرنے سے کبھی درگزر نہیں کرتے۔ سولہویں صدی کو جس میں اہل یورپ امریکہ میں جا کر آباد ہوئے کچھ بہت زمانہ نہیں گذرا۔ اس صدی میں یورپ کی بعض قوموں کے ہاتھوں امریکہ کے اصلی باشندوں پر کونسا ظلم اور کونسی بے رحمی ہے جو روا نہیں رکھی گئی۔ "میکسکو" اور "پیرو" جو امریکہ کے دو شاہتہ ملک تھے وہاں کے مفتوحین پر جو وحشیانہ مظالم ہسپانیہ والوں نے کیے اُن کی نظر دنیا کی تاریخ میں مشکل سے ملیگی۔ "کورٹیز" جو ہسپانیہ کا رہنے والا اور "میکسکو" کا فاتح تھا۔ اُس نے اور اُس کے بعد نئے وارد شدہ جنرلوں نے یہ ٹھکانہ لی تھی کہ "میکسکو" کو قابضتہ دیران کر دیجئے اور وہاں ہسپانیہ کی ایک کولونی آباد کیجئے۔ چنانچہ جہاں تک اُن سے ہوسکا وہاں کے قدیم باشندوں کو نیست و نابود کر نہیں اُنہوں نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ "کورٹیز" نے میکسکو کے شہنشاہ "مونٹی زوما" کو گرفتار کر کے اٹا لٹکا دیا اور اُسکی رعایا کو اُسکی آنکھوں کے سامنے جلایا اور قتل کرایا۔ بڑے بڑے الاؤ لگائے گئے تھے جنہیں ہزار ہا بنی آدم عام طوڑ پر بے تکلف جلائے جاتے تھے۔ دیہات اور جنگلوں میں ہزاروں آدمی شکاری کتوں سے پھرتے جاتے تھے۔ یہ ہسپانیہ کے دہی مقدس اور بے عیب عیسائی تھے جنہوں نے "کافروں" (یعنی مسلمانوں) کو غلطاطہ سے ایک "ناپاک" اور "گنہگار" قوم ہونیکا الزام لگا کر نکالا تھا اور جن کا قول تھا کہ ظالم اور بد دین مسلمان اس لائق نہیں ہیں کہ فرشتہ صفت عیسائیوں کے ہمسائے اور ہموطن ہو کر رہیں۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ ایک ملین (دس لاکھ) بنی آدم ان مقدس عیسائیوں کے ہاتھ سے طرح طرح کی

جبکہ سرچشمہ معروضت ذات حق
پھر نہ مانی جائے اُس کی شریعت بے دباؤ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰) عقوبت اور سختی کے ساتھ مارے اور جلائے گئے۔ یہی حال کچھ
دلوں بعد پیرو کا ہوا۔ یہ ملک جنوبی امریکہ میں بحر الکاہل کے کنارہ پر واقع ہے فرنیس سلوینیرو
جو غالباً اٹلی کا رہنے والا ایک جمہولی النسب آدمی تھا اُس کو جنوبی امریکہ میں فتوحات کرنے اور
وہاں سے سونا چاندی رونے کا مدت سے خیال تھا۔ اُس نے "پناما" یا اُس کے قریب کسی
اور مقام میں ایک جماعت کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ ایک بڑا جہازوں کا اور کچھ سپاہ اسکے
ساتھ "ملک پیرو" کو جس کے متول کی بہت شہرت تھی۔ روانہ کریں۔ چنانچہ اس سامان کے
ساتھ وہ وہاں پہنچا۔ اور ایک دو پھرے کے بعد اُس ملک پر قابض ہو گیا۔ پھر تو کوئی ظلم اور
تعدی ایسی نہ تھی جو پیرو کے اصلی باشندوں پر جائز نہ رکھی گئی ہو۔ اُن سے سونا اور
چاندی چھین چھین کر اپنے ملک کو بھیجتا تھا۔ ہزاروں بندگان خدا اُس کے ظلم و ستم سے
ملک چھوڑ چھوڑ کر پہاڑوں پر چڑھ گئے تھے۔ جہاں وہ آخر کار فاقے کر کے مرجاتے تھے
اور ہزاروں قتل کرائے جاتے تھے۔ تمام مورخوں کا اتفاق ہے کہ ایسی برہمنی نہیں ہوئی
انگریزوں کا بیان ہے کہ "آسٹریلیا" کے قدیم باشندوں پر بہت سختی نہیں لگی۔ اگر یہ میلان
صحیح ہے تو وہاں سختی کی کچھ ضرورت بھی نہ تھی۔ وہ پھارے اس درجہ نامہوار۔ بیڈول۔ اور
ناشاستہ تھے کہ انگریز فاتحوں کی صورتیں اور ٹیپ ٹاپ اور چمک دکھ دیکھ کر شرم کے
مارے زمین میں گرے جاتے تھے اور کسی طرح ممکن نہ تھا کہ اُن کے بڑوس میں رہ سکیں
جس قدر انگریز مہاجروں کی تعداد آسٹریلیا میں بڑھتی گئی وہ لوگ ملک کے اندرونی حصہ میں غائب
ہوتے گئے اور رفتہ رفتہ وہیں معدوم ہو گئے۔ اب شاید نوادہ کہیں کہیں اندرونی پہاڑوں
کے سلسلہ میں پائے جاتے ہیں۔ "ٹسمانیہ" کے قدیم باشندے جو ایک خوش بشرہ مگر
اُن سویلاؤڈ قوم تھی۔ وہ یورپ والوں کی ہمسائیگی کے باعث بالکل فنا ہو گئی۔ یہاں تک کہ

کیا یہ زیبا ہے؟ کہ دین حق کو اسے اپنا لئے جس
زور سے منواؤ تم اور ندیاں خوں کی بہاؤ

(بفہ حاشیہ صفحہ ۱۱) اب ایک متنفس بھی اُن کی نسل کا باقی نہیں۔ بس آسٹریلیا کے
قدیم باشندے جو انڈیمان والوں سے بھی زیادہ بدقوارہ اور ناشائستہ تھے۔ انگریز جیسی
اصلی درجہ کی شائستہ قوم کے پڑوس میں کیونکر ٹھیر سکتے تھے؟ ۵

تو بجلوہ چوں در آئی۔ اجل از سرتر تم ہمہ جاکند سادی پئے احتراز کردن
اگر فی الواقع انگریزوں نے آسٹریلیا والوں پر سختی نہیں کی تو یہ انکی عین دانائی تھی کہ انھوں نے
مفت کی بدنامی نہیں لی اور تمام براعظم اُن کیلئے خود بخود خس و خاشاک سے پاک ہو گیا۔ بات
یہ ہے کہ دنیا کے ایک بہت بڑے حصہ نے علم و ہنر میں اس قدر ترقی کی ہے اور وہ دوسرے
حصہ کے ابنائے جنس سے اس قدر اگے بڑھ گیا ہے کہ اگلے زمانہ کے فاتح اور کشور کشا جن
ناجائز ذریعوں سے مفتوحین کی دولت و ثروت اور سلطنت کے مالک ہوتے تھے اُن
ذریعوں کے کام میں لانے کی اب مطلق ضرورت نہیں رہی۔ جس قدر مال و دولت پہلے
قتل و غارت اور لوٹ کھسوٹ سے حاصل کیا جاتا تھا اُس سے اعضا فاضلہ اب صنعت
اور تجارت کے ذریعہ خود بخود کچھا آتا ہے۔ یہاں تک کہ جب دو ایسی گورنمنٹوں کے درمیان
جنہیں سے ایک شائستہ اور دوسری ناشائستہ ہو تجارتی عہد نامہ تحریر ہو جاتا ہے تو یہ یقیناً
سمجھ یا جاتا ہے کہ شائستہ گورنمنٹ بغیر اس کے کہ ہدی لگے یا پھٹکری۔ دوسری گورنمنٹ
کے تمام ملک و دولت و منافع و محاصل کی بالکل مالک ہو گئی کسی شاعر نے خوب کہا ہے ۶
نہیں خالی ضرر سے وحشیوں کی ٹوٹ بھی۔ لیکن حذر اس ٹوٹ سے جو ٹوٹ ہے علمی و اخلاقی
نہ گُل چھوٹے۔ نہ برگ بار چھوٹے ٹوٹے گلشن میں یہ گلچنی ہے یا لٹس ہے گلچیں؟ یا ہے قرآنی
شاید ان شعروں میں کچھ مبالغہ ہو لیکن اس میں شک نہیں کہ اگلے زمانہ کی غارتگرانہ
ٹوٹ کھسوٹ سے جو نیچہ مترتب ہوتا تھا۔ اُسی نتیجہ کے قریب قریب یہ شائستہ ٹوٹ بھی پہنچا دیتی ہے

یا یہ بہتر ہے کہ سچی دوستی اور پیار سے
اور اُن باتوں سے جنہیں جلوہ اُلفت کا دکھاؤ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲) کروڑوں اہل صنعت و حرفت جن کی دستکاری مینیکس کا کسی طرح مقابلہ نہیں کر سکتی۔ نانِ شبینہ کو محتاج ہو جاتے ہیں۔ فلاحیت پیشہ لوگوں پر یہ مبتا پڑتی ہے کہ زمین کی پیداوار جس قدر کثرت کے ساتھ غیر ملکوں کو جاتی ہے اُسی قدر ملک میں زیادہ کاشت کا تردد کیا جاتا ہے اور اس سبب سے روز بروز زیادہ لاگت لگانی پڑتی ہے اور محنت کا کافی معاوضہ نہیں ملتا۔ یہ پولیٹیکل اکانومی کا مسئلہ مسئلہ ہے کہ قدرتی پیداوار کی جس قدر زیادہ مانگ ہوتی جاتی ہے اُسی قدر اُس کے ہم پہنچانے میں زیادہ لاگت اور زیادہ محنت صرف ہوتی ہے اور مصنوعی چیزوں کی جس قدر زیادہ طلب ہوتی ہے اُسی قدر اُن پر لاگت کم آتی ہے اور محنت کم صرف ہوتی ہے۔ ملکی تاجروں کے لیے جو کہ شائستہ ملکوں کی مصنوعی چیزوں کی تجارت کرتے ہیں۔ اول تو اوپر مالے نفع کی کچھ گنجائش ہی نہیں چھوڑتے اور اگر قدرِ قلیل (جیسے آٹے میں نمک) کچھ فائدہ ہوتا بھی ہے تو اپنے ملک کی نہایت ضروری اور ناگزیر اشیاء کا خرچ گراں ہونے کے سبب اُن کی کمائی میں سے بہت کم پس انداز ہوتا ہے۔ اور جس قدر ہوتا ہے وہ غیر ملکوں کی آرائشی اور غیر ضروری چیزوں کے خریدنے میں جو کمال لغاست اور لطافت کے باوجود نہایت ارزاں دستیاب ہوتی ہیں۔ صرف ہو جاتا ہے۔ پس اُن کو بھی آزادی اور فارغ البالی کبھی نصیب نہیں ہوتی۔ اور اگر سود و سود میں سے دو چار ایسے نکل بھی آتے ہیں جو اپنے ملک میں مرفہ الحال سمجھے جاتے ہیں۔ اُن کا معاملہ اور لین دین اُن کروڑ پتیوں سے ہوتا ہے جن کے مقابلہ میں وہ اپنے تئیں محض مفلس اور قلیل تصور کرتے ہیں۔ اور جن کی مانگ کے خوف سے ہمیشہ دوالہ نکل جائیگا اندیشہ لگا رہتا ہے۔ غلام یہ ہے کہ طمع اور خود غرضی اور زبردستوں کا زیر دستوں کو دلنا اور پسینا جیسا کہ تاریکی اور وحشت کے زمانہ میں تھا اُسیکے قریب قریب اب بھی ہے۔ صرف اتنا فرق ہے کہ دولت گھسیٹنے کے لیے پہلے جبری و تعدی

دل کرواہل جہاں کے پہلے تسخیر اور پھر حکم پھیلاؤ خدا کے اور یقیناً ان پر دلاؤ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳) کی ضرورت تھی۔ اب اُس کی کچھ ضرورت نہیں رہی۔ اُن سولائزڈ دنیا کی دولت سولائزڈ دنیا کی طرف خود بخود کھچی چلی جاتی ہے۔ ایک اترد ہاشیر کو بہت برا بھلا کہہ رہا تھا کہ تو کیسا بے رحم ہے کہ ہمیشہ جانداروں کا خون پینے کی نظر میں رہتا ہے اور شکار کی دُھن میں دُور دور کے دھاوے مارتا ہے۔ تمام جنگلوں میں تیری دھاک ہے کچ اس بہن کو پھاڑ ڈالا۔ کل اُس پاڑھے کے ٹکڑے اُڑا دیے۔ ایسی خونخواری پر کمر باندھنی اچھی نہیں ہے۔ شیر نے کہا قبلہ! اگر میرے سانس میں بھی ایسی کشش ہوتی کہ دُور دور سے جانور خود گھسٹے ہوئے میرے منہ میں چلے آتے اور میری حرص و اُن کی لگ کو بچھا دیتے تو میں بھی ہرگز کسی بے گناہ کے خون میں اپنے ہاتھ رنگین نہ کرتا۔

منع ذلک اگر آزادی تجارت میں کوئی مزاحمت پیش آتی ہے اور بغیر جبر و تعدی کے کام نہیں چلتا تو اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کی شائستہ قوم سب کچھ کر نیکو تیار ہو جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ آزادی تجارت کی مزاحمت رفع کرنی عین انصاف ہے۔ حالانکہ آج تک پولیٹیکل اکانومی نے اس بات کا تصفیہ نہیں کیا کہ فری ٹریڈ کا قاعدہ مطلقاً قرین انصاف ہے یا خاص خاص صورتیں خلاف انصاف بھی ہو سکتا ہے۔ انگلینڈ کا فائدہ فری ٹریڈ میں ہے۔ اس لیے وہ اسی کو عین انصاف سمجھتا ہے۔ فرانس اور یونائیٹڈ اسٹیٹس اس کو اپنے حق میں بالفعل مضر سمجھتے ہیں۔ ایسے اسکو جائز نہیں رکھتے لیکن انصاف شرط ہے۔ جن حکمتوں اور تدبیروں کا جمل دنیا کی دولت گھسیٹی جاتی ہے اُن پر بخلاف اگلے زمانہ کی جاہلانہ ٹوٹ کھٹو کے کچھ اعتراض نہیں ہو سکتا۔ مشہور ہے کہ ”علیم علوی خاں“ کے زمانہ میں۔ جو کہ ”محمد شاہ“ کا علاج اور ایک نہایت حاذق طبیب تھا۔ ایک عطار بھی اُس کے نسخے دیکھتے دیکھتے علاج کرنے لگا تھا لوگوں نے اس کا ذکر علوی خاں کے سامنے بھی کیا۔ اور یہ کہنا کہ جس قدر مریض آپ کے

راہ حق کا خار و خس سے پاک ہونا چاہیے گلشن دیں بے خس و خاشاک ہونا چاہیے

خار ہی خار آتے ہیں مدت سے لیکن یہاں نظر
خون ہے اُستاد اور شاگرد دونوں کا ہند
راستی اور امن کی دیتے ہیں جو تعلیم یہاں
راحت و آرام کو کھولتے ہیں اپنے سر بسر
اوڑلینی چاہتے ہیں اس طرح تعلیم جو
وہ زمانہ کے ستم لیتے ہیں اپنی جان پر
بات حیرت خیز ہے پر شک نہیں اس میں ذرا
نخل شادی آنسوؤں کے خم سے لاتا ہے خم
دمدم سیراب اگر خون شہیداں سے نہ ہو
رہ نہیں سکتا ہوا۔ دنیا کی راحت کا شجر
بے شہادت مل نہیں سکتی حیاتِ سرمدی
موت ہے دُر زندگی کا۔ اور اَلْمُبابِ ظفر

غیر کے زخموں پہ ہرگز رحم ہم کھاتے نہیں آپ جب تک زخمِ کاری کا مزا پاتے نہیں

اے جلال الدین ہے تو ہی وہ شاہِ نامدار
صلحِ کل جس کی زمانہ میں رہے گی یادگار
بسکہ آزادی بنی نوعِ بشر کو تو نے دی
رائے پر ہر شخص کی ٹھیرا عقیدت کا مدار

(بمذہب حاشیہ صفحہ ۱۲) علاج سے اچھے ہوتے اور مرتے ہیں اُسی کے قریب قریب اُنکے علاج سے
بھی اچھے ہوتے اور مرتے ہیں۔ علویاں نے کہا "بے لاکن بن باقاعدہ کمی و کم قمر ساق بے قاعدہ
می کشد" ۱۲ (حالی)، اُستاد اور شاگرد کی شرح نیچے کے دو شعروں میں کی گئی ہے ۱۲

فہم سے بندوں کے بالا تر تھے جو اسرار دیں
 بحث کرنے کا ملا بندوں کو اُن میں اختیار
 حوصلہ بکھاتا شاہانِ پیشیں سے وسیع
 تجھ سے القابِ شہنشاہی نے پایا اعتبار
 پر۔ تری اولاد نے کی پیروی تیری نہ حیف
 ہو گیا اُن کا تعصب خود گلے کا اُن کے ہار
 ثمرہ آخر مل گیا اُن کے تعصب کا انہیں
 کر گیا رحلت جہاں سے جلد اُن کا اقتدار

خار و خس کے ڈھیر ہیں کھنڈ و خیر لکے آج وہاں دولت روئے نہیں کل جلوہ آرا تھی جہاں

خیر اُن کے ذکر سے اب کیجئے قطع نظر
 خوبیاں تھیں عمد میں اُن کے نہ لیکن اس قدر
 امن۔ راحت۔ اتفاق اور برکتیں انصاف کی
 ملک افزائش سے ہو جن کی بدولت بہرہ ور
 اور رعیت کی اطاعت جو نہ مجبوری سے ہو
 بلکہ جس سے رغبت اور اخلاص ہو خود جلوہ گر
 نعمتیں ہندوستان کو یہ ہوئیں اُس دم نصیب
 چھا رہی تھی جبکہ مایوسی دلوں پر سر بسر
 امن و راحت کا تصور تک نہ آتا تھا کبھی
 جائے حق ناحق کا سکے چل رہا تھا بے خط
 دیکھ کر آخر بدی کا دور دورہ۔ نیکیاں
 ہو چکی تھیں یہاں سے رخصت۔ آہ ٹھنڈی کھینچ کر

اُس اُنہ چیرے میں اُجالا ناگماں پیدا ہوا چشمہ جیوا کی ظلمت میں نشان پیدا ہوا

کیا مرہٹے - کیا مغل - سادات کیا - افغان کیا
ہند میں سب کے رہی یہاں بارش ابر بلا
علم و فن - جرات - نکوئی - مٹ گئیں سب خوبیاں
دمدم طوفان بدی اور عیب کا بزخار ہوا
یاس سے حالت عجب اک ہند پر طاری ہوئی
بحر بے پایاں میں گویا سخت طوفاں تھا بیا
بے طرح چھایا ہوا تھا ابر ظلمت چاروں
کو کب رہبر کا ڈھونڈے سے نہ ملتا تھا پتا
کو نہ نا بجلی کا تھا گویا کہ بجلی کی چمک
اک جھلک آبی نظر اور پھر اندھیرا چھا گیا

جو کہ زلزل تھے وہ فتنہ کھا کھا کے گرتے تھے وہاں اور جی چھوڑے ہوئے تھے ہر جری اور دریاں

دوبے کے جب نظر آنے لگے آسمان سے
تب نجات آئی یہاں ساتوں سمندر پاتے
آ کے انگلستان نے طوفان کو لٹکا رکھا بس
باز رہا اے فتنہ! اپنی گرمی رفتار سے
مدتوں کی سختیوں سے ملک چھوٹا ایک قلم
ہند کو اپنوں نے دی اگر نجات اختیار ہے
اہل ہند اور اہل مغرب اصل میں سب ایک ہے
کچھ دنوں کچھ مے رہے پڑ گودیش آوار سے

لے اپنوں سے مراد یہاں مغربی آریا یعنی انگریز اور افغان سے مراد مسلمان ہیں م۔ (حالی)

گورہے جندے جدا۔ پڑ مل گئے انجام کو
کھنڈتیں بہ لی گئیں فرقت کی۔ آخر پیار سے
اہل مغرب کو نہ سمجھیں غیر ہرگز۔ اہل ہند
(آئینہ اور سنگ دونوں لکھے ہیں کہ سارے)

اب نہ چھوڑے گائیں۔ وہوں کی لڑکائے بغیر دوستی رہتی ہے کب نفرت کی بڑکائے بغیر

دہریوں کا فرقہ لایعقل و کوتاہ ہیں
اپنی کج رائی سے جو تقدیر کا قائل نہیں
اب میوئی کو نہ سمجھے مہند رکل کائنات
اتفاق دہر پر رکھے نہ بنیاد یقین
ورنہ ہم پوچھیں گے اُس سے۔ کس طرح اک اتفاق
یا میوئی۔ لے گیا مغرب تاشرق زمیں
کچھ جہاز اور چند سوداگر۔ تجارت کے لیے
تاکہ ہوں پردیسیوں کی طرح وہاں جا کر لکیں
اور پھر اُس کشور آباد پر قابض ہوں وہ
ایک مدت تک رہا سفلوں کے جو پرنگیں

کیا یہ سب کچھ اتفاقاً ہو گیا اے اہل رائے یا مشیت نے تماشے اپنی قدرت کے دکھائے

لیسے ہذیانات بیجا سے یہ بہتر ہے کہ ہم
مان لیں سُور اور اُسُر کی داستاں بے بیش و کم

لفہ سُور دیوتاؤں اور اُسُر راکشس کو کہتے ہیں۔ مہا بھارت میں لکھا ہے کہ اگلے زمانہ میں
ایک بار دیوتاؤں اور راکشسوں کی لڑائی ہوئی تھی جس میں دیوتا فوجیاب ہوئے اور راکشس
ہار گئے۔ راکشسوں کو یہ خیال ہوا کہ ہم باوجودیکہ دیوتاؤں سے قوی اور زبردست ہیں پھر

گو اک فسانہ ہے۔ لیکن دہریوں کے قول ہے
اُسید کچھ باتیں زیادہ دل نشیں پاتے ہیں ہم

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸) کیوں اُن سے منسوب ہو گئے۔ آخر یہ معلوم ہوا کہ اُن کے پاس علم یعنی سُتروں کی طاقت ہے۔ راکشسوں نے اُن کے منتر اور کتابیں چرائیں۔ اور ایک راکشس "سنکھاسُتر" نام اُن سب کو لیکر سمندریں غائب ہو گیا۔ ایشور نے جو یہ حال دیکھا تو خود پھللی کا روپ بھڑ سنکھاسُتر کو سمندریں جا کر ہلاک کر دیا اور دیوتاؤں کے سارے منتر اور پستکیں صاف نکال لائے۔ ایشور کی زبانی یہ بھی معلوم ہوا کہ سمندریں اور بھی بہت سے رتن (یعنی مفید اور نایاب چیزیں) ہیں اُن کو نکالنا چاہیے۔ انہوں نے کہا کہ میں کچھ لے جاتا ہوں۔ میری پیٹھ پر رنی کی گنگھالیہ بربت کو رکھ دینا اور قسم کی جگہ باسگی (سانپ کا نام ہے) کو ہمالیہ کے گرد پلٹ کر اُس کے دونوں سرے "سُتر" اور "اُسُتر" اس طرح پکڑیں کہ سانپ منہ کی طرف سے سُروں کے اور دم کی طرف سے اُسروں کے ہاتھ میں رہے اور اس طرح سمندر کو بلوٹا لیں انہوں نے ایسا ہی کیا۔ یہاں تک کہ سمندریں سے چودہ رتن یعنی لچھمی۔ جواہر۔ شراب۔ دھنڑہ۔ چاند۔ گنو۔ گھوڑا۔ سفید ہاتھی۔ تیرکمان۔ امرت اور برس وغیرہ برآمد ہوئے۔ امرت برآمد ہونے اور اُسروں کی باہم تکرار ہو گئی۔ انہوں نے کہا ہم لیں۔ انہوں نے کہا ہم لیں۔ بالآخر ایشور ایک حسین عورت کا روپ بھر کر اُن پر ظاہر ہوئے۔ دیوتا اور راکشس دونوں اُسکی صورت پر فریفتہ ہو گئے اور آپس میں یہ قرار دیا کہ یہ عورت جسکو جو کچھ دے وہ اس کو خوشی سے لیلے۔ چنانچہ اُس عورت یعنی ایشور نے ایک لچھمی تو اپنے واسطے رکھ لی اور باقی تمام رتن فریقین پر تقسیم کر دیے۔ اُترت سُروں کے حصہ میں آیا تھا مگر تھوڑا سا تقسیم ہونا باقی تھا کہ ایک راکشس اُسے اُٹھا کر لے گیا اس پر دیوتاؤں میں سے ایک نے اُس کا سراڑا دیا۔ لیکن بس کو کسی نے لینا قبول نہ کیا۔ شیو یعنی ہمارا دیو جی نے کہا "لاؤ! اسکو میں کھا جاؤں" وہ اس کو کھا تو نہ سکے مگر اپنے کٹھنہ (حلق) میں رکھ لیا جس کے سبب اُن کا چھانٹا پڑ گیا۔ شاعر اس نہ میں قصہ مذکور کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

اہل انگلستان کا آنا سمندر پار سے
 سے سمندر کا بلو نا فی المثل اسے محترم
 زندگی۔ جو اُس سے اہل ہند کو حاصل ہوئی
 ہے وہ امرت جو کہ پہنچا ہے سمندر سے بہم
 اب رہا وہ نہر جس سے خلق شیو کا جل گیا
 یہ وہی حق ہے کہ جو ہے واسطے باطل کے ستم
 جس سے ہوگی محو اگلے دیوتاؤں کی نمود
 اور ہوں گے ہاتھان غیب گونگے یک قلم

جو شائے جا بگا باطل کی ظلمت کے نشان صبح صادق کی نہ ہوگی روشنی جب تک عیاں
 ہند میں پہلے ابھی جو سلطنت یکسو نہ تھی

(اتبہ ص ۱۹) وہ کتاب ہے کہ برٹش حکومت کا ہندوستان میں قائم ہونا اس
 قصہ کا مصداق ہے۔ گریا انگریز مشل دیوتاؤں کے ہیں جو اپنے علم کی طاقت سے راکشسوں یعنی ہند
 کے لشروں اور پنداروں اور ظالم حکمرانوں پر غالب آئے۔ اور وہ جو انگلستان سے کئی عہد
 طے کرنے ہندوستان تک پہنچے۔ یہ گویا سمندر کا بلو نا تھا۔ اور انکی سلطنت سے جو زندگی یعنی
 اس درخشاہ و آزادی اور جان و مال کی حفاظت ہندوستان کو حاصل ہوئی یہ وہ امرت ہے
 جو سمندر سے برآمد ہو۔ اور جس نہر سے کہ۔۔۔ یو جی کا حق بن گیا یا نیلا بن گیا تھا اُس سے خود
 انگریزی سلطنت کو مثالی دی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح حق باطل کے واسطے نہر ہے اس طرح
 یہ سلطنت قدیم سلطنتوں اور ان کی طرز حکومت کے حق میں نہر بنا بلکہ باطل کا حکم رکھتی ہے۔
 اس سے اگلے دیوتاؤں یعنی قدیم بادشاہوں کی حکمرانی کے طریقے سب محو ہو جائیں گے اور انکی تائید میں
 جو غیب سے آوازیں آتی تھیں وہ بند ہو جائیں گی اور تنہا کہ ہندوستان میں صبح صادق یعنی علم اور دانش کی
 کی روشنی نمودار نہ ہوگی اُوقت تک براہ قدیم زمانہ کی تاریکیوں کو یہ سلطنت محو کرتی رہے گی (حالی،

موجود تھی تب تو ہم نے اٹکو بہو کہا رکھا۔ اور شہوت رانی سے روکا یہاں تک کہ
 انہیں بدہشیت و بد صورت بنا کر اپنے پاس سے نکال دیا اور ان کی صحبت سے
 منہ موڑ لیا۔ اسلئے اے شہزادے۔ انکے لئے مصیبت یہ کہ پہاڑ کی کسی
 کہوہ یا زمین کے کسی گڑبے میں ایک کو دوسرے کے اوپر تو وہ کر کے
 رکھ دینا۔ اور اس کے منہ پر پتھر رکھ کر مٹی سے بند کر دینا۔ تاکہ درندے و
 پرندے انکی بلے حرمی نہ کریں۔ بس اس سے زیادہ بار میں تیرے
 ذمہ نہیں رکھتا اور نہ ہم اس سے زیادہ کا استحقاق رکھتے ہیں۔ اور تو جو
 کئی قسم کے پتھر اور کپڑے میری تعظیم کے لئے اور اس امید سے لایا ہے
 کہ دین کی راہ اور ہماری موافقت میں انہیں لگائے تو تو نے ہماری موافقت
 اور مسرت حاصل کر لی۔ اسلئے کہ سب سے بڑی چیز یہی ہے کہ تو ان پتھروں
 اور چھپڑوں کی کوئی حقیقت نہیں سمجھتا اور تیرے نزدیک یہ محض ذلیل
 چیزیں ہیں اور ہماری خوشی ہی اسی میں ہے۔ لیکن بہو یا دین کو اس کی کوئی
 حاجت نہیں ہے۔ پس اے شہزادے تو انہیں پسینکڑے۔ اور ان سے
 اسی طرح دور ہو جس طرح آگ سے۔ اور سمجھ رکھ کہ جس شخص کو تو یہ چیزیں
 دیکھا اس کے ساتھ بڑی بدسلوکی اور اس کا سخت گناہ کرے گا۔ کیونکہ انکے
 گناہ اور فساد کو تو اس کی گردن پر ڈالے گا اور جو شخص انہیں قبول کرے گا
 وہ اپنے نفس کے اوپر ایک زور اور دشمن اور باوے کے تھے کو مسلط کرے گا
 جو اس کی طبیعت کو خواہر شابت نفسانی کی طرف کھینچ کر بھائیں گے
 اور تنہا کو یہ خوف پیدا ہوا ہے کہ جو ازبکین بہو تیرے باپ سے پہلو پھین

سایہ عدل و نگوئی۔ پرتو امن و رفاہ
ہم نے یہ مانا کہ پتھر پر ہیں کندہ جو حروف
وہ رہیں گے نقش اُس پر ہزاروں سال ماہ

نام ہے دکتور یا کا اُن سے بڑھ کر پایدار نقش ہر اک صفحہ دل پر ہے جس کا استوار

مشرقی تاج آج تک تھا پیش ربّ ذوالمنن
اک امانت جس سے محرم تھا نہ فرق مرد و زن
قبضہ تقدیر میں اب تک رہا محفوظ وہ
مر گئے اُسکی تمنا میں سلاطینِ زمن
ہاں مگر اے فخر شاہانِ جہاں و کثوریہا
تھی ترے فرق مبارک سے لگی اُس کی لگن
گر کہے کوئی کہ اوروں نے نہ کیوں پایا یہ تاج
اُس سے کمد و لائق حلوا نہیں ہے ہر دین
گو بہت دنیا میں شاہ و شاہ بانو نہیں مگر
بانوئے برطانیہ کا سب سے بالا ہے چلن
ماں کسی اولاد کو ایسی نہیں ہوتی نصیب
اور نہ ماں کو ایسی بیٹی۔ اور نہ دولہا کو دلہن

نیک طینت۔ پاک دل ایسے بشر ہوتے نہیں رنج سننے کے لیے ایسے جگر ہوتے نہیں

وہ جزیرہ جو کہ روئے بحر پر ہے شلِ خال
دھوپ کا اور روشنی کا جسکی سرحد میں ہے کال
جس سے آگے بڑھ کے ہیں آثارِ قدرت ناپید
کچھ نہیں آتا نظر جز ذاتِ ربّ ذوالجلال

یعنی انگلستان - ہے جس کی حقیقت اسقدر
 شاید اس کے باب میں کوئی یہ کرٹھیے سوال
 کیا ضرورت ہے کہ وہ مختار اور قابض رہے
 سرزمین ہند پر۔ ہے جسکی وسعت کا یہ حال
 اُس سے کہدو۔ خون ہے اولاد کا اُسکی جہاں
 آبِ باراں کی طرح۔ اور بھرور ہو جائیں گے
 جس کے لینے اور بچانے کیلئے لاکھوں شجاع
 جنگ میں گھوڑوں کی ٹاپوں سے ہوئے ہر پانچ سال

مفت اُسے ہاتھوں سے کھودینا راجہ کی طرح خونِ بھائیں سوراخوں کا اما ہو کس طرح

اور سب جانے دو۔ کیا عظمت کی کچھ قیمت نہیں
 یافتوہات نمایاں لائق وقعت نہیں ؟
 پے پے فتح و ظفر کی قیمتی زنجیر کیا ؟
 دوش پر اک قوم کے پیرائے عزت نہیں ؟
 واسطے اولاد کے میراث جس کو چھوڑ جائیں
 اسقدر بھی دولت و عزت میں کیا برکت نہیں ؟
 سمجھے اس دولت کو جو ناچیز۔ اُسکی رُوح کو
 جسمِ خاکی سے جو سچ پوچھو تو کچھ سبقت نہیں
 بحث کرنی اُس سے لا حاصل ہے۔ سمجھا دو اُسے
 تجھ کو انگلستان کی غرہت سے کچھ نسبت نہیں
 ناحق ایسے شخص کے کہنے کا تم مانو بُرا
 جسکی فطرت میں کہ جیواؤں سے کم خست نہیں

نگ ذلت ہے نہ کچھ پروائے عزت ہے ہر مذلت اور پستی پر قناعت ہے جسے

جراتیں اسپارٹاس سے یہ نہ ہوتیں آشکار
گر بزرگوں کی محبتیں وہاں نہ ہوتیں یادگار
جب بڑوں کے اپنے سارے یاد آتے تھے انہیں
آبرو پر جان و تن بڑھ بڑھ کرتے تھے نشان
سورما تھرموپلی کا نام سن پاتے ہیں جب
بوش میں آتے ہیں کیا کیا ان کے دل بے اختیار
آئے ہیں اس سرکہ میں کام جو شیر جری
نسل میں انکی وہی عزت رہے گی برقرار
جو کہ دہلی یا آسامی میں ہوئے ہیں فقیہ اب
ہموطن بھائی ہوں انکے یا عزیز اور دوستدار
جی چرائیں گے نہ ہرگز جان دینے سے کہیں
فی المشل گردش گئی طاقت سے بھی ہونگے دوچار

تاکر مع دہلی دفع اسانی کا شرف قوم میں باقی رہے گو اپنی جانیں ہوں تلف

یاد ہوگا سب کو وہ حق کا عتاب اولیں
جس نے ڈالی تھی بشر کی ذات میں بنیادیں
تفرقہ نے توڑ کر بھینکا تھا سب کو دور دور
تھی پڑی جسوقت بن بولی جتنی ساری زمین
کون ہوگا جس کے دل میں یہ تمنا ہو کہ پھر
ہو وہی پہلا عتاب انساں پر نازل کہیں
قومیں آپس میں بہت رکھتی ہیں یہاں جو سیل چول

اُن کی عقلیں ہوتی جاتی ہیں زیادہ دُور ہیں
ایک حاکم کی رعیت دوست ہوتی ہے سدا
گر نہ ہو تو ایک دن ہو جائے گی وہ بالیقین
قوت اور اسن و خوشی ہیں شرہ ہائے اتفاق
شرہ نا اتفاق جز ہزیمت کچھ نہیں

نوع انسان میں بدی سے جو کچھ پھیلتا اتفاق کرتا ہوتا ہے زمانہ اُس میں پیدا اتفاق

ہے زبردستوں کا یار و بول بالا آج کل
پودنے کی اصل کیا۔ دیووں کا ہوجس حامل
اک ذرا سی ٹھیس میں ہوتا ہے کام اُسکا تمام
دیو کی جنبش ہے اُس کے حق میں پیغام اجل
دے۔ گر انگلستان کا ساری رعیت مل کے ساتھ
تنگ ہو جائے عدو پر عرصہ جنگ و جدل
ورنہ وہ ملت کہ جو دو برا عظم پر ہے آج
سایہ افکن صورت نخل تناور فی المثل
کیا تعجب ہے کہ اُس کا سایہ دُور و دراز
رفتہ رفتہ جائے باہر اپنی سرحد سے نکل
سامنے اس قوم کے انگلینڈ کی ہے وہ مثال
جیسے اک باشتیا آجائے پیش مردِ یل

دشت پر سب مل کے گرا سکا نہ دیں گے تھپہاں اک طرف ہو جائیگا بلڈ ترانہ و کا گراں

نوع انسان کو ملی ہے جبکہ عقلِ ناتمام

یہ روس کی طرف اشارہ ہے۔ انگلینڈ کو پودنے سے اور روس کو پودنے سے تشبیہ دی ہے

پھر حماقت ہے کہ کیجئے آج۔ کل کا اہتمام
 بات تو کل ہو چکی۔ اُسکی بھی حشر ہے عبت
 رہتے ہیں آج اس لیے ہر حال میں ہم شاد کام
 جیکہ ایک ہموار رستے پر چلے جاتے ہیں ہم
 دائیں بائیں کے بلند و پست سے کیا ہم کو کام
 کچھ دنوں سے چڑھ رہے ہیں ہم بلندی کی طرف
 کر چکے قطع۔ تھے یہاں پر خطر جتنے مقام
 آن پہنچے جب بلندی پر تو لازم ہے کہ اب
 خوف کا ہرگز رہے باقی نہ دل میں اپنے نام
 جب بلندی پر سے دیکھیں جھبکے پستی کی طرف
 شکر حق لائیں بجا۔ اور نجات کو بھیجیں سلام

جو خوش دی ہے خدا نے اُس سے جی ٹھنڈا کریں یاد غمناکے گزشتہ سے نہ دِل میلا کریں

راگنی اب وقت کی ہم چھیڑتے ہیں بر ملا
 جس سے ظاہر ہو کہ حالت ہند کی ہے آج کیا
 اتفاق اور دوستی نے کر دیا ہے سب کو ایک
 اور آزادی نے کر رکھا ہے ہر اک کو جدا
 مملکت فوجوں سے اور قلعوں سے معمور سب
 پایہ نظم و نسق پہنچا ہے تا فوق السما

۱۵ یعنی سب کورائے کی آزادی حاصل ہے۔ ہر شخص ایک۔ دوسرے کے اور خود گورنمنٹ
 کے خلاف رائے دیئے کا مجاز ہے۔ گویا آزادی کی حیثیت سے سب جدا جدا ہیں۔ اور
 اتفاق کی حیثیت سے سب ایک ہیں ۱۲ (خالی)

سر پہ دو تاج ہمایوں ہند کے رکھے گئے
 واجبی حق الغرض مدت کے بعد اسکو ملا
 برخلاف اُس ملک کے جو ڈھک رہا ہے بڑے
 ہر طرف ہے بن ہی بن اور قحط ہے جاندار کا
 بھڑپوں کے غول پھرتے ہیں بنوں میں چیر کے
 تاکہ جو ملجائے وہاں آوارہ دشتِ بلا

کر کے چوڑیں اسکو ایسا بیکس دے خانان
 حشر تک پیارے رہیں فرقت میں اسکی یاد خواں

بارے ایسی ہند کی حالت نہیں زار و زوار
 ہے موافق اُس کی وسعت کے رعیت کا شمار
 فرض کیجے کل بنی آدم کے چھ حصے اگر
 ایک حصہ اُس میں اہل ہند پائیں گے قرار
 ہے یقین مقدار اسکی اس سے بھی بڑھ جائے کچھ
 کیونکہ فتنہ کو نہیں مدت سے ملتا اس میں بار
 زندگی کی ریت اب ٹھیرے گی شیشے میں سوا
 بیشتر جس کے نکلنے کا بندھا رہتا تھا تار
 اس قدر بندوں کی روزی کا ہمیں کیوں فکر ہو
 ہے خدا کے حکم پر سب کی معیشت کا مدار
 کچھ نہیں تو قحط کا دورہ سلامت چاہیے
 بڑھنے پائیگا نہ آدم زاد کا حد سے شمار

۱۷ یہ روس کے غیر آباد اور دیوان ملک کی طرف اشارہ ہے ۱۲ (حالی)

۱۸ اس خیال سے مترشح ہوتا ہے کہ شاعر کے نزدیک غریب ہندوستانیوں کی جانیں خزانے دمن

باد رکھ اسے منکر حق۔ بے یقین اصل نجات و سوسوں سے اور کُسل جالی ہے راہ مشکلات

ہر کرن سورج کی اور ہر بوند پانی کی یہاں
لاکھوں جانداروں کے رہنے کو علیہ اک جہاں
وہ خدا جس نے بنایا اور پھر پالا اُنہیں
کیا تجھے اور نسل کو تیری نہ دیگا موت و ناں
ہند کا دریا جو چڑھتا ہے تو چڑھنے دے اُسے
تو یقین کو اپنے رکھ مضبوط بے وہم و گمان
ہے اگر غلبہ کا کثرت پرست عایا کی مدار
ہند ہو سکتا ہے اُدھے ایشیا پر حکمراں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) وحشرات الارض سے زیادہ وقت نہیں رکھتیں۔ کاش وہ
ہندوستان کی آبادی گھٹنے کے لیے یہ امید ظاہر کرنا کہ جس قدر تجارت۔ سیاحت اور علوم و فنون کی
ملک میں ترقی ہوتی جائیگی۔ اُس قدر یہاں کے باشندے ترک وطن اختیار کرتے جائیں گے۔ اور
اس طرح رفتہ رفتہ ملک کے باشندوں کی تعداد ایک مناسب مقدار پر آٹھیرے گی۔

اس بیان میں ایک اور بھی غلطی ہے۔ وہ یہ کہ اوپر کے شعر سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان
کی مردم شماری زیادہ ہوئی ہے۔ اس بات کا اندیشہ ہے کہ ہندوستان کی پیداوار ہندوستانیوں کی
خوراک کے لیے کافی نہ ہو۔ اور اس سبب سے لوگ بھوکے مرنے لگیں۔ اس اندیشہ کو
وہ اس طرح رفع کرتا ہے کہ جب قحط سالیوں میں لوگ بھوکے مرنے لگیں تو مردم شماری بڑھنے
نہ پائیگی اور ملک کی پیداوار ملک۔ انوں کو کافی ہوگی۔ گویا بھوکے سے روکیا علاج بھوکے سے نہ رہتا بتایا ہے
غلبہ کا کثرت رحاب پر نہیں ہے بلکہ رعیت کے ذہن میں یہ بات نہ نشین ہونی چاہیے
کہ چارے اور گورنٹ کے مقاصد متحد ہیں اور ہم پر چاری ہی بہبودی کے لیے حکومت کی جاتی ہے
کیونکہ جب تک رعیت کو اس بات کا یقین نہ ہو۔ کیونکہ امید کی جاسکتی ہے کہ وہ سلطنت کی جانتا رہوگی
(حالی)

کچھ بھی ہمت ہو اگر اس میں تو پھر ممکن نہیں
 آنکھ اٹھا کر دیکھ لے کوئی سوئے بندوستان
 بلکہ خود لے جانے وہ فوج اور لشکر اپنے ساتھ
 اور گڑھے جا کے حد میں غیر کی اپنا نشان

اور اگر کچھ بھی نہ ہو تو بھی کیے جائے بسر عورت - آزادی، بزرگی آرو سے اپنے گھر

حکمت اتنی ہو جس کی اور رعیت اس قدر
 ہو زمین ساری خدا کی برکتوں سے بہرہ ور
 ایسے سلطان بلند اقبال فرخ فال کو
 اور پھر کیا چاہیے؟ کچھ بھی قناعت ہو اگر
 ہے کوئی وادی جہاں میں ہمہ کشمیر آج
 یا کوئی گنگا کے میداں سے زین زرخیز تر
 شہر ہے جو مرکز کشمیر مانند طلسم
 طرف کیفیت سے ہے لہروں میں دل کی جلوہ گر
 دیکھتے ہیں آب صافی میں جب اسکا انعکاس
 دوسرا دینس کا نقشہ صاف آتا ہے نظر
 باغ شالامار جو رونق فرا ہے اُس کے پاس
 ہے وہ اک نیرنگ قدرت کا تماشا سرسبز

سبز و سرسبز و گل کی زین کیے اُسے صفحہ گیتی یہ یا غلہ بریں کہتے اُسے

فی النمل تختہ زمرد کا ہے وہاں اک سبزہ زار
 سایہ افکن اس طرح ہیں ہو ہو اُس پر چار

۱۲ مرکز کشمیر سے مراد شہر "سری نگر" ہے

جھیل کے چاروں طرف جس طرح آتے ہیں نظر
 زیر و بالا اونچے نیچے گھر قطار اندر قطار
 تھی بنانے سے غرض تیرے یہ اسے باغ نسیم
 باغِ جنت کا نہ انسان کو رہے کچھ انتظار
 چوٹیاں پرست کی ہیں یوں برف میں لپٹی ہوئیں
 جا بجا گویا کھڑے ہیں دیو اور جن پہرہ دار
 انکی رفعت اور بلندی کی نہیں کچھ انتہا
 سینہ گردوں سے گویا اب نکل جائیں گے پار
 روزِ روشن میں جب اُن کا جھیل پر پڑتا ہے عکس
 نقری پانی کی اُس کی پھر کوئی دیکھے بہار

اور پھر جھرمٹ زنانِ مہلقا کا ہر طرف (سامنا آفت کا - فتنہ کا - بلا کا ہر طرف)

جنت اے کشمیر کوئی تجھ سی دنیا میں نہیں
 تو نہیں دیتی بھٹکتے اپنے طالب کو کہیں
 ہر چمن یہاں پھول سے اور پھل سے مالا مال ہے
 ہر چمن میں یہاں مہیا ہیں مکاں بہر مکیں
 ان مکانوں اور خیابانوں سے جب آگے بڑھے
 پھر وہ عالم ہے جہاں غیر از خموشی کچھ نہیں
 جیسے ہوتا ہے ابد پر وقت جا کر منہتی
 ختم ہو جاتی ہے دنیا بھی یہاں آکر یونہی
 یعنی اقلیمِ ابد اور یہ جہانِ خامشی
 طاقتِ انسان کی حد سے ہیں پرے دونو کہیں

طرف سناٹا ہے اس سسنان کو ہستان پر
جس کی دنیا میں نہیں تمثیل کوئی دل نشیں
ہیں سراسر ناپید آثار انسانی یہاں منہ پیٹے ہیں پڑے اسرارِ یزدانی یہاں

ڈھونڈیے گراں پہاڑوں کی بلندی کی مثال
ظاہر ان کا اور انگلستان کا ہے ایک حال
جیسے وادی کی زمین سے تافلک پہنچے ہیں یہ
وہ بھی پستی سے پہنچا ہے تا اوج کمال
ہے یقین رستے ہی میں ہو جائے کام اُن کا کام
ہو جنہیں اس کی بلندی تک پہنچنے کا خیال
تا پتی پر آکے انگریزوں نے جب کھولی دوکھاں
اک مدت تک ترقی نے نہ بدلی اپنی چال
یعنی اُس دم تک کہ سکھوں سے ہوا گہرا بگاڑ
اور دریا ہو گئے پنجاب کے سب خوں لال
لشکرِ مقدونیہ کی قتل گاہوں پر ہوا
بعد مدت گرم پھر ہنگامہ جنگِ جدال

اہل انگلستان کو جھگڑوں سے فرصت کم ملی
امن کو فتنہ کے ہاتھوں سے فراغت کم ملی

جب بغاوت نے اُٹھایا سر تو اس سے بھی ہوا
آگ بھڑکی مرگ کی اور خوں کا دریا بہا
عورتیں اور اُن کے بچے بے گنہ مارے گئے
گھر جلے اور دشمن جاں ہو گئے خود دست و پا
بھائی بندوں کی صفائیں دیکھ کر غمگین ہوئے

اہل انگلستان کے ساتھی تھے جو اہل وفا
اور ہزاروں نے یہ باندھے ملے منصوبے کہ بس
عزت انگلستان کی اب خاک میں دیجے ملا
صفحہ ہستی سے نام اُن کا مٹانے کے لیے
ہو گیا تیار جان و دل سے ہر چھوٹا بڑا
لیکن اُن کی گھات میں تھا شکنہ قہر و غضب
پھنس گئے پنجہ میں اُس کے یک بیک اہل خطا

پڑ انگلستان کا ہو کر رہا آخر گراں گرتے گرتے تم گیا اقبال کا اُس کے نشان

گو ہوئی دلی پہ حاصل بر ملا فتح و ظفر
پڑ چم اقبال لہرانے لگا پھر بے خطر
پڑ نہ اس فتح نمایاں کا ہوا اعلان کچھ
وسوسوں سے دل رہے سب اسیلے زیر و زبر
چونک چونک اٹھنے لگے راتوں کو بد خوابی سے لوگ
کر گئی دنیا سے گویا فارغ البالی سفر
صبح کے ہوتے ہی سب کا فور ہو جاتی تھیں وہ
شکلیں بیت ناک جو راتوں کو آتی تھیں نظر
رائے یہ ٹھیری کہ پائے اب وہ قیصر کا لقب
تابع فرماں ہیں جس فرمانروا کے بحر و بر
قوت بازو سے جو حاصل کیا ہے قوم نے
وہ ہمایوں تاج رکھا جائے اُس کے فرق پر

تا کہ سب جانیں کہ نصرت ہند سے فتنہ ہوا عہد انگلستان کا جو کچھ کہ تھا پورا ہوا

اس فوید روح پرور کی اشاعت کے لیے
 ہند میں آیا پرنس آف ویلز انگلستان سے
 البرٹ ایڈورڈ جس کے دودہ اقبال میں
 سو جلیل القدر سلطان ابے پہلے ہو چکے
 جس کے وادائے کیا زیر و زبر نظم فرانس
 اور بتاتا ہے لقب جس کا پتہ اُس جنگ کے
 دی فرانسیسیوں کو جہین نک وہ انگلستان نے
 جس سے واقف ہیں فرنگستان کے چھوٹے بڑے
 حاکم بوہیمیا کی چھین لی تھی جس میں حال
 خود ولی عہد زماں نے یارمی اقبال سے
 جس پہ کلمے اعتراف بندگی کے بر ملا
 حاکم بوہیمیا کے دستخط سے ثبوت تھے

جمع تھے جزائے والا میں فضائل اس قدر وہ ہوا مامور اس کا عظیم الشان پر

وہ مبارک وقت جب لنکا سے لیکر تا عدن
 اُس کے آنے کی خوشی میں محو تھے سب مرد و زن
 راگ گائے جاتے تھے ہر سو مبارکباد کے
 جوش شادی میں درود یوار تک تھے نغمہ زن
 شہر میں جنگل میں - ہر میدان میں - ہر راہ میں
 جمع تھی اُس کے لیے خلق انجن در انجن
 وہ سہانے بول شہنا کے - وہ باجوں کی جھڑی
 پڑ رہی ہے جن کی گویا کان میں اب تک بھرن

کھچ چکے ہیں اُس ہایوں جشن کے نقشے بہت
 میں بھی اسے دکھو یا اسے خیر شاہانِ زمن
 چاہتا ہوں کہینچا خاکہ اک اُس دربار کا
 جس میں کی تو نے قبائے قیصری زیب بدن

جس میں تیرے نام کا ڈنکا بجایا قوم نے جو کہا تھا منہ سے آخر کر دکھایا قوم نے



مَدْرِسۃُ الْعُلُومِ مُسْلِمَانان

مرتبہ ۸۸۰ ۶

جھٹ پٹے کے وقت گھر سے اک مٹی کا دیا
ایک بڑھیا نے سر رہ لا کے روشن کر دیا
تاکہ رہ گیر اور پر دسی کہیں ٹھوکر نہ کھائیں
راہ سے آساں گزر جائے ہر اک چھوٹا بڑا
یہ دیا بہتر ہے اُن جھاڑوں سے اور اُس لمبے
روشنی محلوں کے اندر ہی رہی جن کی سدا
گر نکل کر اک ذرا محلوں سے باہر دیکھیے
ہے اندھیرا گھپ - درو دیوار پر چھایا ہوا

سُرخ و آفاق ہیں وہ رہنما مینار ہیں
روشنی سے جن کی ملاحوں کے بیڑے پار ہیں
ہم نے اُن عالی بناؤں سے کیا اکثر سوال
آشکارا جن سے اُن کے بانیوں کا ہے جلال
شان و شوکت کی تمہاری دھوم ہے آفاق میں
دور سے آ آ کے تم کو دیکھتے ہیں باکمال
قوم کو اس شان و شوکت سے تمہاری کیا ملا
دو جواب اس کا - اگر رکھتے ہو یارائے مقال

سرسنگوں ہو کر وہ سب بولیں زبانِ حال سے
 ہو سکا ہم سے نہ کچھ۔ الانفعال الانفعال
 بانیوں نے تنہا بنایا اس لیے گویا ہمیں
 ہم کو جب دیکھیں خلف۔ اسلاف کو رو یا کریں

شوق سے اس نے بنایا مقبرہ اک شاندار
 اور چھوڑا اُس نے اک ایوانِ عالی یادگار
 ایک نے دنیا کے پودے باغ میں اپنے لگائے
 ایک نے چھوڑے دینے سیم و زر کے بشمار
 اک محبت قوم نے اپنے مبارک ہاتھ سے
 قوم کی تعلیم کی بنیاد ڈالی استوار
 ہو گی عالم میں کہو۔ سرسبز یہ پھلی مراد
 یا وہ اگلوں کی امیدیں لائیں گی کچھ بڑے بار

چشمہ سر جیون ہے جو۔ بہتا رہے گایاں ہی
 سب اتر جائیں گی چڑھ چڑھ ندیاں برسات کی

دور سے امید نے جھلکی سی اک دکھلائی ہے
 ایک کشتی ڈوبتے بیڑے کو لینے آئی ہے
 قوم کے بیرو جواں سب ہو گئے تھے مردہ دل
 درد مندی جوش میں چند اہل دل کو لائی ہے
 پاؤں گے تیار خ میں ہرگز نہ تم اس کی مثال
 سلطنت نے قوم کی جو یہاں مدد فرمائی ہے
 بغیر قوموں نے بھی کی ہے شرطِ ہمدردی ادا

یہ بنا چلتی ہوا تک کو بھی دل سے بھائی ہے
 اُوہم بھی اے عزیزو! مفتنم سمجھیں اے
 اک ضروری کام اپنا۔ کم سے کم سمجھیں اے
 یہ مبارک گھر۔ نزولِ خیر و برکت ہے جہاں
 جس کی پیشانی سے ظاہر ہیں عادی کے نشان
 یہ نہال تازہ جس کو اک زمینِ شور میں
 خرم و سرسبز کرنا چاہتے ہیں باغیاں
 یہ مسیحائی علاج اُس دردِ بے درمان کا
 لادوا ٹھیرا چکے تھے جس کو اطبائے زماں
 یہ نمونہ اُس عزیزِ مصر کا جس نے ستم
 جن کے ہاتھوں سے سے۔ دی قحط سے اُنکولیاں
 عندِ وِپیماں اے عزیزو! تم سے کچھ لینے کو ہے
 قوم کو پھر برکتیں بے انتہا دینے کو ہے
 آرہی ہے اس مکاں کے گوشہ گوشہ سے ہمد
 قوم اگر سمجھے تو ہوں میں بھی قوم کا حاجت روا
 ہے کوئی اکسیر دنیا میں۔ تو ہوں اکسیر میں
 اور اصلِ کیمیا کچھ ہے۔ تو میں ہوں کیمیا
 ہاتھ آجاتا سکندر کو اگر نیرِ اسرارِ غ
 چھوڑ دیتا جستجوئے چشمہ آبِ بقا
 میرے جو حامی ہیں انکی یون پھیلیں گی کوششیں
 ایک دانہ سے ہوں غوغا جس طرح بے انتہا

سے عبث - گر قوم نے بے وقت پہچانا مجھے
برکتیں اُن پر جنہوں نے وقت پر جانا مجھے

اُن سے کہدو - قوم میں ہیں جو کہ عالی خاندان
یا جنہیں جاگیر و منصب پر ہے ناز بیکراں
کیا لیے بیٹھے ہو فخر منصب و جاگیر کو
منصب و جاگیر ہیں سب - کوئی دیکھے میہماں
تم نہیں رتبہ میں بڑھ کر تعلق و تیمور سے
تنگ ہے آج اُن کی نسلوں پر زمین و آسمان
چھوڑ جاؤ واسطے اولاد کے کوئی سپر
ورنہ وار اپنا کرے گی - گردشِ دورِ زماں

آؤ باندھو عہدِ مجھ سے اور میرا ساتھ دو
میرا سودا نقد ہے - اس ہاتھ دو اُس ہاتھ لو

میں تمہیں پستی سے پہنچاؤں لگا تا آج کمال
میں تمہیں دیکھوں لگا جب گرتا ہوا - لوں لگا سنبھال
میں بناؤں گا تمہارے کام سب بگڑے ہوئے
میں سنبھاؤں گا زمانہ کی تمہیں سب چال اُٹھال
جو کریں گے آج میری دست و بازو سے مدد
میں سدا کرتا رہوں گا اُن کی نسلوں کو نہال
قوم کا حامی ہوں اور اسلام کا یادگار ہوں میں
چاہو دار الکفر سمجھو مجھ کو - یاد ارفضال

میں دیکھا دوں گا کہ جو دشمن تھے میرے نام کے

تھے حقیقت میں وہ دشمن قوم اور اسلام کے

ملک میں عزت سے رہنا میں سکنا و لگا تمہیں

سلطنت کا معتمد بننا۔ بتاؤں گا تمہیں

قابلیت تم میں بڑھنے کی ہے دیکھو اس قدر

بڑھ سکو گے جس قدر اُتار بڑھاؤں گا تمہیں

تب یہ سمجھو گے کہ ہم سوتے تھے کب کے بخیر

دفعۃً جب خواب غفلت سے جگاؤں گا تمہیں

یاد ہو گا تم کو وہ کھویا ہوا اپنا خطاب

پھر مخاطب ”خیر است“ کا بناؤں گا تمہیں

مجھ کو دیکھو گر مرے دعووں میں ہو کچھ اشتباہ

روز روشن آپ اپنی روشنی پر ہے گواہ

بارک اللہ! اے ریاض علم! اے عین الحیات

ہے ہمارے بخت و دولت کی عناں اب تیرے ہاتھ

ہو تو ہو اب روشنی تیری دلیل کارواں

چار سو کالی گھٹا چھائی ہے اور کالی ہے رات

قوم سے تو بھی یونہیں جہل اور تعصب کو مٹا

جس طرح دینِ ضیفی سے مٹے لات و منات

چھوڑ جائیں گے جہاں میں جو کہ تجھ جیسے نشان

چھوڑ جائیں گے وہی کچھ باقیاتِ الصالحات

ایک باہمت جماعت جب سے تیرے ساتھ ہے

ہم سمجھتے ہیں ترے سر پر خدا کا ہاتھ ہے

تو سدا آباد رہے قوم کی امید گاہ!
 اے یگانوں اور یگانوں کے یکساں خواہ
 دیکھتے ہیں غیر- حیرت اور تعجب سے تجھے
 قوم نے اب بھی اگر سمجھا نہ تجھ کو- آہ! آہ!
 اپنے حامی آپ پیدا کر- کہ کوہ سر بلند
 اپنی پونجی سے ہے آپ اپنے لیے پشت و پناہ
 خیر کی امید رکھنی ہے عبث- اُس قوم سے
 آپ کو جس نے کیا ہوا اپنے ہاتھوں سے تباہ

چارہ آخر کچھ نہیں حالی بحر صبر و سکون
 کر دُعَا ابْ رَاحِدِ قَسَمِی اَللّٰهُ لَا یَعْلَمُوْنَ

شکوہ ہند

یہ پُر زور اور پُر اثر ترکیب مشاعرہ کی تعینت ہے۔ اس میں مولانا نے کمال عہدگی کے ساتھ مسلمانوں کی پہلی حالت کا حال موجودہ سے موازنہ کر کے بتایا ہے کہ ہماری پہلی حالت اور ہماری اس حالت میں کتنا زمین آسمان کا فرق ہے۔ پہلے کو کسی اچھی عادت اور عمدہ اخلاق تھے جو ہم میں نہ تھے اور اب کو کسی بُری خصلت اور افعالِ شنیعہ ہیں جن کے ہم ترک نہیں یہ ترکیب اپنے پُر زور طرزِ بیان اور اپنی سلاست و روانی کے لحاظ سے مولانا کی نہایت مشہور نظموں میں سے ایک ہے (اسمعیل)

بندِ اول

(احساناتِ ہند بر مسلمانان)

رضت اے ہندوستان! اے بوستانِ پیچِ زلال
 رہ چکے تیرے بہت دن ہم بدیسی میہماں
 آج گو شکووں سے ہیں لبریز ہم اے خاکِ ہند
 ہیں مگر احسان اگلے تیرے سب خاطرِ نشاں
 تو نے بیگانوں کی خاطر کی لگانوں سے سوا
 میہماں تھے۔ پُر بنایا تو نے ہم کو میزبان
 تیرے باغوں کی فضاؤں نے دیے دل سے بھلا
 شعبِ بوآن و سحرِ قند و دودِ شوق و اصفہاں

یاد کچھ جیوں رہا ہم کو۔ نہ دجلہ اور فرات
 تیرے گنگا جل نے جبے تر کیے کام و زباں
 تیری کاشی کی کشش نے کر دیے ہم سے جدا
 یزب و بلخا و صنعا و زبید و نہرواں
 تیرے ذوقِ نیشکر نے کر دیے سبیل سے محو
 بصرہ و طائف کے نارستاں اور فرماستاں
 فصلِ گل میں دیکھ کر جو بنِ ہماں کا ترے
 مرو اور شیراز کے بھولے چمن اور گلستاں
 تیرے سر جوں پہاڑوں نے دیا جی سے اتار
 نہرِ رکنی اور گلگشتِ سمنے کا سماں
 دعوتیں بھولیں سمرقندی و شیرازی تمام
 اس قدر الوانِ نعمت کے لگائے تو نے خوان

نقش ہیں دل پر ہمارے سب مداراتیں تری
 ہم نہ بھولیں گے کبھی دن تیرے اور راتیں تری

بند دوم

(انجام غایت)

تھی ہماری قوم و ملت رسم و عادت سب جدا
 رشتہ و پیوند کوئی ہم میں اور تجھ میں نہ تھا
 بول چال اپنی الگ تھی اور زباں تیری الگ
 تجھ سے ہم تھے اجنبی۔ اور ہم سے تو نا آشنا

ہم میں اسے ہندوستان! گوڑے جنسیت نہ تھی
 تو نے لیکن اپنی آنکھوں پر لیا ہم کو بٹھا
 تو نے سوئی فہرود دولت ہم کو اور طبل و نشان
 تو نے بخٹے قصر و ایوان ہم کو اور بستان سرا
 تو نے ثروت دی۔ حکومت دی۔ ریاست دی ہمیں
 شکر کس کس مہربانی کا کریں تیری ادا؟
 نہہ سکیں لیکن نہ آخر تک یہ خاطر داریاں
 جو دیا تھا تو نے آخر کو سب رکھو الیا
 خیر۔ اپنے مال کا تو ہر طرح تھا اختیار
 جس سے چاہا لے لیا۔ اور جس کو چاہا دیدیا
 کھینچ لیں اپنی۔ اسی دم اٹھ کے گدی سے زبان
 بھول کر بھی گزریاں پر اسکا آجائے گلا
 پر۔ بگلا یہ ہے کہ جو کچھ اپنا ہم لائے تھے ساتھ
 وہ بھی تو نے ہم سے لیکر کر دیا بالکل گدا
 آدمیت کے تھے جو ہر جو ہماری ذات میں
 خاک میں آخردیے اے ہندو! سب نے ملا

یاد ہو گا تجھ کو یہاں آئے تھے ہم کس شان سے
 تجھ کو سو گند اپنے ست جگت کی بتا ایمان سے

ہند سوم
 (فہرست فضائل مسلمانان)

ترکمانی مملکت اور مغلی جلاوت ہم میں تھی

عزم گردی ہم میں تھا۔ بدوی حیثیت ہم میں تھی
 ہاشمی آداب و عباسی فضائل ہم میں تھے
 نطق اعرابی و عدنانی فصاحت ہم میں تھی
 ضرب کراہی اور چرب خال دی رکھتے تھے ہم
 سطوت حمزی و فاروقی جلال ہم میں تھی
 عرف غیرت تھی دلیل اپنی شرافت کی۔ نہ مال
 جھینپی ہے جس سے دولت وہ شرافت ہم میں تھی
 آج خاورد تھا مقام اپنا۔ توکل تھا باختر
 عیش و عشرت کی نہ فرصت تھی نہ عادت ہم میں تھی
 تنگ تھا ہم کو مشقت سے۔ نہ مزدوری عار
 جو بزرگی تھی مشقت کی بدولت ہم میں تھی
 ہم شتر بانی سے پہنچے تھے جہان بانی تلک
 اس لئے باقی شتر بانوں کی خصلت ہم میں تھی
 جو نشان اقبال مندی کے ہیں سب ہم میں تھے
 حبیب دینی ہم میں تھا۔ قومی وحدت ہم میں تھی
 گھر ہمارے اور ہم سب۔ وقف مہالوں چسکے
 یزنی مہمان نوازی و ضیافت ہم میں تھی
 پھوٹ سے واقف نہ تھے ہم تیری اویں ہندوستان
 احمدی اخلاق و اسلامی اخوت ہم میں تھی

چھین لی سب ہم سے یہاں شان عرب آن عجم
 تو نے اپنے غارت گرد اقوام و امکاں الام

ہند چہام

(حالات موجودہ)

آئے تھے اے ہند! یہاں ایسے ہی ہم نار و نزار
 ہے عجب کو جن سے تنگ اور ہے عجم کو جن سے عار
 ہم انہیں اسلاف کے معلوم ہوتے ہیں خلف؟
 جن کی تھی محکوم نسل رستم و اسفندیار
 ہم انہیں بابوں کے بیٹے تھے کو آتے ہیں نظر؟
 جن کی جولانگاہ تھی تانہار سے تانہ بخار
 ہیں ہمیں اے آریادرت! ان سواروں کے پیوت؟
 جن کی دھڑوں سے ہیں واقف تیرے دشت و کوہبار
 ہم سدا سے خاکسار ایسے ہی تھے اے خاکِ ہند؟
 اُٹھتی پھرتی تھی زمانہ میں یہی مشیتِ غبار؟
 تھیں یہی شکلیں ہماری۔ تھا یہی رنگ و روپ؟
 تھی یہی شیر ہماری؟ تھا یہی اپنا شعار؟
 گر سلف دیکھیں ہمارے زندہ ہو کر اب ہمیں
 آئے نسبت اور قرابت سے ہماری ان کو حال
 سیرتیں تو نے بدل دیں۔ مسخ کر دیں صورتیں
 آبرو تو نے ڈبو دی۔ کھو دیا تو نے وقار
 کو دنیا شیر وں کو تو نے گو پیغند اے خاکِ ہند
 جو خاکِ افغن تھے۔ انکڑ ہو گئے یہاں خود شکار

نکبتیں یہ سب۔ جیہی سے ہم کو آتی تھیں نظر
 آئے تھے یہاں۔ جبکہ اپنا چھوڑ کر ملک دیار
 تھا یقین ہم کو کہ شامت رفتہ رفتہ آئے گی
 ہم کو تو۔ اے خاکِ ہند! آخر یوں نہیں کھا جائیگی

بند پنجم

(نتیجہ حرم)

دیکھتے ہیں اب وہی آنکھوں نے صبح و شام ہم
 جو مدار اتوں کا سمجھے تھے تری۔ انجسام ہم
 توڑ ڈالے جلد تو نے عہد اور پیمان سب
 "بے وفا" سنتے تھے سچ اے ہند! تیرا نام ہم
 "دیر تک" رہتا ہے جو انسان۔ نہیں رہتا عزیز
 سنتے ہیں دیوار و در سے ترے یہ پیغام ہم
 عیب جو دنیا میں ہیں وہ ہم پہ تھپ جاتے ہیں سب
 کیا زمانہ میں ہمیشہ تھے یوں نہیں بد نام ہم؛
 سب کو ہو جاتا ہے ناکامی کا پہلے ہی یقین
 اُٹھتے ہیں کرنے کو جب بہت کا کوئی کام ہم
 تو نے دیکھا تھا کبھی اسلامیوں کا حال یہ؛
 کیا عرصے لے کے نکلے تھے یہی اسلام ہم؛
 بس! زیادہ پیسنے سے اپنے کیا حاصل تجھے؛
 پس چلے اے آسیائے گردشِ ایام ہم

شکوہ قسمت کا ہے جو یہاں کھینچ کر لائی ہیں
 تجھ کو اے ہندوستان! کس منہ سے دیں الزام ہم
 پھر گئی سرحد سے تیری فوج یوناں جس طرح
 کاش! پھر جاتے یونہیں در سے ترے ناکام ہم
 رہتے قانع اپنی محنت اور مزدوری پہ کاش
 آکے یہاں پاتے نہ ذوقِ راحت و آرام ہم

دشمن اپنا ہو گیا سوداے مال و جاہ حیف
 حرص نے طعمہ کی شیروں کو کیا رو باہ - حیف

بند ششم

(یاد ایام گذشتہ)

وہ مسلمانوں کی ہر بازی میں سبقت کیا ہوئی
 وہ حجازی غیرت اور کئی حیثیت کیا ہوئی؟
 ہم مسلمانوں سے ہے اے ہند! تنگ اسلام کو
 تھا لقب "غیرالام" جس کا۔ وہ امت کیا ہوئی
 جی کسی کی عزت افزائی سے خوش ہوتا نہیں
 دل گواہی جس پہ دیتا تھا۔ وہ عزت کیا ہوئی
 دین و دولت - علم و دانش - ہم میں کچھ باقی نہیں
 حق نے پوری کی تھی جو ہم پر۔ وہ نعمت کیا ہوئی
 ملک مال و سلطنت - اک آنی جانی چیز تھی
 جو ہمیشہ رہنے والی تھی وہ دولت کیا ہوئی؟

قریب قریب تر سے علم و فضل سے سمور تھا
 اب وہ اے اسلام! تری خیر و برکت کیا ہوئی؟
 جس نے مغرب کو کیا مشرق۔ وہ سوچ کیا ہوا؟
 جس سے گھر گھر بن گیا یوناں۔ وہ حکمت کیا ہوئی
 کوہ و دریا جن کے ہوتے تھے نہ ہرگز سد راہ
 وہ ارادے کیا ہوئے؟ اور وہ عزیمت کیا ہوئی
 کوئی مشکل ہم کو میداں سے ہٹا سکتی نہ تھی
 وہ ثبات اور پائیداری اور وہ ہمت کیا ہوئی؟
 ہوگی اے ہندوستان! آمد ہماری تجھ کو یاد
 وہ مسلمانوں کی ہیبت اور وہ صورت کیا ہوئی

وہ برو و دوش اور وہ سینے پہلوانی کیا ہوئے
 وہ قد و بالا و چہرے ارغوانی کیا ہوئے؟

بند ہفتم

(خصائص اہل اسلام - غیرت و حمیت)

جب تک اے ہندوستان! ہندی نکلاتے تھے ہم
 کچھ ادائیں آپ میں۔ سب جدا پاتے تھے ہم
 اپنی خود کرتے تھے عزت۔ گرنہ کرتا تھا کوئی
 سر ہراک فرعون کے آگے نہ نہواڑتے تھے ہم
 حاجتیں ہوتی تھیں جو اپنی۔ روا کرتے تھے آپ
 ہاتھ آگے میر و سلطان کے نہ پھیلاتے تھے ہم

تھے اُسے لہائے سلطانی سے بہتر جانتے
 اپنی محنت سے اگر نان جوین کھاتے تھے ہم
 تھے نہ کر گس اور زغن کی طرح ہم مردار خوار
 تھا وہی قوت اپنا۔ جو خود مار کر لاتے تھے ہم
 تھی اُلوالعزمی و ہمت اپنی مفتاحِ ظفر
 چار سو راہیں نیشست کی کھلی پاتے تھے ہم
 جب کبھی۔ جس کام کی خاطر۔ جدھر منہ اٹھ گیا
 پھر پلٹ کر وہاں سے خالی ہاتھ کماتے تھے ہم
 جی جراتے تھے نہ مکروہاتِ عالم سے کبھی
 اور خلافِ چرخِ دوراں سے نہ گھبراتے تھے ہم
 اسب تازی کی طرح تھی قوم تازی بھی غیور
 جب کوئی بڑھتا تھا ہم سے۔ تملتا جاتے تھے ہم
 ہے حمیت کو ہماری اک زمانہ جانتا
 سر ہو جاتے تھے سب۔ جبوقت گراتے تھے ہم

حال اپنا سخت عبرتناک تو نے کر دیا
 آگ تھے اے ہند! ہم کو خاک تو نے کر دیا

بند ہشتم

(خدمتِ مہمان و ہمسایہ)

کھا کے نعمت۔ دل ہمارا شادماں ہوتا تھا
 ساتھ دسترخوان پر گر میھاں ہوتا تھا

کر سکتے تھے مہمان ہمارے۔ ماحضر پر اکتفا
 تنگ دل تھاں سے کوئی میزباں ہوتا نہ تھا
 ہم کو پہنچی تھی "خلیص اللہ" سے خواں گزری
 عسکر اور نگلی میں بھی ملے اپنا خواں ہوتا نہ تھا
 رکھتے تھے بچوں کو بھوکا اپنے گھروں کے لیے
 خرچ سے گھر کے سوا کھانا جہاں ہوتا نہ تھا
 تھا مسافر کے لیے ایک ایک گھر مہمان سرا
 ہم کو کچھ غربت میں فکر آب و نماں ہوتا نہ تھا
 میہمانوں کو تھے اپنے گھر کی برکت جانتے
 تعمیر مہمان کا برسوں گراں ہوتا نہ تھا
 جانتے تھے ہم کہ ہے اس پر خدا نامہرباں
 جو کہ ہمسائے پہ اپنے مہرباں ہوتا نہ تھا
 ہم ہر اک آفت میں ہمسایوں کی رہتے تھے پیر
 دشمنوں سے اپنے اُن کو خوف جاں ہوتا نہ تھا
 چپکے چپکے حاجتیں کرتے تھے سب اُنکی روا
 فقر و فاقہ اُن کا خلقت پر عیاں ہوتا نہ تھا
 پیٹ بھر لیں اپنا۔ اور ہمسایہ فاقہ سے رہے
 اتفاق آگے یہ اسے ہندوستان! ہوتا نہ تھا

یوں نہ سمجھنسوں سے کرتی تھیں یہ آنکھیں چوریاں
 تو نے اپنی سی سکھا دیں ہم کو تنہا خوریاں

ہمدِ ہم (محبت و صداقت)

جس سے کرتے تھے محبت - بے ریا کرتے تھے ہم
 جس سے ہوتی تھی شکایت - بر ملا کرتے تھے ہم
 شکوہ ہوتا تھا تو اکثر منہ پہ کمرہ دیتے تھے ہم
 شکر کرتے تھے تو غیبت میں بسوا کرتے تھے ہم
 دوست بن جاتے تھے جسکے - اُس سے کرتے تھے نباہ
 عہد کرتے تھے تو عہدوں کو وفا کرتے تھے ہم
 جن کے ہو جاتے تھے ساتھی - انکا ہم دیتے تھے ساتھ
 رنج و راحت میں شریک اُنکے رہا کرتے تھے ہم
 کرتے تھے عُست میں اُنکے واسطے فکرِ معاش
 اُن کی بیماری میں تدبیر اور دوا کرتے تھے ہم
 کام میں یاروں کے - اپنے کام سببیتے تھے چھوڑ
 اس میں روزے اور نمازیں تک قضا کرتے تھے ہم
 یار کوئی مر کے اپنے سے بچھڑ جاتا تھا جب
 یار کی اولاد پر جانیں فدا کرتے تھے ہم
 سنتے تھے اپنے بڑوں کاہن سے پیار اور اتحاد
 اُن کی نسلوں سے وہی رہیں ادا کرتے تھے ہم
 دشمنوں کی زد میں دیتے تھے نہ آنے ہم کو دوست
 لوگ دیتے تھے ہمیں - جب کچھ خطا کرتے تھے ہم

آج وہ کام آئے اپنے۔ کل ہم اُن کے آئے کام
 بارہا باہم سلوک ایسا کیا کرتے تھے ہم
 تو نے اے ہندوستان! کھودیں کہاں وہ یاریاں
 یاریاں ہم میں رہیں باقی - نہ غم خواریاں

ہندوہم

ایک رنگی و برادرانہ مساوات

تیرے سایہ سے رہے اے ہند! جب تک دور ہم
 اپنی یکرنگی رہی ضرب المثل بَیْنُ الْأُمَمِ
 مل گیا جو ہم میں آکر۔ پھر نہ تھے ہم پوچھتے
 روم ہے یا ترک؟ ارمن ہے؟ عرب؟ یا ہے عجم؟
 بنت بیفانے قوموں کی مٹادی تھی تمیز
 تھے بلالؓ و جعفرؓ و سلمانؓ برابر محترم
 ایک رنگت میں اخوت کی۔ تھے سب رنگے ہوئے
 اسود و احمر تھے جو اسلام کے زیرِ علم
 رنگی و خوارزمی و تاتاری و مازندری
 ایک دسترخوان پر کھاتے تھے سب ملکر ہم
 گوسدا آپس میں لڑتے اور جھگڑتے تھے۔ مگر
 وقت جب پڑتا تھا آکر۔ ایک ہو جاتے تھے ہم
 فرق رکھتا تھا کہ وہ میں نہ کچھ اسلام نے
 تھے برابر نفقہ و کسوت میں آقا اور خدام

حق خلیفہ کا نہ تھا اُس میں رعیت سے سوا
 جمع بیت المال میں ہوتی تھی جو آکر رقم
 ٹوک دیتا تھا سر دربار۔ بڑے کراک غلام
 گر کہیں بے راہ اٹھ جاتا تھا حاکم کا قدم
 شوکت دیں گے سوا۔ شوکت نہ تھی کوئی پسند
 ملک جم لیکر نہ پاس آتا تھا اپنے کبرِ جم

صحبتوں میں تکیہ و مسند کا آئیں کچھ نہ تھا
 مجلسوں میں امتیازِ صدر و پائیں کچھ نہ تھا

بندِ یازدہم

(راستی و صدقِ عہد)

راستبازی میں ہماری لوگ دیتے تھے نظیر
 فرد تھے پاسِ سخن میں قوم کے برناؤ پر
 دوست دشمن کو ہمارے قول پر تھا اعتماد
 دے چکے جب ہم زباں۔ پھر تھی وہ پتھر کی لکیر
 تھے ثقہ بھی ہم میں۔ بد اطوار بھی۔ ادبِ باش بھی
 تھا سخن کا اپنے لیکن پاس سب کو ناگزیر
 کوئی بد عہدی سے بڑھ کر نہ تھا عیب اُن کیلئے
 حق جنہیں کرتا تھا ہم میں۔ وارثِ تاج و سریر
 جیسے رہزن اور لٹیرے تھے ہمارے راستباز
 رہنماؤں میں نہیں پاتے ہم آج اُن کی نظیر

دل میں کچھ ہوا اور زباں پر کچھ۔ یہ خاصیت نہ تھی
 خاک میں اُس سرزمین کی۔ جس سے تھا اپنا خمیر
 جنگ تھی تو بر ملا تھی۔ صلح تھی تو بے ریا
 ہم کو زہر آتا نہ تھا دینا۔ بنا کر جام شیر
 منہ سے جو نہ بیٹھتے تھے۔ کر دکھاتے تھے وہی
 ہے گرج کر پھر برستا جس طرح ابرِ مطہر
 چھاؤں میں ہم جا کے تلواروں کے کہاتے تھے حق
 غالب آتا تھا نہ ہم پر خوفِ سلطان و امیر
 پر بنایا جب سے ہم نے بلجا و ماویٰ سمجھے
 راستبازی ہو گئی اسے ہند! ہم سے گوشہ گیر

کر دیے تو نے تمام اسلام کے ارکانِ سست
 ہو گئے بودے ہمارے عہد۔ اور پیمانِ سست

بندِ دوازدہم (دفعہِ علم و حکمت)

شرق سے تاغِ جبِ عالم میں تھا قحط الرجال
 تھی ہماری قوم میں ارزائے اہل کمال
 علم و حکمت نے ہماری آن کر لی تھی پناہ
 روم اور یونان پر جب چھا گیا جمل و ضلال
 جاہلوں کا تھا ہماری قوم میں گھانا یونہیں
 جیسے اب لکھے پڑے ملتے ہیں ہم میں خالِ خال

منع - استدلال یا توحید - یا تحقیق حق
 تھری بھی اکثر ہماری نجاسوت میں قیل و قال
 ترک میں رشتہ ہی تھی اور نہ جھانگ رہا بیرون
 دین بیٹھتے دیا تھا آگے ہاتھ سا نکھالی
 غم بھی نہ پاتھا - جانتے تھے جہاں ہم - ساتھ ساتھ
 وطن نے اسلام - یہ باندھا تھا چہاں رہنا
 سیم و زر کم پیور کو جانتے تھے ہم میراث میں
 بھی کتاب اپنی بجا عت اور دب اپنا تھا مال
 خالق کرتی تھی ہماری ریس - رسم و راہ میں
 کر دیا تھا علم نے سب کے لیے ہم کو مثال
 آج جس علم و ہنر سے ہے چراغ مال بزم و ہر
 ہم بنے بنیاد اس کی - ی تھی پیشہ دنیا میں مال
 تھی ہماری دولت - اے ہندوستان! غم و ہنر
 آگیا نیری بدولت اپنی دولت کو زوال

ہم کو ہر جوہر سے یوں بالکل معزاکر دیا
 تو نے اے اب و ہوا سے ہند یہ کیا کر دیا

پنہلہ پیٹھ شہرہ

(آخری نوٹ)

ہم نے یہ مانا کہ جب گلشن میں ہر فصل خزاں
 بے محل ہے چھوڑنی وہاں سہل گلشن کی داستان

ہوں سلف پر ارباب چھایا ہوا ادبار کا
 پھر سلف کی شان دشوکت کیجے کس نہ یہ بیان
 میں یہ باتیں بھول جائیگی۔ مگر کیونکر کوئی؟
 بھول جائے رات کا سب صبح ہوتے ہی سماں
 بزم کو برہم ہونے بدست نہیں گذری بہت
 اٹھ رہا ہے گل سے شمع بزم کے ایتک دھواں
 کہ رہتے ہیں نقش پائے ہر داڑی سے خاک بند
 یہاں سے گذرا ہے ابھی اک باجھل کارواں
 گویا قیں ہے رفتہ رفتہ یاد ایام سلف
 دل سے چھوڑے گی مٹا کر گردشِ دورِ زماں
 بھول جائیں گے کہ تھے کن ڈایوں کے ہم غم
 ٹوٹ کر آئے کہاں سے؟ اور پکے اگر کہاں؟
 پر زمانہ میں رہیں گے تاقیامت یا دگار
 جو کیے برتاؤ تو نے ہم سے اے ہندوستان!
 ماجرا ہوگا ہمارا عبرت - آوروں کے لیے
 حجت جائیں گے بہت - سن کر ہماری داستان
 آگ سے رہتا ہے جیسے ددردور آتش پرست
 حکمراں تیرے یونہی تھہرے رہیں گے برکراں

برکتیں یہاں چھوڑ کر ہم اپنی جائیں گے بہت
 ہم نہ ہوں گے پر نصیحت ہم سے پائیں گے بہت

مسلمانوں کی تعلیم

مرتبہ ۱۸۸۹ء

بزرگاب ریزن انجکیشن کا انفرنس کے چوتھے اجلاس میں بمقام علیگڑھ
پڑھا گیا تھا

بندِ اوّل

زمانہ دیر سے چلا رہا ہے اے مسلمانو!
کہ تہ گردش میں میری غیب کی آواز پہچانو
سنے ہوں گرنہ معنی لاتسبوا الدھر کے تم نے
تو اب سن لو کہ ہونئیں شان ربانی مجھے مانو
وہ ناصح اور ہوں گے جن کا کناٹل بھی جاتا ہے
اگر میری نہ مانو گے تو پچتاؤ گے نادانو!
مری بازی کا منصوبہ کیا کب کا پلٹ یا رو
خبر تم کو بھی ہے کچھ۔ اے مری چالوٹے بیگانو!

اے وہ دن کہ انفرنس کرتے تھے دیندار دنیا پر
بقائے دین و ملت نضر دنیا پر اب جانو

۱۔ یہ ایک حدیث کی طرف اشارہ ہے جس کے الفاظ یہ ہیں لاتسبوا الدھر فان
الدھر هو اللہ یعنی زمانہ کو زمانہ کو کیونکہ وہ بھی ایک شان ہے شیون الہی میں سے اور زمانہ
کے جو واقعات تم کو ناگوار گزرتے ہیں وہ درحقیقت خدا کے کام ہیں ۱۲ (حالی)

گئے وہ دن کہ ثروت بابہ دادا تھوڑا جانتے تھے
 بس اب ثروت ہے مزدور دکاندار سے نیا مانو
 گئے وہ دن کہ لاکھوں بے ہنر یہاں میٹر کرتے تھے
 ہوا ہے سب بے ہنر جیسا بھی اب شک پوری جانو
 سنے ہو جس خیر اور فتنہ بہ تم۔ وہ بٹے واسے ہیں
 یہ سودا گب تک لے شمع سحر گاہی کے پروانو
 بھرا سبھی ہو جس گھر کو۔ نہیں دیا زوہاں کوئی
 کہاں بیٹھہ ہو تم۔ اسے قاتل ویراں کے دربانو

انصیحت بہری مانو۔ اب بھی اپنی ہٹ سے باز آؤ
 پھری جس وقت دینے پوری جتوں۔ تم بھی پھر جانو

پہلا دوم

گیا دورہ حکومت کا۔ بس اب حکمت کی ہے یاری
 جہاں میں چار سو علم و عمل کی ہے عہداری
 جنہیں دنیا میں رہنا ہے۔ رہے معلوم یہ اُن کو
 کہ ہیں اب جہل و نادانی کے معنی ذلت و خواری
 ضرورت علم و دانش کی ہے بزرگ اور صفاست میں
 نہ چل سکتی ہے اب بے علم تجارتی و نہ شماری
 جہاں علم تجارت میں نہ ماہر ہوں گے سوداگر
 تجارت کی نہ ہوگی تاقیامت۔ گرم بازاری

نہ آئے گی پسند ان نوکروں کی خدمت و طاعت
 جنہیں پائیں گے آقا زیورِ تعلیم سے عاری
 اگر چاہیں گے کرنی آدمی گھوڑوں کی سائسی
 تو دینا سو گا ان کو امتحانِ علم بیضی
 نہ مستغنی بکا دل علم سے ہیں اب - یاد رہی
 ہوا ہے در رسوں سے مٹنوں تک فلسفہ جاری
 یقین جانو کہ آئندہ ملے گی درسگاہوں میں
 گر آٹا پیسے کو چاہیے گی - ایک پاسداری
 کوئی پیشہ نہیں اب مقبرے بے تربیت ہرگز
 نہ فسادی - نہ جراحی - نہ کھائی - نہ عطاری

جہاں تک دیکھیے تعلیم کی فرماں روائی ہے
 جو سچ پوچھو تو سچے علم ہے - اوپر خدائی ہے

بند سوم

گئے وہ دن کہ تھا علم و ہنر انسان کا زیور
 ہوئی ہے زندگی خود منحصر اب علم و دانش پر
 کوئی بے علم - رونی سیر ہو کر کھا نہیں سکتا
 نہ زر گر اور نہ آہنگر - نہ بازیگر - نہ سوداگر
 دشمن چاہیے مزدور اب - اور راج اقلیدس
 بس اب دنیا میں بے علموں کا ہے اللہ ہی یاد

نہ پہنے گا کوئی جاہل کی شاید سی ہوئی جوتی
 بس اب سوچی فلاحوں سے یونیس کچھ ہوتی ہوں کمتر
 جہان داری میں آج ایک ایک عامل ہے جم و کسریٰ
 جہانگیری میں ہے ایک اک سپاہی طفل و سنجر
 گئے وہ دن کہ تھے محدود کام انسان کے سارے
 برابر تھابے کا گھونٹلا۔ اور آدمی کا گھر
 یہ دورہ ہے بنی آدم کی روز افزوں ترقی کا
 جو آج اک کام ہے اعلیٰ توکل اُس سے اعلیٰ تر
 کوئی دن میں خسارہ سب سے بڑھ کر اسکو سمجھیں گے
 کہ دو دن آدمی ٹھیرا رہے یہاں ایک حانت پر
 نہ تھا غیر از ترقی فرق کچھ انسان و حیواں میں
 دیا ہے امتیاز انسان کو یہ تعلیم نے آکر

زمانہ نام ہے میرا تو میں سب کو دکھا دوں گا
 کہ جو تعلیم سے بھاگیں گے۔ نام اُن کا مٹا دوں گا

بند چہارم

ہمارے شکر سے اے قوم احسان اُسکا بالا ہے
 کہ جس نے قوم کی تعلیم کا یہاں ڈول ڈالا ہے
 خدا کی برکت اور رحمت ہو نازل تجھ پہ اے سید
 کہ تو نے بھائیوں کی دوتا بیڑا سنبھالا ہے

خدائی قوم کے تجھ سے ہی گزرے ہوئے دنیا میں
 کہ دل سوزی کا جن کی آج قوموں میں ابلا ہے
 بھلائی کا تری احسان مانیں یا نہ مانیں ہم
 بھلائی کرنے والوں کا ہمیشہ بول بالا ہے
 کریں کیا۔ گر نہ اپناے زماں ہوں بدگماں تجھ سے
 کہ دردِ دل کی کیفیت سمجھ سے اُن کی بالا ہے
 نمونہ کوئی ہمدردی کا دیکھا تھا نہ یاروں نے
 ترے کا سور نے اُن کو اس لیے ہیرت میں ڈالنا ہے
 کیا ہے کام جو تو نے۔ نہ ڈرا انجام سے اُس کے
 کہ نیکی کا نشان قائم خدا خود رکھنے والا ہے
 کیا گو تو نے سب کچھ۔ پر بہت کچھ ہے ابھی کرنا
 ہے آخر قوم کی تعلیم یا موٹھ کا نوالہ ہے
 جسے اجباب اک قصرِ رفیع انسان سمجھے ہیں
 نہ ہو تو اُسکا پشتیان تو اک مکڑی کا جالا ہے

عزیزوں کو خدا وہ نامبارکِ دِن نہ دکھلائے
 کہ سایہ تیری ہمدردی کا اُن کے سر سے اٹھ جائے

بندِ پنجم

ترے احسان رہ رہ کر سدایا دے آئیں گے اُن کو
 کریں گے ذکر ہر مجلس میں۔ اور فہرائیں گے اُنکو

ترہی رانوں کو جو منسوب کرتے ہیں خضالت سے
زمانہ کے حوالہ جلد تر شمر جائیں گے ان کو

ترہی کو شمشیر تیری زندگی میں جو کہ بہتے ہیں
بتا کج اس کے تیرے بعد خون رلوائیں گے ان کو
ترے کاموں کو خود رانی پہ جو بنوں کرتے ہیں
دل ان کے کوئی دن جاتا ہے خود بھلائیں گے انکو
انہوں نے خود غرض شکیں کبھی دیکھی نہیں شاید
وہ جب آئینہ دیکھیں گے تو ہم دکھلائیں گے انکو
بہت مشکل پہ جانی سردھری قوم کے واسے
مگر تیرے ہی دل کے دغ کچھ گرامیں گے انکو
اگر میں بھی کہیں کچھ دبی چنگاریاں باقی
نکائیں گی وہ گھر میں آگ جب ملگائیں گے انکو
بہت ہیں مدعی ہمدردی اسلام کے - لیکن
شولیں گے انہیں جب یار خالی پائیں گے انکو
کبھی تسبیح کو انکی - ملی فرصت و ظائف سے
تو تیری خدمتیں اسلام کی گنوائیں گے ان کو

ملا گو قوم سے اب تک نہیں اضملا صحما تجھ کو
نہیں امید پر تجھ سے کہ ہو اس کا گلا تجھ کو

بند ششم

جنہوں نے قوم کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا ہے
انہوں نے پھل سدا محنت کا کم دنیا میں پایا ہے

یہ تیری خوش نصیبی تھی کہ غرہ تیری کوشش کا
 جانے زندگی میں تری - تجھ کو دکھایا ہے
 بہت جھک چلے اور آئیں اکثر آندھیاں - لیکن
 رہا گزرا ہو کر بلخ جو تو نے لگایا ہے
 رہا ہے ساتھ بھی تیرا - ہزاروں ذل و جاس سے
 اگر دو چار نے کچھ کر کے - تیرا دل دکھایا ہے
 ادھر پور سے بچم تک - ادھر اتر سے دکن تک
 مددگار اپنا - جس گوشہ میں ڈھونڈا تو نے - پایا ہے
 او وہ سے سندھ تک - کشمیر سے راس کماری تک
 دلوں میں تو نے سگہ شہر شہر اپنا بٹھایا ہے
 دکن میں تیرے یاد رہی - دعا بہ میں ترے ساتھ
 ترا دماغ ملکوں میں ہر اک اپنا برا یا ہے
 خصوصاً رد مبارک ملک - جس نے ہندوستان
 رکاب اسلام کی تھامی - اور اس پر سر جھکایا ہے
 خدا کی برکتیں پنجاب اور پنجاب والوں پر
 جنہوں نے ہر سفر میں تجھ کو آنکھوں پر بٹھایا ہے
 جنہوں نے قوم کا ہمدرد دل سے تجھ کو مانا ہے
 تری نفرت میں اخلاص مسلمان دکھایا ہے

نہ ہو افسردہ دل اور قوم پر فیض اپنا رکھ جاری
 کہ اک ہمت سے تیری بندہ رہی ہیں ہمتیں ساری

بند ہفتم

ہوئے ہیں سرد دل یارونکے۔ تو ڈھارس بندھاتا
 اُمیدیں انکی استقلال سے اپنے بڑھاتا رہ
 ہوا پروا ہو یا پچھوا۔ نہ کر تو اس کی کچھ پروا
 لگایا ہے چمن جو تو نے۔ پود اُس میں لگاتا رہ
 امیدیں ہیں بہت وابستہ۔ تیری زندگانی سے
 دعائیں قوم کی لے لے کے عمر اپنی بڑھاتا رہ
 ابھی سیراب کم ہیں۔ اور بہت ہیں تشنہ لب باقی
 سبیل آخر لگائی ہے۔ تو پیاسوں کو پلاتا رہ
 نہیں تعلیم بے علموں کی کم آجیا، موتی سے
 جہاں تک تجھ میں دم باقی ہے فردو نکو جلاتا رہ
 زبانیں تو نے گرا اپنے پر کھلوالی ہیں حق کہہ کر
 تو خاموشی سے اپنی۔ نکتہ چینوں کو تھکاتا رہ
 فردو ہوتی نہیں آتش سے۔ جب آتش بھڑکتی ہے
 ہر اک شعلہ کو آب برد باری سے بجھاتا رہ
 کیا ہے زندہ قوموں کو سدا قوموں کے کشتوں نے
 ہم گرنے کرنی ہے تو چوٹیں دل پہ نکھاتا رہ
 شہائد میں تحمل خاص میراث انبیاء کی ہے
 جو تو آلِ محمد ہے تو سب ضد سے اٹھاتا رہ

کوئی دن اور اس دارالحسن میں ریح سہنا ہے
پھر اس کے بعد تجھ کو زندہ جاوید رہنا ہے

بند ہشتم

عزیز و احق کی رحمت ہے یہ پرنا توں ہم میں
پھر ایسا پر ہے ہم میں۔ نہ کوئی نوجواں ہم میں
ہزاروں ہم میں ہوں گے بچلہ اور ماسٹر پیدا
مگر اے قوم! پھر یہ صورتیں پیدا کہاں ہم میں
ہو ہم میں قوم کا ہمدرد۔ یہ قدرت خدا کی ہے
نہیں رشتہ کوئی مدت سے باقی دریاں ہم میں
ہمارے تفرقوں نے کر دیے تحلیل سب اجزا
نہ پاؤ گے کہیں ترکیب قومی کا نشان ہم میں
ابھی اٹھ کر فلاح قوم پر کوئی کمر باندھے
ہزاروں اس سے ہو جائیں گے پیدا بدگماں ہم میں
ابھی سن لیں کسی قومی جماعت میں شکر خجی
ہزاروں ہوں گے یہ بد فال بن کر شادماں ہم میں
بن آئے قوم کی خدمت تو کیونکر ہم سے بن آئے
نہ دور اندیشیاں ہم میں۔ نہ خیر اندیشیاں ہم میں
اگر بوجھ اس پہیلی کی نہ سید ہم کو بتلاتا
تو اسلامی اخوت تھی فقط ایک چیتاں ہم میں

نہ کی سید کے منصوبوں کی گرتا مید یاروں نے
 تو پھر ہرگز سنبھلنے کی نہیں تاب و توان ہم ہیں
 بہت مشکل سے ہاتھ آیا ہے منزل کا نشان یارو
 پہنچنے دو سلامت تا بمبزل کا رواں یارو

بندِ نهم

رہو جیسے رہے ہو قوم کے غمخوار و یار اب تک
 کرو دھندلا۔ نہ اس سے کو جو ہے بے غبار اب تک
 جماعت کو تمہاری دیکھتے ہیں لوگ حیرت سے
 تمہارے دم سے ہے کچھ قوم کا باقی وقار اب تک
 تمہاری کوشش اور ہمت کا چرچا ہے زمانہ میں
 تمہاری خدمتوں کی قوم ہے منت گزار اب تک
 جو کام انجام کرنا ہے تو سید کے رہو حامی
 کہ قومی کامیابی کا اسی پر ہے مدار اب تک
 ورنہ دوستو! من لو کہ ہے آپس کی آن بن کا
 وہی انجام۔ جو ہوتا رہا ہے آشکار اب تک
 پڑے ہیں جا بجا بکھرے ہوئے اطرافِ عالم میں
 کھنڈر لاکھوں ہمارے تفرقوں کی یادگار اب تک
 ہزاروں باغ ویراں ہو گئے آپس کے جھگڑا و نہیں
 پلٹ کر پھر نہیں آئی جہاں فصل بہار اب تک

سینے غرق لاکھوں کر دیے بادِ محالّت نے
 زمانہ کو نہیں معلوم خود جن کا شمار اب تک
 نہ سمجھو یہ کہ فارغ ہو گئے ہم خاک میں مل کر
 ہماری گھات میں ہے انقلابِ روزگار اب تک
 نظر آتا نہیں یہاں حملہ دُوراں سے بچنے کو
 سوا اک درگاہِ قوم کے کوئی حصار اب تک

کر و پُورا حصارِ قوم کو سرجوڑ کر یار و
 ہٹاؤ حملہ دُوراں کو سب جی توڑ کر یار و

بند دہم

یہ دارِ اِلم سداہِ آسیبِ زماں ہوگا
 اسی دارِ اِشفاء میں بختِ پیر اپنا جواں ہوگا
 نہیں صورتِ ابھرنے کی ہماری کوئی پستی ہے
 اگر ہوگا۔ اسی گھر سے بلند اپنا نشاں ہوگا
 کمی نے کر دیا ہے علم کی۔ ہم کو بیک سب سے
 اسی پاسنگ سے ہوگا تو یہ پلہ گراں ہوگا
 یہ بیتِ اِلم روز افزوں تری کا ہے سرچشمہ
 اسی چشم سے دیکھو گے کہ اک دریا رواں ہوگا
 یقین ہے ٹہنیاں پھیلیں گی طوبیٰ سے سوا اسکی
 ہمارے واسطے دُنیا میں یہ باغِ جنان ہوگا

اگر اس آگنی آب و ہوا اس کھیت کی ہم کو
 توجہ اٹھے گا پودا اس زمیں سے آسمان ہوگا
 اگر اسلام میں باقی ہے خصلت حق شناسی کی
 تو ایک اک نونال اس باغ کا خود باغبان ہوگا
 جو حق نے عالم اسباب دنیا کو بنایا ہے
 توجہ نکلے گا یہاں سے کامیاب و کامراں ہوگا
 بہت مدت سے ہے قحط الرجال اے قوم امت میں
 اسی کھیتی سے اُس میں جنسِ مردم کا سماں ہوگا
 بنا اسلام کی - کہتے ہیں یہ تعلیم ڈھادے گی
 نہ ڈھینے دیگا حق - اسلام پر گر مہرباں ہوگا
 کسوٹی ہے یہ دارِ اِعلم - اسلامی اخوت کی
 ہم اُس سے بدگماں ہوں گے جو اس سے بدگماں ہوگا

کبھی یہاں آ کے کچھ دیکھا بھی ہے اے نکتہ چیں یارو
 بُرا کہنا گھروں میں بیٹھ کر اچھا نہیں یارو

بند یازدہم

اگر رکھتے ہیں دل پہلو میں - آکر یہ جن دیکھیں
 ریاضِ قوم کا فضلِ خواں میں بانگین دیکھیں
 وطن کو جو بکھتے ہیں کہ ہے ترجیحِ غربت پر
 وہ آکر شامِ غربت - بہتر از صبحِ وطن دیکھیں

ہوئے ہیں جمع یہاں جو نہال - اطراف سے آکر
 بہم سب کو شریک شادی و بچ و محن دیکھیں
 محبت انہیں جب دیکھیں تو سمجھیں بھائی ماں جائے
 وطن پوچھیں تو ہندو سندھ و پنجاب و دکن دیکھیں
 اگر غنیت میں پوچھیں ایک کا حال ایک سے آکر
 تو ہر طفل و جوان میں حفظ غیب و حسن ظن دیکھیں
 تکلف سے بری ایک اک کو دیکھیں برباد ٹ سے
 سخن میں راستی دیکھیں بیاں میں سادہ پن دیکھیں
 تواضع منموں کی دیکھیں - اور غیرت غریبوں کی
 ادب بچوں کا دیکھیں - نوجوانوں کا چلن دیکھیں
 تامل رائے میں دیکھیں - تو دیکھیں کام میں پھرتی
 لڑائی فیلڈ میں دیکھیں - کلب میں یونین دیکھیں
 اطاعت سلطنت کی - احترام اہل حکومت کا
 وفاداری کی گردن میں بندھی سب کے سن دیکھیں
 نہ بڑا امنیں غلامی کی - نہ بیباکی کی خو اُن میں
 ادب اور متدل آزادی اُن کا چلن دیکھیں
 زباں سے قیصر ہندوستان کا نام لے کوئی
 تو اک دریا محبت کا دلوں میں موجزن دیکھیں
 سلف پر فخر دیکھیں - اور تاسف اپنی حالت پر
 لگن اسلام کی - اور قوم کی دل میں جبین دیکھیں

نمازوں کی تہذیب دیکھیں - اور روزوں کی پابندی

اجازت نیک کرداری کی اور ہر کام کی بندی

ہندو دوازدہم

کلب میں کے گرا حباب - رنگ انجن دیکھیں
 توزیب کرسی صدراک مجسم یونین دیکھیں
 نہ دیکھی ہوں جنھوں نے شفقت و طاعت کی تصویریں
 وہ بکت اور اسکے شاگرد نکو باہم ہم سخن دیکھیں
 تاسف کرتے ہیں جو ہند کی نا اقلیتی پر
 کلب میں ہندیوں کے آئینہ اور یونین دیکھیں
 اگر با ذریعہ ہوا خلاص سستی اور شیعہ کا
 بہم شیر و شکر بیاں چار یار و پنجتن دیکھیں
 نہ دیکھا ہو جنھوں نے پیار ہندو اور مسلمان میں
 وہ اگر مسلم اور ہندو کو یکجان و دو تن دیکھیں
 مسیحی پوششیں دیکھیں مسلمانوں کے بچوں کی
 مسیحی کو مسلمانی قبازیب بدن دیکھیں
 مجسم دیکھنی ہو شکل مہر مادی جن کو
 وہ بچوں سے سلوک آرنلڈ و ماریسن دیکھیں
 اگر ہو دیکھنی تقریر میں تصویر معنی کی
 تو وائس کا بوقت درس انداز سخن دیکھیں
 اگر اسکول میں چاہیں کہ دیکھیں پورٹ کو اگر

فرائض میں تمام اوقات اُس کے مرتب دیکھیں
 دمِ تدریس دیکھیں چکرِ درتی کو اگر برسوں
 نہ پیشانی پر بل دیکھیں۔ نہ ابرو میں شکن دیکھیں
 ادب اور مشرقی تاریخ کا ہو دیکھنا مخزن
 تو شبلی سادجید عصر دیکھتے زمن دیکھیں
 اگر بو جعفر طوسی کو زندہ دیکھنا چاہیں
 تو عباس ابن جعفر سامحیط علم و فن دیکھیں
 سخن کوتاہ۔ دارالعلم پر ہوں قوم کے نازاں
 جو اگر اس کا ایک اک درکنوں من دین دیکھیں
 پھر اُن کے بعد دیکھیں گے مرنے اپنے بچوں کا
 تو اک۔ بچوں سے بڑھ کر زندہ دل۔ پیر کہن دیکھیں
 خوشی میں نخ ہیں۔ صحت میں۔ بیماری میں لکھ شکستیں
 اُسے جب اُن کے دیکھیں قوم کی دُصن میں مگن دیکھیں
 رہیں چپ کس طرح ہم باغباں کی مدح و تحسین سے
 جب ایسا حیرت افزا آنکھ سے اپنی چمن دیکھیں
 نہ سمجھیں یہ کہے اُس کو ہماری مدح کی پروا
 اگر سید کا استحقاق اہل انجمن دیکھیں
 نخبِ قوم سنتا ہے درو دیوار سے تحسین
 جنہیں یاد و نہ آئے وہ محبت قوم بن دیکھیں

اداسید کا حق تو ہم سے ہو سکتا ہے کیا حالی
 مگر ہاں ہم کو اپنا فرض کرنا تھا ادا حالی

قوم کا متوسط طبقہ

مرتبہ ۱۸۹۱ء

اس نظم میں متوسط درجہ کے لوگوں کی حالت کو فقرا اور اغیار دونوں کی حالت سے بہتر بتایا گیا ہے۔ متوسطین سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے اپنی ذاتی کوشش اور سلف ہلپ سے دولت و عزت، نیکنامی یا علم و فضل میں اپنی پہلی حالت سے ترقی کر کے اپنے ہمسروں میں امتیاز حاصل کیا ہو۔ ادنیٰ درجہ سے وہ لوگ مراد ہیں جو اپنی پست حالت سے آگے بڑھنا نہیں چاہتے یا چاہتے ہیں مگر نہیں بڑھ سکتے۔ اعلیٰ درجہ سے وہ لوگ مراد ہیں جو دولت و عزت کے لحاظ سے ایک متنازعہ حالت میں پیدا ہوئے مگر اس حالت سے ترقی کر نیکی ضرورت نہیں سمجھتے اور نیز اس حالت پر قائم رہنے کی فکر اور اس سے تنزل کر نیکی کچھ افسردہ نہیں کرتے

حالی

بندِ اوّل

شکر اس نعمت کا یارب؛ کر سکے کیونکر زباں؛
تو نے رکھا ہم کو یہاں فقر و غنا کے درمیاں
جب ہوئے بھوکے تو بخشے تو نے نان و ناخورش
پر نہ اتنی۔ مددہ و احشا پر جو گزرے گراں
جب ہوئے پیاسے تو بخشا آبِ شیریں اور خنک
پر نہ ایسا۔ ہو صراحی جس کی یاروں سے نہاں

دُعا کُننا چاہا بدن جب۔ تو دیا تو نے لباس
 پر نہ ایسا۔ جس کو حسد سے تکیں خرد و کلاں
 کھانے پینے کو کیے برتن ہیں تو نے عطا
 پر نہ ایسے۔ ٹوٹنے سے جن کے ہو خوفِ زیاں
 سونے اور آرام کرنے کو دیا بستر ہیں
 پر نہ ایسا۔ جس سے اٹھنا ہو طبیعت پر گراں
 رہنے سننے کو ذیے گھر تو نے ہم کو ہر جگہ
 پر نہ ایسے۔ ہو قلع جن سے مثلِ جسم و جاں
 آنے جانے کو دیے دو پاؤں یہاں تو نے ہمیں
 جن سے ڈر لے بھاگنے کا اور نہ گرنے کا گماں
 راہ اور بے راہ یکساں جن کو ہنگامِ خرام
 کوہ سبز راہ جن کا اور نہ خندق اور کوہاں
 کی سواری بھی عطا اکثر۔ جو پیش آیا سفر
 پر نہ ایسی۔ تختِ فرعون کا ہو جس پر گماں
 سیم و زرد قبتِ ضرورت ہم کو تو دیتا رہا
 پر نہ اتنا۔ ہو نگہبانی میں جس کی بیم جاں
 آبرو تو نے ہمیں دنیا میں دی اور امتیاز
 پر نہ ایسی۔ جس سے ہوں نخسود ابنائے زماں
 نعمتیں اکثر ہیں بعد از مشقت تو نے دیں
 تاکہ تیری نعمتوں کی قدر ہو ہم پر عیاں
 راحتیں اکثر میسر آئیں تکلیفوں کے بعد

تاکہ کھو بیٹھیں نہ ہم اُن راحتوں کو رائگاں
وقت پر کرتا رہا بار اِن رحمت سے نہال
قحط اور طوفان دونوں سے بچا یا بال بال

بند دوم

الحذر اُس فقر و ناداری سے فتو بار الحذر!
لو مڑی جاتے ہیں بن۔ جس کی بدولت شیرِ ز
چاپلوسی جا کے کرتے ہیں سفیہوں کی فقیہ
ناکسوں کے نازِ بیجا سستے ہیں اہل ہنر
دُزن میں علم و فضیلت جن کے ہے ہم سنگِ کوہ
وہ سبک تر دانہ خردل سے آتے ہیں نظر
فقر و حاجت میں نہ ہوا نساں کو جب صبر و شکیب
پھر نہیں کوئی بُرائی فقر و حاجت سے بتر
بھیک منگوائے۔ جو اکھلوائے یہ چوری کر لے
پت گنوائے۔ آبرو کھوئے۔ پھر لے در بدر
ہو کے محتاج سے طاعت نہ یاد۔ اللہ کی
لے سکے محتاج جو رو کی نہ بچوں کی خبر
گہ زباں آلودہ اُس کی۔ مشکوٰۃ تقدیر سے
اور کبھی بوجھاڑ اُس کی آسمانِ پیر پر
گر بخیلوں کی مذمت پر کبھی آجائے وہ

ہونہ سب دشمن سے سیری اُسے دودو پہر
 اگلے زہر اتنا کہ ہو جائے مذاق بزم تلخ
 کھول دے غیبت کا دفتر اہل دولت کی اگر
 گہ دبا ئے عام کی مانگے دعا اللہ سے
 تاکہ دو لقمہ بھی کچھ دن رہیں آسیدہ گر
 اور کبھی چاہے کہ ہو دنیا میں کوئی انقلاب
 تاکہ ہو جائیں بلند اور پست سب زیر و بر
 بے حلاوت اُس کی دنیا اور مذہب اُس کا دیں
 خوفناک اُس کا ارادہ - نیت اُس کی برخطر
 رات اُس کی حسرت آگیں اور دن اندھ لگیں
 شام اُس کی پُرخواست اور شوم اُس کی سحر
 گو کہ بدتر فقر سے یا رب نہ تھی کوئی بلا
 تھا - مگر ثروت میں اُس سے بھی زیادہ شور و شر

فقر سے تو نے بچایا - یہ بھی کم نعمت نہیں
 پر نہ دمی ثروت - سو اس کے شکر کی طاقت نہیں

بند سوم

نشہ دولت سے تھا پھر ہوش میں آنا محال
 اس بے مرد آزما کی تھی بہت مشکل سنبھال
 نفس امارہ اور اُس پر چھیڑ مال و جاہ کی

ڈھیر ہے بارود کا۔ دیکھتے تھکا جیسے ڈال
 بادِ صحر آگ کو اس طرح بھڑکاتی نہیں
 جس طرح جذباتِ نفسانی کو بھڑکاتا ہے مال
 ہضم کرنا اور بچانا مال و دولت کا ہے بس
 نفسِ انساں میں اگر بالفرض ہے کوئی کمال
 ورنہ مال و جاہ و کمالت کا جہاں آیا قدم
 اور ہوئے سلب آدمی سے آدمیت کے خصال
 عقل ٹھیراتی ہے جو افعالِ انساں پر حرام
 کر دیے اُس کے لیے سب مال و دولت کے حلال
 فقر میں تھا نفسِ دوں و امانہ جس پر دوازے
 آگے ثروت نے دیے پڑ واسطے اُس کے نکال
 خواہشیں یوں نفس میں اب دمدم بڑھنے لگیں
 مسز میں جس طرح دیوانہ کے گوناگوں خیال
 آپ کو گنتے لگا بالاتر از ابنائے جنس
 چیونٹوں میں ایک نے گویا نکالے پردِ بال
 مُشرّف بے زر ہو جیسے قرضِ خاہوں میں گھرا
 خواہشوں میں اس طرح جکڑا ہوا ہے بالِ بال
 جھک بڑی طبعِ دلی گر بخلِ درخت کی طرف
 ہو گئی فرزند و زن پر زندگی اُس کی دِ بال
 اور اگر بھوت اُس کے سر پر چڑھ گیا اسراف کا
 پھر نہیں گنجینہ قارون کچھ آگے اُس کے مال

آگیا غالب طبیعت پر گراستسقاے حرص
 ہے سمندر سے بھی اُس کی پیاس کا بجھنا محال
 باڑ پر تلوار کی چلنا نہیں شاق اس قدر
 جس قدر ثروت میں ہے دشوار پاس امتدال
 گلشنِ دولت کے ہوں انگور میٹھے بھی اگر
 دیکھ اے رو باہ نفسِ دوں حذر اُسے حذر

بند چہارم

ہے عجب دنیا میں نعمت درمیانی زندگی
 فقر کی ذلت سے اور ثروت کے فتنہ سے بری
 چین ہے دنیا میں گر کچھ تو اسی حالت میں ہے
 یہ جو ہے برزخِ میانِ کمند و دستِ تہی
 فقر و ثروت فی المثل ہوں دو رخ اور جنبت اگر
 مانگتے ہیں ہم حذر دو رخ سے اور جنبت سے بھی
 دخلِ شیطان کا ہو جس میں ایسی جنبت کو سلام
 منزلِ اعراف سو بار ایسی جنبت سے بھلی
 اس گنہگار منزل میں ہے بٹیا سی ایک بے خطر
 ہیں ادھر کھڈ اور چڑھائی ہے ادھر البرز کی
 رکھتے ہیں فقر و غنا میں جو کہ حالتِ بین بین
 ہیں حسد اور کبر کے امراضِ مہلک سے بری

اپنے سے اعلیٰ کی حالت پر اگر کہتا ہے رشک
 دیکھ کر ادنیٰ کو کر لیتے ہیں اپنی دل دہی
 سن کے ہو جاتے ہیں سیدھے وہ بڑوں کا خزانہ
 بل کے چھوٹوں سے بہک جاتا ہے گر خفا کبھی
 لذت فقر و غنا دونوں سے ہیں وہ آشنا
 اغنیا میں ہیں فقیر اور ہیں فقیروں میں غنی
 جو گذرتی ہے گدہ پر۔ اُس سے ہیں وہ باخبر
 کیونکہ حالت گاہ گاہ اُن پر بھی گذرتی ہے یہی
 امتحاں دولت کے بھی ہیں کچھ نہ کچھ جھیلے ہوئے
 کیونکہ ہے ہر گھونٹ میں اس سے کی بدستی وہی
 اس لیے جب دیکھتے ہیں عسرت بنائے جنس
 جوش ہمدردی سے بیکل اُنکا ہو جاتا ہے جی
 اور نہیں کرتے زبان طعن بیدردی سے وا
 جبکہ سنتے ہیں کسی منعم کی از خود رفتگی
 مست کی بے اختیاری۔ تشنگی مخمور کی
 واردات ایک ایک کی ہے سرسبز اُن پر کھلی

جنت اور دوزخ ہے سب عرافیوں پر جلوہ گر
 گندم اور زقوم دونوں اُن کے ہیں پیش نظر

بندِ پنجم

دل توانا اور قوی یاروں کی بہت اُن سے ہے

منظم ہر قوم و ملت کی جماعت ان سے ہے
مشکلیں اکثر انہیں سے قوم کی ہوتی ہیں حل
بھائیوں کے بازوؤں میں زور و طاقت انہیں ہی
ہے انھیں کے دم سے۔ جو ہے گرمی ہنگامہ آج
ساری قومی مجلسوں کی زیرِ برکت انہیں سے ہے
ہے جہاں دولت۔ یہی ہیں نظم دولت کے کفیل
ملک کی دولت میں ہے جو خیر و برکت۔ ان سے ہے
ہاتھ میں ان کے ہیں۔ جتنے عقل و دانش کے ہر کام
عقل و دانش میں ہے جن ملکوں کی شہرت۔ انہیں سے ہے
ہیں گداؤں کے وسیلے اور شاہوں کے شیر
شاہ ہوں یا ہوں گدا۔ دونوں کو قوت ان سے ہے
آدمیت سیکھتے ہیں ان سے سب چھوٹے بڑے
نوع انساں میں بقائے آدمیت ان سے ہے
یہ نہ ہوں تو علم کی پوچھے نہ کوئی بات یہاں
رونق بازار جنس علم و حکمت ان سے ہے
پاؤ گے انہیں طبیب۔ انہیں ادیب۔ انہیں خطیب
ہے اگر انساں کو حیاں پر فضیلت۔ ان سے ہے
پاؤ گے انہیں مہندس۔ پاؤ گے ان میں حکیم
آدمی مصداقِ رحمانی خلافت ان سے ہے
کرتے ہیں اخلاقِ ادنیٰ اور اعلیٰ ان سے اخذ
آدمی سب ہیں۔ مگر انساں عبارت ان سے ہے

ان میں قوموں کے ہیں مصالح۔ انہیں ملگونے کیل
 آبرو قوموں کی اور ملکوں کی عزت ان سے ہے
 پھونکتے ہیں روح قومیت یہی افراد میں
 ہے جہاں قوموں میں یک رنگی دو شہر اُٹھتے ہیں

دم سے ہے وابستہ اُن کے قوم کا سارا نظام
 یہ اگر بگڑے تو سمجھو قوم کا بگڑا قوام

بند ششم

گر نہ ہو ہر حال میں ان کی مصالح پر نظر
 نہیں مفاسد گرد و پیش اُن کے فرائض سرسبز
 کھیلتی ہے جس طرح بتیس دانتوں میں زبان
 ہے انہیں بھی شر سے یہاں پنج پنج کے رہنا عجب
 گھائیاں فقر و غنا کی اُن کے ہیں دونوں طرف
 اور رستہ پنج میں ہے بال سے باریک تر
 ایک جانب پستی فطرت ہے اور دُور ہمتی
 ایک جانب مستی و غفلت ہے اور کبر و بظہر
 جھک بڑے گراں طرف تو مفت کھو بیٹھے انہیں
 وہ جو اُڑنے کے لیے حق نے دیے تھے بال و پر
 ڈھل گئے گراں طرف تو اس بلا میں پھنس گئے
 جس میں پھنس جاتی ہے کبھی شہد بیٹھا جان کر

برکنیں اللہ کی اُس قوم پر جس قوم میں
 رہ سہیہ طبقہ والا ہو سیدھی راہ پر
 ہیں محفل اغنیاء اور بے نوا کوتاہ دست
 سب کی پڑتی ہے انہیں کے دست و بازو نظر
 جو قومی اُن کو ملے ہیں کام میں لائیں انہیں
 ناکہ زندگی کی طرح ہو زندگی اُن کی بسر
 فرض ہیں جو اُن کے ذمہ خالق اور مخلوق کے
 اُن میں سرگرداں رہیں دیوانہ وار آٹھوں پہ
 قوم ہو گرناتواں۔ تو تقویت بخشیں اُسے
 کیونکہ اُس کے ضعف سے اُنکی قوت کو ضرر
 گونجات اسان کو مکرہات دنیا سے نہیں
 جن سے بچنا گوشت سے ناخن چھٹانا ہے۔ مگر
 کام دنیا میں سنوارے ہیں جنہوں نے قوم کے
 تھے بنگلوں سے وہ مکروہات میں آلودہ تر
 سارے بھگتاتے تھے بائیں ہاتھ سے دنیا کے کام
 اور دائیں سے تمہیں قوم کی کرتے تھے سر

جس طرح اس انجن کے رکن آئے ہیں تمام
 قوم کی خاطر ہزاروں چھوڑ کر دنیا کے کام

بند ہفتم

قوم کو بت اُس جس کی وہ جماعت ہے یہی

جس سے جان آتی ہے مرد نہیں وہ طاقت یہی
 اتفاق قوم ہے اقبال و دولت کی دلیل
 رانی کو کرتی ہے جو پرست۔ وہ قوت ہے یہی
 مال و دولت نامہ بارک ہے۔ نہ ہو اگر اتفاق
 قوم جس دولت کی بھوک ہے وہ دولت ہے یہی
 یہاں و کیا ایک اک ہے شہر اور ملک قائم مقام
 دانہ کو کرتی ہے تخمین وہ برگت ہے یہی
 رایگان جائیگا یاروں کا نہ یہ بیچ سفر
 راحتیں جسبس کی طیفانی ہیں وہ زحمت ہے یہی
 فرد فرد آتے ہیں جو۔ جاتے ہیں یہاں کے مجتمع
 ملتے ہیں جسکی بدولت دل۔ وہ ملت ہے یہی
 تم ہمارے کام آؤ۔ ہم تمہارے کام آئیں
 جس سے کل جلتی ہے دنیا کی وہ حرکت ہے یہی
 قوم کی خدمت میں ہے مضر بہ بیت کی شان
 جو کہ بچواتی ہے خادم کو۔ وہ خدمت ہے یہی
 قوم کی ذلت کو سمجھیں ذلت اپنی سب عزیز
 ملک میں نہ ت سے اب رہنے کی صورت ہے یہی
 ماں بھر رہتا ہے نقش اس انجن کا یادگار
 جو کبھی برہم نہیں ہوتی وہ صحبت ہے یہی
 کر رہا ہے قوم کے سرکل کو یہ جمع و وسیع
 جز سے افروں ہے مدح کا وہ رحمت ہے یہی

اتقاناً کر کہی ہو جائے یہ ہنگامہ سرد
 ڈر نہیں اس کا کہ خود فنا و فنا قدرت ہے یہ
 ہے بھی افراطِ باران اور کبھی ہے قحطِ آب
 طینتِ نام میں خاموشی و دریت ہے یہ
 کان ہے گراں رس۔ تو ہے سماں اگلے برس
 جو خبر دیتی ہے کثرت کی۔ وہ فلت ہے یہ
 ریگ تو پکتے ہی۔ پکے گی دھیم آنچ میں
 کچھ آباں آیا تو ہے نہیں۔ نیست ہے یہ
 انجن ہے قوم کی۔ ہنگامہ شادی نہیں
 ایک دن کا کام کچھ رومہ کی آبادی نہیں

دہلی کا جلسہ کانفرنس

مترتبہ ۱۸۹۲ء

یہ رئیسہ محمدان ایجوکیشنل کانفرنس کے سابق اجلاس میں مقام دہلی پڑھا گیا تھا

بندِ اول

یہ خاک - آج جس پر ہیں جمع اہل آرا
یہاں ہو چکے کرشمے کیا کیا ہیں آشکارا
اس باغ میں بہاریں جو جو گزر چکی ہیں
آنکھوں کے روبرو ہے گویا سماں وہ سارا
کل جشن فتح تھا یہاں - ہے آج جشن شادی
ہر دم عروج پر ہے اسلام کا ستارا
بلین کے آج جہاں خفاں ہیں اور سلاطین
اصطی ہے کہ دہلی - بلین ہے یا کہ دارا
غیر دزد شہ کی ہے کل ٹھٹھے سے آمد آمد
دولہا بنا ہوا ہے تزیین سے شہر سارا
تغلق کا آج لشکر تیمور کے مقابل
بہرِ مدافعت ہے میدان میں صف آرا
منلوں کے اُڑ رہے ہیں کل جشن فتح و نصرت
تیمور سے زمانہ ہے برسرِ مدارا

آتا ہے آج بابر لودی پہ فتح یا کر
 ہیں شوقِ شہِ نو میں پیرو جوں خود آرا
 گل سوریوں میں ہر سو کچے ہیں شاد دینے
 غلوں کا آ رہا ہے گردش میں کچھ ستارا
 ہے جشنِ فتح بھر آج چغتائیوں میں ریا
 اقبال نے بے گویا مغلوں سے قول باریا
 جس دھوم سے ہے گھر گھر جشنِ جلوسِ اکبر
 ہے گردشِ اس کے آگے جشنِ قبا و دودارا
 شاہِ جہاں خوشی سے بھولا نہیں سماتا
 تعمیر ہو چکے ہیں شہر و فصیل و بارہ
 تیاری اس خوشی میں جشنِ عظیم کی ہے
 گویا کہ ہے جہاں میں جشنِ سہہ دو بار
 اطرافِ ہند سے ہیں ایمانِ ملک آئے
 پا کر حضورِ شہ سے سب جشن کا اشارا
 ارکانِ سلطنت ہیں سب پائے تختِ حاضر
 بالائے تختِ طاؤس ہے شاہِ جلوہ آرا

وہ جشن کرنے والے گو خاک میں نہاں ہیں
 پر جشنِ ان کے اب تک سب زیبِ داستاں ہیں

سہ سہہ آگ کو کہتے ہیں جشنِ سہہ وہ جشن ہے جسکی نسبت کہا جاتا ہے کہ دنیا میں سب سے اول
 جمید نے تھر میں سے آگ نکلنے کی خوشی میں بڑی دھوم سے ایران میں کیا تھا ۱۳ دھانی :

پہلے دو م

لئے خاک یا کب دنیائے تحت کا دشمن
 پیش نظر میں تیرے سب اگلے ساز و سازاں
 ہر گھڑی سے دین نہ بن پیر لاکھوں ہمیں ہم ہر سو
 پر کوئی جشن فوجی آتا نہیں نظر یہاں
 تقریب جشن جس میں ہو کچھ نہ جزا و ثواب
 ملکوں سے جمع اگر ہمیں ہوئے ہوں خواں
 پائیں و صدر کا ہو جس میں نہ کچھ تفاوت
 خرد و بزرگ کی ہو جس میں نشست یکساں
 جن کو نہ ہو بلا و احکام کا - اور نہ قدغن
 لایا ہو کھینچ کر دل ان کو نہ حکم سلطان
 خادم ہوں جس قدر وہاں - مخدوم قوم کے ہوں
 مخدوم جتنے ہوں وہاں - سب قوم پر ہوں فرمان
 خاطر کسی سے چاہے کوئی نہ وہاں تواضع
 ہوں خود ہی میرے بارے اور خود ہی ہوں وہاں
 ٹھہرائیں جس کو چاہیں وہ آپ میرے مجلس
 چاہیں جنہیں بنائیں وہ آپ میرے سامان
 آئے ہوں اس طرف سے سب ملے تاکہ سوچیں
 دنیا میں کس طرح ہوں سرسبز چہر مسلمان

بندو تباں میں کیونکر باقی رہے نہشتی
 اُس قوم کا۔ کہ تھا کل جن کے وہ زیرِ فرائی
 نکلیں تو کیونکہ نکلیں دولت سے وہ گھرا سنے
 اعزاز نے تھا باندھا جٹکے بڑوں سے پیمان
 اُن مدرسوں کا کیونکر جاری رہے افاضہ
 جن کے سبب ہے زندہ نامِ حدیث و قرآن
 جو مسجدیں ہیں بہر ذکرِ خدا سے واحد
 محفوظ عادتوں سے کیونکر ہوں اُنکے ارکان
 جو کچھ ہے بھائیوں کی تقدیر میں۔ وہ سر پر
 اپنی طرف سے لیکن ہے سعیِ فرضِ انساں
 اے شہ نشینِ اسلام! اے معدنِ سلاطین
 اے پائے تختِ ساداتِ اے دارِ ملکِ مغلان

تو جشنِ گاہِ شاہاں ہر عہد میں رہا ہے
 ایسا بھی جشنِ کوئی تجھ میں کبھی ہوا ہے؟

بندِ سوم

شاہوں کے جن تھے وہ۔ یہ جشنِ قوم کا ہے
 شوکت میں وہ بڑے تھے عظمت میں۔ بڑا ہے
 دولت کے تھے وہ جلوے۔ ملت کا ہے یہ نقشہ
 کاغذ کی تھیں وہ نادیں۔ بیرِ اے نوح کا ہے

بے روح تھے وہ قالب۔ بے اسیم روح نمیشی
 سورج سراب تھے وہ۔ یہ چشمہ بظاہر ہے
 میٹے نہ وہ بکھڑتے۔ روح اُن میں گرے۔ ہوتی
 رہتا ہے اندھیوں میں روشن۔ یہ وہ دیا ہے
 وہ دن گئے کہ نازاں تھی قوم سلطنت پر
 اب قوم کو خدا کا یا اپنا آسرا ہے
 بس سلطنت یہی ہے مل بیٹھنا ہمارا
 یہ چھت نہ سمجھو سر پر۔ یہ سایہ ہمارا ہے
 ”گم گشتہ بخت“ جس کو پھرتے ہیں دھونڈتے ہم
 لگتا ہے کچھ تو اُس کا لگتا یہیں پتا ہے
 وہ شکلیں کریں گے اب حل ہمیں تمہیں کچھ
 جن مشکلوں کا ہم کو اور تم کو سامنا ہے
 ہم میں اگر مخالف کچھ ہوں اس انجن کے
 معذور ہیں وہ۔ اُن سے شکوہ نہ کچھ گلا ہے
 فوج ملک کو اکثر۔ سمجھا ہے فوج دشمن
 حملہ ملک پر اپنی۔ اپنوں نے خود کیا ہے
 نادم ہوئے ہیں لیکن۔ روشن ہوا ہے جب دن
 انساں سے یہ ہمیشہ۔ ہوتی رہی خطا ہے
 قدر ایسی مجلسوں کی مدت میں ہو گئی ہم کو
 اب تک ضرورتوں نے مضطر نہیں کیا ہے
 ہوتی ہے قدر ان کی۔ بنتی ہے جان پر جب

لاتے ہیں تب یہ نادیں جب بیڑا ڈوبتا ہے
 گو سب جہاز والے خطرے سے بے خبر ہیں
 پر رنگ ناخدا کا کچھ فقیہ سا ہو رہا ہے
 آفاتِ بحر سے ہیں ناواقف آشنا سب
 سنتے ہیں ناخدا پر روتا ہے ناخدا جب

بند چہارم

گلشن میں فصل گل کے سب مٹ چکے نشاں ہیں
 پرچین سے عنادل گلشن میں نغمہ خواں ہیں
 طاؤس و کبک خوش خوش گلشن میں ہیں زماں
 اور بیٹھے ہاتھ ملتے گلچین و باغبان ہیں
 غفلت کی چھارہی ہے کچھ قوم پر گھٹا سی
 اتراتے ہیں سلف پر اور آپ ناخلف ہیں
 رستہ کہ ہر ہے ان کا اور جارہے کہاں ہیں
 فضل و کمال ان کے کچھ تم میں ہوں تو جانیں
 گریہ نہیں تو بابا وہ سب کہا نیاں ہیں
 کھیتوں کو دے لو پانی۔ اب بہہ ہی ہے گنگا
 کچھ کر لو نوجوانو! اُٹھتی جوانیاں ہیں
 تم سے تھکے تو تھا موعزت کو قوم کی کچھ
 اپنے تو قافلے سب پا در رکاب یہاں ہیں

بے فکر و بے خبر ہیں پورے ہیں یا جواں ہیں

اک خضر رہنے رستہ سیدھا بنا دیا ہے
 رستے پہ دیکھیں پتلتے اب کتنے کارواں ہیں
 خدمت میں اُن کی حالی کتنا ہے یہ ادب سے
 اس وقت رونق افزا یہاں جتنے مہرباں ہیں
 دنیا میں گرہے رہنا تو آپ کو سنبھالو
 ورنہ بگڑنے کے یہاں آثار سب عیاں ہیں
 عرصہ ہوا کہ ہم کو آنکھیں دکھا رہے ہیں
 قدرت کے قاعدے جو دنیا پہ حکمراں ہیں
 جو اپنے ضعف کا کچھ کرتیں نہیں تدارک
 تو میں وہ چند روزہ دنیا میں میہاں ہیں
 گھر ٹیال اور مگر مجھ میں اُن کو نگلے جاتے
 دریا میں مچھلیاں جو کمزور و ناتواں ہیں
 سنبھلو! ورنہ رہنا یہاں اس طرح پڑیگا
 بھیل اور گوند جیسے گناہ و بے نشان ہیں

یہ غفلتیں مبادا اب روز بد دکھائیں
 دھندلے سے کچھ نشان ہیں ڈرہے کہ مٹ نہ جائیں

شکر الی رام پور

مولانا نے یہ نظم آلی میرزا محمد علی جوگیشی کے نمونے سے، جو انعامی مسابقہ ۱۹۰۷ء میں لکھی تھی۔
 کے لیے جو رام پور میں برائے تیار کر کے متروک کی گئی مگر جو اب ان دنوں دستِ کمال
 نہ ہو سکی اور اسی ناتمام حالت میں جلسہ میں پیش کی گئی (مسماحاً)

بندِ اوّل

صاحبو! سمجھو نہ اس جلسہ کو ہرگز سرسری
 ہیں مادیں اور امیدیں کوٹ کوٹ اٹھیں بھری
 اب تک اس جھاڑو کی سنگین رک کوئی بندھن نہ تھا
 جہاں سے اڑنے کو تھی اک فوج - لیکن بے سری
 باطل بانگ و جاہ - جو ہیں قوم کی امید گاہ
 سب نظر آتے تھے سہمزدی کی تھمت بھری
 زور ہی زور اب دریا بدل رہا تھا سدا
 قوم کی کھیتی نظر آتی نہ تھی ہوتی ہری
 سر میں کچھ سودا تھا جن کے قوم کی تعلیم کا
 تھیں فقط دینے کو انکے پاس اسپچیں زری
 گو فصاحت اور بلاغت اُن کی تھی ضرب المثل
 گو کہ اسپچیں تھیں اُن کی سرسبز جادو بھری

سنسنے والوں پر مگر چلتا تھا اُن کا فسوس
 کوئی کافر جانتا تھا اُن کو۔ کوئی نیچری
 قوم کی تعلیم کا عقدہ تھا نہ بخیل ہوا
 پیش جاتی تھی نہ کچھ تدبیر کی کاریگری
 جان و دل "ہزہائیں" حامد علی خان پر نشانہ
 جو ہوا ہے اک ستارِ کنس خزانہ شتری
 آج سے وہ سب مسلمانوں کے سر کا تلج ہے
 دے رہی ہے یہ شہادت قوم کی مجلس بھری
 جان لی ہے قوم کی اُس نے اگر در ماندگی
 مان لی ہے قوم نے بھی دل سے اُسکی سروری
 پہلے سر جھکتے تھے در پر اُس کے اب دل جھک گئے
 شہریاری ہے وہی۔ جس میں ہوشانِ دلبری
 ایسے کچھ خوش خوش نظر آتے ہیں آج افرادِ قوم
 پاگئی گویا سیماں کی انہیں انگشتی
 آج کا جلسہ ہے حق میں قوم کے اک فالِ نیک
 مسخِ زن جس دل میں دیکھو۔ ہے امید بہتری

اتفاق اور ایسے پیش آجائیں گرد و چار ا ب
 قوم کی تعلیم کا ہوتا ہے بیڑا پار ا ب

بند دوم

لی ہے کروٹ ایک مدت سے زمانہ نے بدل

راس تھا اگلوں کو جو موسم گیا کب کا نکل
 جو تمدن کی عمارت تھیں گئے اسلاف چھوڑ
 آگیا اُس کی بنیادوں میں مہرِ تاسرِ خنل
 کام کے ہیں اب نہ دنیا میں مہرِ اُنکے نہ فن
 اور بکار آئہ زمانہ میں ہے کس اُنکا نہ بل
 ہیں نئی رسمیں۔ نئے آئیں۔ نئی ہے چال ڈھال
 اور نئے علم و مہر کا ہے جدھر دیکھو عمل
 ہے نئی گویا زمیں۔ ہے آسمان گویا نیا
 کینچلی گویا کہ لی ہے زلِ دنیا نے بدل
 بڑھ رہے ہیں۔ جو ہوا کا رخ ہیں یہاں پہچانتے
 مل رہے ہیں اپنی دوراندیشیوں کے اُنکو پھل
 مٹ رہے ہیں۔ جو ہیں اپنی آن پر چلے ہوئے
 آج گذری خیریت سے۔ تو نہیں خیرِ اُن کی کل
 ساتھ انہیں دینا پڑیگا یہاں زمانہ کا ضرور
 ورنہ رہنا ہوگا دنیا میں بحال مبتدل
 زندگی ہے قوم کی اب منحصر تعلیم پر
 ورنہ سن لو! قوم کی نزدیک آپہنچی اجل
 سلطنت ہو یا ریاست۔ قوم ہو یا خاندان
 جو نہیں تعلیم پر مائل۔ وہ سب جائیں سنبھل
 جس کو کہتے ہیں زمانہ۔ ہے وہ شانِ کبریا
 اُس کے وعدے ہیں امٹ۔ اُسکی وعیدیں ہیں اٹل

جو چلے منزِ گنگہ دنیا میں پر اُسکے خدات
 رفتہ رفتہ اُس کی چالوں نے دیا اُن کو کچل
 ہاتھ ملتی ہیں وہ قویں اپنی نادانی پہ آج
 ہاتھ سے جن کے گیا تعلیم کا پہلو نکل
 جب یہ حالت ہو تو بتلاؤ کہ کیا کرنا ہے اب؟
 ملک میں عزت سے جینا ہے کہ بس مرنا ہے اب؟

ہند سوم

یاد ہے اے رام پور! اپنا تھے ہمہ کہن
 جبکہ تھا ایک اک جواں یہاں رشک گیو تہمتن
 خاک سے سائنت اگتے تھے تری اور سورما
 تیری یہ "بانسی" نہ تھی - گویا کہ تھا شیر و لکھن
 معرکوں سے اُن کے رنگیں ہیں ورقِ تاج کے
 یاد ہے جن کو بھلا سکتا نہیں عولِ زمن
 پروہ اب دمِ خم رہا تجھ میں - نہ وہ کسِ نل رہا
 کر دیے گردش نے دُور اُس کے نشے سارے بہر
 ملک سے رخصت ہوئے دنِ جنگ اور پیکار کے
 لے لیا فتنوں سے ہجرت کا زمانہ نے بچن
 شیر بکری کج کل پیٹے ہیں پانی ایک گھاٹ
 چین سے ہیں پاؤں سب پھیلا کے سوتے مردوزن

عام ہے، اس عیدِ فَرخِ خال میں اس داناں
 شرق سے تاغزب اور اُترے نے کرنا دکن
 پر دیروں کے لیے میدانِ خالی میں بہت
 گرسلف کا اُن کے دل گردوں میں کچھ باقی ہے کُن
 اک قوی دشمن کا ہے درپیش اُن کو سنا
 جس کی روندن میں ہزاروں ہو گئے دیراں چمن
 روکدہی دریا کی زو۔ حملے سے جو اُس کے بچا
 کر دیا پر بت کو رائی۔ جس نے جیتا اُس سے رن
 نام ہے اُسکا "تغصب" اور "جہالت" ہے لقب
 کج روی کا ہے وہ رہبر۔ راستی کا راہزن

یہ وہ دشمن ہے کہ غالب آگیا جس قوم پر
 ہو گئی وہ قوم آنکھوں دیکھتے زیر و زبر

بند چہارم

سہل مت سمجھو تغصب کو۔ بُری ہے یہ بلا
 کر دیا ہے اس نے قوموں اور گھرانوں کو فنا
 حکم ہے اس کا کہ فاقہ ہے تو فاقہ میں مرو
 اور جو ذلت ہے تو ذلت پر رہو قانع سدا
 حکم ہے اس کا کہ کوئی قوم جس حالت میں ہے
 بس وہی ہے اُس کی عزت اور شرف کی انتہا

باپ دادا جو گئے ہیں چھوڑ بیاں رسم و رواج
 ناخلف ہے ایک بچہ اس سے اگر آگے بڑھا
 آدم و ہوانے گرتیوں سے ڈھانکا تھا بدن
 نسل میں ان کی وہی پوشش ہے جاری سدا
 نوٹ کی کشتی میں تھتے تھے اگر ان گھر لگے
 ہوں جہاز اب بھی اسی کینڈے کے بے چون چرا
 آدمی کا گھر ہو ایسا ہی پرانی چال کا
 لومڑی کا جیسے بھٹ ہے اور بے کا گھونسل
 ایک کا نام آدمی ہو۔ ایک کا ہو جانور
 آدمی اور جانور میں ہونہ فرق اسکے سوا
 باپ دادا کے لیے بیٹھے ہو کیا رسم و رواج
 وہ گئے اور دم کے ساتھ ان کا دما بھی گیا
 دیکھو تم گرتے چلے جاتے ہو پستی کی طرف
 آگے آتا ہے گڑھا۔ بعد اس کے ہے تخت الثری

گر کرو زیر ایسے دشمن کو۔ تو ہے مردانگی
 جو ابھرنے کی نہیں دیتا تمہیں پروانگی

تختہ الاخوان

یہ مشہور اور بے نظیر نظم جس میں غیبت - ہمت اور جوش دلا کر قوم کو جہالت - پستی اور منزل سے نکالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مولانا نے محمد بن ایجوکیشنل کانفرنس کے سولہویں جلسہ کے چھٹے اجلاس میں جو ۲ جنوری ۱۹۳۷ء کو بصدارت نواب احمد سعید خاں صاحب منعقد ہوا تھا۔ خود پڑھ کر سنائی تھی۔ وہ سماں بھی کانفرنس کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیگا جب مولانا قوم کا مرثیہ پڑھنے کھڑے ہوئے۔ ابھی دو تین ہی شعر پڑھے تھے کہ ساری محفل مجلس عزرا بن گئی۔ حاضرین کے اندرونی تجارات آنسو ہو کر بہہ نکلے اور اس نظم سے ہمدردی قومی کا جوش اس قدر اٹھا کہ جو کچھ جس شخص کے پاس تھا اُس نے دے ڈالا اور ایک آن کی آن میں دو ہزار روپیہ چندہ بلانا گئے ہو گیا جو تمام کا تمام اس نظم کے آرمیں کالج کو دیا گیا۔ نظم کے ختم ہونے کے بعد مولانا کے ہاتھ کا لکھا ہوا مسودہ نظم نیاام ہونا شروع ہوا جو دو سو ایک روپیہ پر چھپا (اسماعیل)

بندِ اوّل

دوستو! انکار اگر تم کو بدابت کا نہیں
عالم اسباب ہے دنیا۔ اسے جانو یقین
کاہ سے لے کوہ تک۔ ذرہ سے لے تا آفتاب
سب کو ہے جکڑے ہوئے اسباب کی جڑ المیتیں

ایک مرتب سلسلہ پاؤ گے وہاں اسباب کا
 دشت میں پتا کھرکتا تم اگر دیکھو کہیں
 یوں خدا چاہے تو لے اسباب کی تاثیر چھین
 لیکن اُس قیوم بے ہمتا کی یہ عادت نہیں
 بھاپ اٹھے گی سمندر سے۔ تو اُٹدیگی گھٹا
 آسماں برے گا جب۔ اگلے گی تب دولت زمیں
 ہے یہ وہ قانونِ محکم۔ مالکِ مختار کا
 جو کہ سطحِ خاک سے نافذ ہے تا جہنم بریں
 وہ یہی قانون ہے جس سے لگالیتے ہیں کھوج
 وقت سے پہلے ہر اک انجام کا انجام ہیں
 جان لیتے ہیں کہ آمد ہے خزاں کی باغیں
 ٹہنیوں سے خود بخود جب پتیاں جھڑنے لگیں
 دیکھ لیتے ہیں کہ جس گھر کی ہے پانی پر بنا
 کوئی دن میں وہ رہے گا ہو کے پیوند زمیں
 بسکہ ہے اُن کو قوانینِ الہی پر وثوق
 اس لیے رکھتے ہیں اپنی پیش گوئی پر یقین

دیکھتے ہیں روشنی دن کی جب جاتی ہوئی
 اُن کو آنکھوں سے نظر آتی ہے رات آتی ہوئی

بند دوم

جیکہ قانونِ الہی کا یہ ٹھیرا مقتضا

وہ رہے گا ہو کے - جو ہے مقتضا اسباب کا
 دیکھنا یہ ہے کہ کیا اُس قوم کا ہونا ہے حال
 شاہراہ عام سے جس کی پگڈنڈی ہے جدا
 ساری قومیں دیر ہی ہیں وقت کا ساتھ بھگت
 اور ان کی چڑ ہے وہ - جو وقت کا ہے مقتضا
 ہیں رواں تیراک سب دریا کی رو کے ساتھ ساتھ
 اور انہیں کہ ہے کہ دیں دریا کی روائٹی بہا
 اور - اپنے اپنے جوہر ہیں جہاں دکھلا رہے
 یہ دکھاتے پھرتے ہیں جوہر سلف کے جا بجا
 اور قومیں ہیں جہاں مال تجارت بھیجتی
 یہ وہاں گھر بار کے کرتے ہیں کوڑے بر ملا
 جتنے اوروں میں ہیں کھاؤ - اُتے ہی ہیں کماؤ
 یہاں کماؤ ایک ہے - تو کھانے والا قافلا
 اور مفلس ہوں - تو روزی کو پھریں کرتے تلاش
 یہ جو مفلس ہوں - تو قسمت کا پھریں کرتے گلا
 اور ہیں سب سود لینے میں - یہ دیتے ہیں دلیر
 اور ہیں سب لوٹنے پر - یہ لٹانے پر فدا
 جب کوئی اوروں میں ہو جاتا ہے دولت کمال
 اپنی نسلوں میں وہ جز دولت کی جاتا ہے جما
 یہاں گیا بلی کے بھاگوں ٹوٹا چھینکا کہیں
 پڑ گئی پشتوں ملک ہاں فاقہ سستی کی بنا

اور تنگی سے گزارا کرتے ہیں آج اس لیے
تاکہ غیروں کی نہ کل کرنی پڑے کچھ التجا
یہاں کسی کو مل گیا اگر آج تر لقمہ۔ تو پھر
اسکو کچھ پروا نہیں اسکی کہ کل کھائیں گے کیا؟

زندگی جس قوم کی دنیا میں گزرے اس طرح
وہ رہے گی قوم دنیا میں بناؤ کس طرح؟

بند سوم

نیند غفلت کی ہے سرتا پامسلط قوم پر
سب کی آنکھیں ہیں کھلی۔ سوتے ہیں لیکن بنجر
مصر کی میاں ہیں سب گویا۔ نہیں جنہیں حیات
گو کہ جیتے جاگتے آتے ہیں ظاہر میں نظر
خاندانوں کو رہا ہے میٹ۔ دورِ روزگار
آج بگڑا یہ گھرا نا۔ اور کل اجڑا وہ گھر
پر۔ نگاہ بد کی جو زد میں نہیں آئے ابھی
جانتے ہیں دورِ گردوں کا نہیں ہم تک گذر۔
بھیرٹا نوبت بہ نوبت گو سفندوں کو شکار
کر رہا ہے۔ اور نہیں کچھ گو سفندوں کو خبر
ہم جو بنتے بھی ہیں تو اکثر بگڑنے کے لیے
گرتے ہیں بالئسوں۔ اچھلتے ہیں اگر بالشت بھر

قوم کو اپنے منزل سے ابھرنے کی امید
 اہل علم و اہل دولت سے بہت کچھ تھی۔ مگر
 اہل دولت کا ہے اس عالم سے اک عالم جدا
 عالم بالا سے بھی ہے جو کئی منزل ادھر
 جن دعاؤں کی پہنچ ہے عالم بالا تک
 اُن دعاؤں کا نہیں ڈیوڑھی تلک کئے گذر
 اب رہے عالم۔ سواتنا سو قتا اُن کو کہاں
 دین کا پھر کون ہے؟ دنیا میں وہ انجھیں اگر
 کون جا کر چین میں پھر دین کی دعوت کرے
 کون گراہوں کی لے جا پان میں جا کر خبر
 حجتِ حق کون لندن میں کرے جا کر تمام
 کون برلن میں کرے تبلیغِ قرآن و خبر
 کون ہے اُن کے سوا اسلام کے فرقوں کو جو
 ملکے آپس میں نہ ہونے دے کبھی شیر و شکر
 اُن کی غفلت کا وہ عالم۔ اِن کی فرصت کا یہ حال
 ہو یہ بیڑا کیوں نہ پھر منجھدار میں زیر و زبر

ہیں یہی گر قوم کے ساتھ آج بے پروائیاں
 تو یہ سن لو غافلو! کل ہیں کھڑی رسوائیاں

بند چہارم

پڑ رہی ہے چار سودوڑو بڑھو کی یہاں لپکار

نیند کے ماتو! نہیں اب وقتِ خلعت ہوشیار
 ہو رہی ہے عرصہ آفاق میں قوموں کی دوڑ
 بڑھ رہے پیادوں سے پیاد ہیں سواروں کے سوار
 تھوڑی تھوڑی محفلتوں پر ہر رہی ہیں بازیاں
 چالی چوکا۔ اور ہوئی گردن پہ ہار آ کر سوار
 پولو اور گھڑ دوڑ کی سمجھو نہ ہار اس ہار کو
 جو یہاں ہارا۔ ہوئی ذلت گلے کا اُس کے ہار
 قوم جو اس دوڑ میں ہاری۔ اُسے سمجھو کہ وہ
 ہو گئی زور آزمائی کا حریفوں کی شکار
 سایہ میں برگد کے جیسے جل کے رہ جاتی ہے گھاس
 زور مندوں میں یونہی ہوئی ہے مٹی اُس کی خوار
 حق ہے غالب کا کہ کچلے اور دے مغلوب کو
 ہے یہی مغلوب ہونے کا مآل انجام کار
 کرتے آئے ہیں سب اپنی اپنی باری میں یہی
 اور یہی جاری رہے گا دور۔ تار و ز شمار
 قوم کا درجہ سے گر جانا ہے اپنے۔ وہ گناہ
 مرتکب جسکا نہیں بچتا سزا سے زینہار
 یاد رکھو دوستو! سنت ہے یہ اللہ کی
 جو نہ بدلی ہے۔ نہ بدلے گی الی یوم القدر

جو بڑھے گا۔ حوصلہ اُس کا بڑھایا جائے گا
 جو گرے گا اپنے درجہ سے۔ گرایا جائے گا

بند پنجم

ایسے کچھ بیٹھے ہیں فارغ یار سب کھولے کمر
جو ہم درپیش تھی۔ وہ کرچکے گویا کہ سر
قوم میں تعلیم پھیلانی تھی سو پھیلا چکے
ہو گیا وہ بیچ جو بویا تھا۔ نخل بارور
پر جو بیج پوچھو تو ہم اب تک اسی منزل میں ہیں
باندھ کر اٹھے تھے جس منزل سے احرام سفر
روشنی تعلیم کی کچھ جو یہاں پاتے ہو تم
سب یہ جگنو کے سے چکارے ہیں اہل نظر
ہے جہالت کا اندھیرا ہم پہ جو چھایا ہوا
اس اندھیرے ہی میں آتے ہیں یہ سب چلوئے نظر
سارے ہو جاتے ہیں چکارے ابھی کا فور یہ
اس اندھیرے سے ذرا نکلو اجالے میں اگر
ہم نے یہ مانا۔ کہ تھے ہم جو زمیں پکڑے ہوئے
اس سے آگے کچھ قدم ہم نے بڑھایا ہے۔ مگر
دیکھنا یہ ہے کہ اوروں سے ہے کیا نسبت ہیں
اور بڑھتے ہیں گزروں۔ بڑھتے ہیں ہم گراںچ بھر
جبکہ ٹھہری ہم میں اور روئیں یہ نسبت۔ تو ہم
آتے ہی یہاں گھٹ ہے ہیں۔ بڑھ رہے ہیں جس قدر

پستی ہے ہمسر سے جو اپنے۔ یہ بھجا دوسے
 خاک ہے وہ۔ گو کہ ہے پنچا ہوا فلاک پر
 اپنی پستی کے نشاں پاتے ہیں ہر منزل میں ہم
 کیا تجارت۔ کیا صنعت۔ اور کیا علم و ہنر؟
 کھل رہے ہیں جو ملکوں کے کارخانے ملک میں
 جن کے مالک ہیں وطن کے اہل بہت سرسبز
 جو کہ ہیں ملکی ترقی کے لیے اک فال نیک
 جن میں امیدیں ہیں مثل روز روشن جلوہ گر
 قوم کا حصہ نہ وہاں پاؤ گے تم اس کے سوا
 دن چھپے قلبوں کی اک فوج ایسی تم کو نظر

کون سا پستی کا درجہ اب رہا ہے اس کے بعد
 یہ وہ پستی ہے کہ بس تحت الثریٰ ہے اسکے بعد

بند ششم

ہم نے ماۓ۔ ہے موافق جن سے دور ماہ و سال
 بھاگواں ایسے بھی ہیں اس قوم میں۔ پر خال خال
 چند جانیں بچ رہی تھیں جو کہ قوم نوح میں
 ساتھ ملیں میں ہے وہ ان بھاگواؤں کی مثال
 اُن کی کیا عزت ہے یارو! قوم ہے جنگی ذلیل
 اُن کو کیا راحت ہے۔ جنگی قوم ہے خستہ حال

ہے وہ ایسا۔ غول میں قلیوں کے جیسے ایک میٹ
 ہے ہزاروں مفلسوں میں ایک اگر آسودہ حال
 شال۔ گڈری سے ہے وہاں سو مرتبہ بدتر۔ جہاں
 ہوں ہزاروں گڈریاں۔ اور ایک کے کندھے پر شال
 یاد رکھو۔ ہے بہت دامن فراخ اسلام کا
 دی ہے بنیادِ اخوت اُس نے کل امت میں اُل
 ہیں اسی امت میں جو ڈھونڈتے ہیں نہ بھر لو کری
 ہیں اسی امت میں جو ہیں دھونکتے دن رات کھال
 ہیں انہیں میں جن کے سنے میں نہیں آیا سماں
 جب سے آنکھ آنکلی کھلی۔ دیکھا ہے گھر میں پنے کال
 ہیں انہیں میں جو کہ بہرِ نفقہ فرزند وزن
 سامنے ایک اک کے پھیلاتے ہیں دستِ سوال
 ان عزیزوں کی اخوت سے جنہیں اتنا ہونگ
 نام لیں فہرست سے اسلام کی اپنا نکال
 ورنہ ذلت سے نکالیں ان کو۔ اور یہ جان لیں
 ان کی ذلت میں انہیں عزت سے رہنا ہے محال
 گھر میں اپنے بیٹھ کر جو چاہے سو بن لے کوئی
 غیر قوموں میں نہیں حاصل اُسے جزِ انفعال
 کہتے ہیں غیر اس کو ہم جنسوں میں اجلا دیکھ کر
 یہ وہی کو ا ہے لیکن ہنس کی چلتا ہے چال

وہ یہی خطرہ ہے جس کے ڈر سے جان اور مال سب

کر رہے ہیں اپنی اپنی قوم پر قربان سب

بند ہفتم

وہ گئے دن - جبکہ تھے مختار مطلق حکمراں
 قسمتوں کی قبضہ قدرت میں تھی آنکے غناں
 ہاتھ میں غناں کے مردہ ہو بے بس جس طرح
 تھے جہاں نیا نوں کے ہاتھ میں یونہی اہل جہاں
 تھا رعیت کا کوئی سہرہ تو تھا بادشاہ
 اور مصلح تھا کوئی اُس کا تو تھا خود حکمراں
 تھی نہ اہل ملک کو قومی مقاصد سے غرض
 تھا نہ قومیت کا قوموں میں کہیں باقی نشان
 خواہشیں سب کی جدا - اغراض تھیں سب کی الگ
 اپنے اپنے راگ تھے - اور اپنی اپنی دُلیاں
 قوم اپنی حد سے آگے کوئی بڑھ سکتی نہ تھی
 پیش قدمی سے رُکے کبکے کھڑے تھے کارواں
 بند تھے ناکے ترقی کے - کہ آخر غیب سے
 آیا اک سیلاب آزادی کا ریلانا گہاں
 جس نے سب روکیں ٹا کر کر دیا میدان صاف
 غار یا ٹیلارہا باقی نہ کوئی درمیان
 ایک قانونِ مسلم کی اطاعت کے سوا

ہو گئے ہر قید سے آزاد سب غور دو گلاں
 کر دیے انصاف نے ہموار سب پست و بلند
 آگئے سب ایک لیول پر۔ قومی اور ناطواں
 اب نہ قوموں کی ترقی میں ہے کوئی سید راہ
 اور نہ قوموں کے مدارج میں تفاوت دریاں
 سلطنت نے سب کو دے رکھے ہیں حق ڈنڈی کے قول
 وزن میں پڑا نہیں کوئی سبک۔ کوئی گراں
 جن کو دعویٰ ہے کہ ہم بیٹے بڑے باپوں کے ہیں
 اُن کو کرنے ہوں گے اب جو ہر اَصال کے عیاں
 در نہ لینے ہوں گے واپس اپنے سب دعوے انہیں
 اور بھلائی ہوگی سب دل سے بڑوں کی داستاں
 وہ گئے دن۔ جبکہ کر دیتے تھے چھوٹوں کو بڑا
 انقلاباتِ جہاں۔ یا اتفاقاتِ زماں
 اب بڑائی کا ہے استحقاق پر سارا مدار
 ہوگا جو "کزار"۔ اُسی کو رحمت ہوگا نشاں
 قسموں کی آزمائش کا زمانہ ہو چکا
 ہے بس اب یہاں ہمتوں اور غیر تو کا امتحان
 ہے تمہاری۔ اب تمہارے ہاتھ موت اور زندگی
 ہو تمہیں اپنے میسجا۔ اور تمہیں ہو جائستاں
 یا کرو کوشش۔ کہ مردہ قوم میں بڑ جائے جان
 اور دکھا دو خلق کو۔ اس راگھ سے اُٹھتا دھواں

یا۔ رہو دنیا میں بھنگوں اور پشوں کی طرح
 جن کا ہے دنیا میں ہونا اور نہ ہونا ایکساں
 قوم گنتی میں ہو گو مور و ملخ سے بھی سوا
 مر گئے جب قوم کے دل۔ قوم میں پھر کیا رہا؟

فلسفہ ترقی

یہ اعلیٰ درجہ کی فلسفیانہ نظم جس میں ترقی کے اسباب اور تنزیل کے باعث یرکمال خوبی اور
 عمدگی کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔ مولانا نے ۱۹ دسمبر ۱۹۰۷ء کو محمدن ایجوکیشنل کانفرنس
 کے شائع ہوئے اجلاس میں جو ستر بجٹس بدرالدین طیب جی کی زیر صدارت منعقد ہوا تھا
 بمقام بمبئی خود پڑھ کر سنائی تھی۔ حسب امید اس نظم کا حاضرین کانفرنس پر بہت اثر پڑا
 اور صوبہ بمبئی نے جس ذوق و شوق کیساتھ مولانا کو کانفرنس کی شرکت کے لیے دعوت
 دی تھی اُس کی پوری داد ملی (اسماعیل)

بندِ اول

اے عزیزو! تم بھی ہو آخر بنی نوع بشر
 غل ہے کیا نوع بشر میں کچھ تمہیں بھی ہے خبر؟
 کر رہا ہے خاک کا پتلا وہ جو ہر آشکار
 ہو رہی ہے جس سے شانِ کبریائی جلوہ گر
 رفتہ رفتہ یہ غبارِ ناتواں پہنچا ہے وہاں
 طائرِ وہم و تصور کے جہاں جلتے ہیں پر
 اُس نے ان کمزور ہاتھوں سے مسخر کر لیا
 ابرو برق و باد سے تاجِ برودشت و در

حق نے آدم کو خلافت اپنی جوئی تھی عطا
 دے رہے ہیں اُس خلافت پر گواہی بحر و بر
 تھا ارسطو اور فلاطوں کو بہت کچھ جن پر ناز
 ہو گئے تقویم پاریزہ وہ سب علم و ہنر
 کل کی تحقیقات نظروں سے اتر جاتی ہے آج
 بڑھ رہا ہے دہم دیوں آجکل علم بشر
 قوت ایجاد نے اب یہاں تلک پکڑا ہے زور
 شام کی ایجاد ہو جاتی ہے باسی تا سحر
 ساز و ساماں جو نہ تھے کل بادشاہوں کو نصیب
 کوڑیوں کے مول بکتے پھرتے ہیں وہ در بدر
 کہتے ہیں مغرب جب ہوگا برآمد آفتاب
 عرصہ آفاق میں ہوگی قیامت جلوہ گر
 دوستو! شاید وہ نازک وقت آپہنچا قریب
 آرہی ہے روشنی مغرب کے اک اُٹھتی نظر
 روت رتی کی چلی آتی ہے موجیں مارتی
 اگلے وقتوں کے نشان کرتی ہوئی زیر و زبر
 دستکاری کو مٹاتی صنعتوں کو روندتی
 علم و حکمت کی پرانی بستیاں کرتی کھنڈر

ہوشیاروں کو کرشمے اپنے دکھلاتی ہوئی
 غافلوں کو موت کا پیغام پہنچاتی ہوئی

بند دوم

ہند میں بھی یارو! آپہنچا ہے اس رو کا قدم
جو ہیں ناقابل۔ اب اُنکا کھلنے والا ہے بھرم
ہے ترقی۔ پر تنزل بھی ہے اس کے ساتھ ساتھ
یہ کسی کے حق میں اُرت ہے۔ کسی کے حق میں ستم
پست کو بالا یہ کر دیتی ہے اور بالا کو پست
کر دیا زیر و زبر اس نے۔ جہاں رکھا قدم
گُل کھلایا اس نے جو اقصائے مشرق میں ابھی
اُس کے لکھے وقت ہاتھوں میں لرزتے ہیں قلم
چین۔ جو وسعت میں کم اک براعظم سے نہ تھا
اک جزیرہ کی پٹ نے کر دیا اُسکو بحسم
دیکھنا پیچھے نہ ہم چشموں سے رہجانا کہیں
حق میں ہمسایہ کے ہمسایہ کا بڑھتا ہے ستم
جانتے ہوئے عزیز واپسے تنزل چیر کیا؟
”اُس پہ کر لینا قناعت۔ مل گیا جو بیش و کم“
گو کہ ہے افراد کے حق میں یہ خصلت کیمیا
حق میں لیکن قوم کے یارو یہی خصلت ہے ستم
تن پہ تھا فاروق اعظم کے پھٹا کرتا۔ مگر
قوم کی خاطر بھری نیت نہ لے کر ملکِ جم

جیتے ہیں وہ دنیا میں کیرے کوڑوں کی طرح
 جن کو بڑھنے کی تمنا اور نہ کچھ کھٹنے کا غم
 جس طرح موری کا کیرا خوش ہے اپنے حالمیں
 گزرے جو حالت اُسی میں بس مگن رہتے ہیں ہم
 پر زمانہ کہہ رہا ہے یہ - بہ آواز بلند
 یا قدم آگے بڑھاؤ - ورنہ نوراہِ عدم

بے ترقی ملک میں جینا ہے دشوار آج کل
 وحشیوں کی موت ہے شائستہ قوموں کا عمل

بند سوم

ہونہ ہمدردی کا عنصر قوم میں یار و جہاں
 وہاں ترقی کے لیے سب کوششیں ہیں رائگاں
 اس بیڑے کو ترقی کے نہیں کوئی ہوا
 جوشِ ہمدردی سے ہوتا ہے جہازِ اسکارواں
 قوم تھی یوناں کی دنیا میں ایک محدود قوم
 ہو گئی حبِ وطن سے فخرِ اقوامِ جہاں
 ایک کو کچھ ایک کی پروا نہ ہو جب قوم میں
 ہے حماقت - قوم کی کثرت پہ ہونا شادماں
 قوم کس گنتی میں ہے وہ - دل ہوں جسکے ملے
 گو کہ وہ کثرت سے اپنی گھیر لے سارا جہاں

ٹکڑے ٹکڑے ہو رہے ہوں جنکے دل وہ قوم کیا ہے
 ہے وہ اک مقل۔ لہو روتا ہے جس پر آسمان
 یاد رکھو! پڑ گئی جس ملک یا ملت میں بھوٹ
 ہیں وہ اس سماں میں کوئی دن کے سماں
 غزنوی۔ غوری۔ مغل۔ سادات۔ لودی اور غلام
 رہ گئے فوبت بہ فوبت ہند پر جو حکمران
 دن برے جب آئے اور باہم لگے سر بھوڑنے
 صفحہ ہستی سے اُن کا مٹ گیا نام و نشان
 دین کتے ہیں جسے۔ وہ خیر خواہی کا ہے نام
 ہے سلمانو! یہ ارشاد رسول انس و جان
 میں نمازیں اور روزے اور حج بیکار سب
 سوزِ امت کی نہ چنگاری ہو گر دل میں نہاں
 جس کا تم بھرتے ہو کلمہ جس پر پڑھتے ہو درود
 نام پر جس کے عزیز و اہل تم مذاکرے ہو جاں
 جیتے جی امت کی تو۔ دل کو رہی اسکے لگی
 وقتِ آخر امت امت اُس کے تھاوردنباں
 بھائی بھائی ہو گئے ہو دین کی برکت سے تم
 ہے غضب گر بھائیوں پر یوں نہ بھائی نہ رہاں
 کھول کر دیکھو کتاب اللہ کی۔ کہتی ہے کیا ہے
 کلمہ پڑھ لینے سے کچھ حاصل نہیں بے امتحان

لہ آنحضرت صلیو علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ الدین النبی صلیو علیہ وسلم

لہ اس شعر میں آیت ذی کبریاں اشارہ ہے اَحْسِبِ النَّاسَ اَنْ يَّعْلَمُوْا اَنْهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ

دین کا دعویٰ اور امت کی خبر لیتے نہیں

چاہتے ہو تم سند - اور امتحان دیتے نہیں

بند چہارم

اُن سے کہو - ہے مسلمانی کا جن کو ادعا
قوم کی خدمت میں ہے پوشیدہ بھیدا اسلام کا
وہ یہی خدمت یہی منصب ہے جس کے واسطے
آئے ہیں دنیا میں سب نوبت بہ نوبت انبیاء
قوم کی خدمت میں کر دیں اپنی جب عمریں تمام
تب فرائض سے نبوت کے ہوئے عمدہ برا
وہ رسول ہاشمیؐ وہ رحمت اللعالمینؐ
بیرونی کا جس کی دم بھرتے ہو تم صبح و مسا
جانتے ہو - قوم سے تھا اپنی کیا اُس کا سلوک
اُس طرف سے تھی جفا - اور اس طرف سے تھی دعا
کو نسی تکلیف تھی جو قوم نے اُس کو نہ دی
پر کبھی چاہا نہ اُس نے - قوم کا اپنی بُرا
جب اُحد میں ہو گیا دندانِ پاک اُسکا شعیب
قوم کے حق میں نہ نکلا منہ سے کچھ اس کے سوا
”کر ہدایت قوم کو یا رب! کہ ہیں معذور یہ“
”ان کی عقلوں پر ہے پردہ جہل و غفلت کا بڑا“

لَا تَنْفَرْتُمْ مَعَهُ الْفَاطِيَةِ تَحْتَهُ اَللّٰهُمَّ اِهْدِ قَوْمِيْ فَاَنْتُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۱۲

قوم کے حملے رہے جنگ کہ اُس کی ذات پر
 خندہ پیشانی سے سب اُن کے ہے جو رجواغہ
 پر لگی جب قوم سب مل کر مٹانے نام حق
 اور خدا کا پوجنا بندوں کو مشکل ہو گیا
 غیرت حق نے نہ دی پھر مہلت صبر و شکیب
 دین کی آخر حمایت پر کھڑا ہونا پڑا
 لشکر حق سے مگر جب ہو گئی مغلوب قوم
 پھر وہی شفقت - وہی رحمت - وہی احسان تھا
 تھی یہی وہ قوم جس کے حق میں فرماتے تھے آپ
 "ہے عرب کی دوستی جز دین اور ایمان کا"
 تھی یہی وہ قوم - تھا جس کے لیے ارشاد یہ
 "قوم کا خادم ہے آقا سب کا بے چون و چرا"
 قوم کے خادم رہے اور دوست جب تک اُن میں
 دین اور دنیا میں بول اسلام کا بالا رہا
 پر دیے - خود غرضیوں نے جبکہ دل الہی اک کے پھاڑ
 حکم جو مالک کا تھا بندوں کو وہ پورا ہوا
 حکم تھا اُس کا کہ جھگڑوں سے رہو تم برکنار
 ورنہ کھو بیٹھو گے سب اپنا وقار اور اعتبار

۱۱ آنحضرت علی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حُبِّ الْعَرَبِ مِنْ اِيْمَانٍ ۱۱

۱۲ فرمان نبوی ہے کہ سَيِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُ مَعْمُومٍ ۱۲

بند پنجم

سچ کسی دانائے تھا قوم سے اپنی کہا
 ”جو کہ حامی قوم کے ہیں انکا حامی ہے خدا“
 دیکھ لو! ممتاز دنیا میں وہی قومیں ہیں آج
 قوم پر قرباں ہے جنکا ہر اک جھوٹا بڑا
 یہاں ملک پھیلا ہے اب قوموں میں قومیت کا درد
 اپنے ایک اک فرد پر قوموں کی جانیں ہیں فدا
 ملک سارا چھین کر بھی اُن کو چین آتا نہیں
 اپنے اک مقتول کا جب مانگتے ہیں خون بہا
 اختلافِ دین و مذہب گھل رہا تھا جیسے زہر
 جس نے ملکوں میں دیے تھے خون کے دریا بہا
 دہدم وہ اختلاف اب بن رہا ہے اتفاق
 زہر میں ہونے کو ہے پیدا اثرِ تریاق کا
 کر رہا ہے جوشِ ہمدردی کی صورتیں ظہور
 وہ تعصب جس نے باپوں سے کیے بیٹے جدا
 دیتے ہیں وہ اپنے ذاتی فائدوں پر خاک ڈال
 اپنے جب نقصان میں ہو قوم کا اُن کی بھلا
 وہ صہلش کی جو انمردی سنی ہوگی۔ کہ جب
 ہوگی فرخ سیر کو ہاتھ سے اُس کے شفا

قوم پر قرباں کر دیں اپنی اُمیدیں تمام
 آپ کچھ لینا نہ چاہا اپنی خدمت کا صلا
 ہے اُسی حُب وطن کا اُس کے یہ سارا ظہور
 ہند پر ہے آج جو "برطانیہ" فرمانروا
 ایک ماہاں جس کو دس ملتے ہیں ہفتہ میں شلنگ
 جس کے کنبے کا سب اس تنخواہ پر ہے آسرا
 جا کے دے آتی ہے خوش خوش ایک ہفتہ کی طلب
 قوم کی خاطر کہیں سنتی ہے جب چندہ کھلا
 ہے غرض چندہ کی کیا، اس سے نہیں کچھ اسکو کام
 قوم کا نام آیا اور قابو سے دل باہر ہوا
 حق کو ہوتا ہے جنہیں دنیا میں کرنا سر بلند
 خصلتیں یہ برگزیدہ اُن کو ہوتی ہیں عطا
 اُن کے مفلس قوم کی خاطر وہ کر جاتے ہیں کام
 پست قوموں میں نہیں کر سکتے جو کام اغنیا
 ہے انہیں عہدِ ردیوں کا اُنکی یہ عمر کہ آج
 اس کرہ کے گرد ہیں وہ چھائی ہوئی مثل ہوا

لوہا مقناطیس کی جانب ہے کھینچتا جس طرح
 اُس طرف کھینچتی چلی جاتی ہے دُنیا اس طرح

بندِ ششم

ہے یہ قوموں کی ترقی اور تنزّل سے عیاں

خود تنزل میں ہے سرچشمہ ترقی کا نہاں
 ایک کابے جو تنزل - دوسرے کا ہے عروج
 اس کا بکتا ہے مکاں تب اُسکی چلتی ہے دوکلا
 کوئی یہاں بنتا نہیں جھٹکتے بگڑے دوسرا
 گھانسن کھد جاتی ہے جب - پڑتی ہے تب کھیتی میں جاں
 ہوتے ہوتے خشک جب دریا میں خاک اڑنے لگی
 تب ہوئے نہروں سے جنگل غیرت باغ جناں
 چھچھے مرغ چمن کو تب ہوئے جا کر نصیب
 کر چکا کڑے مکوڑے جب ہزاروں نوش جاں
 جان لو - قسمت کسی کی جانے والی ہے اب
 جب سنو یارو! بگڑتا کوئی گھریا خاندان
 آسماں سے بن کے خوان آتا نہیں اقبال کا
 ہے وہی اک چیز - کل معاں یہاں تھی - آج وہاں
 میزبان کی دیکھتی ہے آنکھ جب بدلی ہوئی
 وہاں سے اُٹھ کر دوسرا جا ڈھونڈتی ہے میزبان
 جانے والا ہے مقرر اُن کا گھر - غیر و نکلے پاس
 جو کمر باندھے ہوئے بیٹھے ہیں گھر کھونے پہ یہاں
 قصر و ایوان ہوں مبارک تم کو لے محنت کشو
 عیش کے بندے بہت ہونی کو ہیں بے خانماں
 یاد رکھو! ہوں گے اب حقدار - اُن کے جانشین
 ہاتھ سے حق کھو دیے اپنے جنہوں نے رائگاں

بڑوں کے مزدور اور کیسے اُن کے اب قائم مقام
 پھرتے ہیں بیکار جن کے گودک و پیرو جواں
 اے مسلمانو! فلک کی گردشوں سے غافلوا
 تم کو رخصت ہے۔ لہذا وقت و دولت راگیاں
 دیکھو جب غیروں کو تم بڑھتا۔ کرو اپنے پہ ناز
 میں تمہارے عیش و غفلت کی یہ سب فیاضیاں
 مت کرو شکوہ مشیت کا۔ خدا ظالم نہیں
 بندہ ظالم ہیں تمہاری اپنی بد اعمالیاں
 ہے یہ قانون الہی جو کبھی ٹلنا نہیں
 گو جگہ سے اپنی نہیں جائیں زمین و آسمان
 چھستی جائیں گی وہ قومیں جو بگڑتی جائیں گی
 تہنیاں جو سُکھتی جائیں گی جھڑتی جائیں گی

مستزاد

کی

روانگی ولایت

یہ ترکیب ۲۵ فروری ۱۹۸۵ء کو مستزاد پروفیسر سرتا اسلوم ملیگڈھ کی رخصت کے وقت جبکہ وہ ہندوستان سے قطع تعلق کر کے سر اہل و عیال انگلستان جانے والے تھے۔ ملیگڈھ میں مقام شریچال ہال خود مولانا نے پڑھا تھا (اسماعیل)

بند اول

دوست - اور پھر دوست بھی سچا - عجب نعمت ہے یہاں
 ہونیں سکتا بدل اک دوست کا سارا جہاں
 دوست کو دنیا میں سمجھو - اک درخت باردار
 پھول جسکے خوشنما - اور پھل غذائے جسم و جاں
 جس کے شاخ و برگ گوناگوں فوائد سے بھرے
 جس کا سایہ راہرو کے حق میں اک دارالاماں
 دوست کے ملنے میں ہے جو لطف - ظاہر ہے - مگر
 ہے بچھڑنے میں بھی اُس کے - اک عجب لذت نہاں
 ہجر میں جیتے ہیں اُس کے وصل کی امید پر
 اس لیے مجبور بھی رہتے ہیں اُس کے شادماں

آنکھ سے اوجھل نہیں ہوتا کبھی اُسکا خیال
دوستوں کے سامنے ہے وہ۔ رہے جا کر جہاں
اُس کی رخصت سے قلق ہوتا ہے گودل کو۔ مگر
یا درہتا ہے سدا۔ وہ وقت رخصت کا سماں
چُپ کھڑا ہے کوئی سب بڑھکر گلے ملتا کوئی
ایک کا اُندا ہے دل۔ ہیں ایک کے آنسو رواں
ہے یہ گو غم کا سماں۔ لیکن مبارک ہے وہ غم
جس سے ظاہر ہوں محبت اور صداقت کے نشان

جسم سے انساں کے۔ ہو جان رخصت جس طرح
مل کے پردیسی چلے پردیسیوں سے اس طرح

بند دوم

آج ہم اُس دوست سے افسوس۔ ہوتے ہیں جدا
دوستی پر جس کی ہم کو۔ فخر کرنا ہے بجا
قوم کا ایک اینگلو سکس۔ پہ دل سے خیر خواہ
ہند کی ایکستہ۔ در ماندہ۔ شکستہ قوم کا
دین کا پکاسیجی۔ پر سلمانوں کا دوست
جس نے ہم کو وہ زمانہ یاد پھر دلوادیا
جبکہ ہم کو دی گئی تھی یہ خبر قرآن میں
”پاؤ گے عیسائیوں کو دوست تم سب سے پہلے“

لَا تُخَيِّرُوا بَيْنَ آلِ أَبِي لَهَبٍ وَآلِ ابْنِ مَرْثَدَةَ
مَوَدَّةً وَلَا بَيْنَ آلِ ابْنِ مَرْثَدَةَ وَآلِ ابْنِ لَهَبٍ
[ائمہ ۵]

دین جس کا غیر اور بیگانہ جس کی نسل و قوم
 گھر سمندر پار جسکا۔ اور زبان نا آشنا
 خیر خواہی میں ہماری اُس نے سب ایکبارگی
 آفرقے یہ غرضی دل سے دیے اپنے مٹا
 جس قدر یہاں پیش آئیں ہم کو قومی مشکلات
 حاضر و غائب ہمارا اُن میں ساتھ اُس نے دیا
 کر دکھایا اُس نے وہ۔ جو حکم تھا انجیل میں
 ”تم پرانوں کا بھی اپنوں کی طرح چاہو بھلا“
 ہے جدائی شاق اُس کی پر نہیں جب اختیار
 ہے وہی مرضی ہماری جو کہ ہے اُس کی رضا
 ٹھان لی ہے اُس نے گو ہم سے جدائی کی۔ مگر
 ہم تو جب جانیں ہمارے دل سے ہو جائے جدا

قصہ کو تاہ ہم سے اب چھٹتا ہے پیارا آرٹل
 فخر سے ہم جس کو کہتے تھے ”ہمارا آرٹل“

بند سوم

کہتے ہیں دوری میں ہو جاتی ہے اکثر یاد کم
 پر کریں گے اُس کو دوری میں زیادہ یاد ہم
 ہند میں رہتی تھی اکثر اُس کے ملنے کی امید
 اس لیے اُس کی جدائی کا بٹا رہتا تھا غم

پر بظاہر ہے اب اُس کی یاد ہی اُس کا بدل
 اُس لیے یہ پھانسیں اب کھٹکا کریگی دمدم
 ایسے غمخواروں کو کوئی کس طرح دے بھلائے
 آگے جو پردیس میں کھاتے ہیں بیگانوں کا غم
 زندگی ہے جب تلک باقی نہ بھولیں گے کبھی
 آرنل کے ۔ مارسن کے ۔ بکے احسانات ہم
 مرحلے دشوار جو یہاں ہم کو پیش آتے رہے
 وہ رہے ہمدم ہمارے ہر جگہ اور ہمقدم
 جن جو انہروں کے یہ بڑاؤ ہوں غیر دیکے ساتھ
 کیوں نہ ہو قوم اُن کی عالم کی نظر میں محترم
 ہندیوں سے یہ ہیں گراخلاق انگلش قوم کے
 تو یہ سمجھو بک گئے ہاتھ اُنکے ہندی بے درم
 جس علم کی ہے دلوں میں خلق کے بوڑھی گڑھی
 تا قیامت سرنگوں وہ ہو نہیں سکتا علم
 بے محبت ہی کہ وحشی جس سے ہو جاتے ہیں رام
 جس کے آگے گردنیں ٹیڑھوں کی ہو جاتی ہیں خم

جو ہے ناسوروں کو بھر دیتا وہ مرہم ہے یہی
 جس سے جن تسخیر ہوتے تھے وہ خاتم ہے یہی

بند چہارم

ہے محبت کی کہانی میں بھی کیا دل بستگی

ختم پھر ہوتی نہیں یہ داستاں جب چھڑ گئی
 آرٹل کی سروالفت کے بیاں نے یکعلم
 یاد سے عظمت بھلا دی اُس کے علم و فضل کی
 ذکر اُس کا ہو۔ نہ جس میں علم کا اُس کے بیاں
 حد ناقص ہے۔ نہ قیدِ فضل ہو جس میں لگی
 علم میں جو اس کا زرجہ ہے وہ ہو کیونکر بیاں
 منہ ہے چھوٹا فی المثل۔ اور بات ہے یا ربڑی
 کارنامہ اُس کا ہے جو "دعوتِ اسلام" پر
 اُس کے علم و فضل پر بُرہان کافی ہے یہی
 مشرق و مغرب میں صدیوں تک رہیگی یادگار
 اُس نے جو تاریخ پر ڈالی ہے آکر روشنی
 دعوتِ اسلام پر مدت سے تھا چھایا ہوا
 اک اندھیرا۔ جس میں تھی ظلمت پر ظلمت بڑھی
 ہو رہے تھے سب مسیحی بدگماں اسلام سے
 جبر پر سمجھے ہوئے تھے جو بنا اسلام کی
 دونوں فرقوں کے دونوں تھا بڑھا یہاں تک غبار
 ہو گئی تھی بیچ میں دیوار اک گویا کھڑی
 اک مدت تک رہا تاریخ پر پردہ پڑا
 شاہد حق نے نہ جلوہ اپنا دکھلایا کبھی
 سب سے پہلے خود مسلمانوں کو لازم تھا کہ وہ
 جبر کے الزام سے اسلام کو کرتے بری

پھر مناسب تھا۔ سچی کرتے اس کی چھان بین
 نکلی کوشش سے ہیں جن کی غلطیاں اکثر دبی
 پر نہ کوئی کر سکا سر یہ ہم جز آرنل
 نام پر گویا اسی کے فتح تھی اس کی لکھی
 اُس نے جو لکھا۔ اُسے منوادیابے چون و چند
 مذہب اور تاریخ دونوں کے ہیں احسانمند

بند پنجم

تورنے والی تھی یہ تصنیف ہمت کی کمر
 کامیابی غیر ممکن اس میں آتی تھی نظر
 تھی مصنف کو ضرورت اس میں جس سامان کی
 جستجو میں اُس کی طے کرنے تھے اس کو بحر و بر
 مشکلوں کا تھا اُسے ہر ہر قدم پر سامنا
 ایک مشکل سے تھی مشکل دوسری دشوار تر
 ڈھونڈنے تھے اس کو شرق اور غرب کے وہ واقعات
 جن سے تھی تاریخ ساکت۔ اور سو رخ بے خبر
 قافلہ کا کھوج وہاں اُسکو لگانا تھا جہاں
 نقش پاتھے اور نہ آواز در اُتھی راہبر
 ہو رہا ہے قلم میں ان مشکلوں کا جو بیاں
 بے سرو پا سمجھیں ایسا ہی اُسے اہل نظر

جیسے ایک گونگا اشاروں میں کرے اگر بیاں
 سامنے اہل وطن کے اپنی رودادِ سفر
 جز مصنف کوئی درد اُس کا سمجھ سکتا نہیں
 جھیلے ہیں جو یہ کڑیاں۔ بس انہیں گو ہے خبر
 آرنل کا مذہبی دنیا پہ جو احسان ہے
 ہونہیں سکتا ادا شکر اس کا۔ قصہ مختصر!
 اب دعایہ ہے کہ پر دیسی مسافر خیر سے
 برکتوں کے سایہ ہی سایہ میں سب جا پہنچیں گھر
 آرنل۔ مس آرنل۔ مس آرنل۔ سب کے لیے
 یہ سفر فتح و ظفر کا ہو وسیلہ سرسبز

آرنل سے فتح علمی جو ہوئی ہے آشکار
 ہوں فتوحات آشکار اُس سے ایسے بے شمار

انجمن حمایت اسلام لاہور

اور اُس کے کام

یہ نظم اپریل ۱۹۷۲ء میں "انجمن حمایت اسلام لاہور" کے سالانہ جلسہ میں پڑھی گئی

بند اول

مے خدا برکت جماعت میں تری اے انجمن
 کر دیا تو نے نیا اسلام کا عہد کمین
 جس طرح اسلام کی بنیاد غربت میں پڑی
 تو نے بھی غربت میں جھیلے مدتوں ریج و محن
 جیسے گزرے سخت پہلے چند سال اسلام پر
 ایسی ہی گزری ہیں پہلی منزلیں تیری کٹھن
 اول اول جیسے یا در تھے قلیل اسلام کے
 تیرے یا در بھی یوں نہیں تھے ابتدا میں چند تن
 بدگماں اسلام سے جیسے رہے اول قریش
 تیری نسبت بھی بہت کچھ تھے دلوں میں سونہن
 سلطنت پر یا رییسوں پر نہ تھا تکیہ تجھے
 جز خدا کوئی نہ تھا سر پر ترے سایہ فلک
 تیری کوشش کی تھی بارانی نہایت کی مثال
 ہو جسے ہر دم لگی تا یُد غیبی کی لگن

باغبانوں کے پسینے کے سوا رکھتا تھا
 آبپاری کا کمیں سے آسرا تیرا چمن
 پر۔ رہا دل تیرا ایسا اپنی بہت سے قوی
 گویا شکر تھا خدا کا تیرے ساتھ اے انجن
 فتح پائی تو نے آخر اپنے استقلال سے
 بج گیا ڈنکا ترا کا بل سے لے کرتا دکن
 سانچ کو جب تک نہیں لے انجن دنیا میں آنچ
 تیری پشتی پر رہے تا یُد ربّ ذو المنن

تجھ سے اُمیدیں ہیں وابستہ بہت اجاب کی
 قوم کی دایہ ہے تو۔ اور ماں ہے تو پنجاب کی

ہند دوم

تو نے لی جس وقت لاوارث یتیموں کی خبر
 قوم میں کوئی شفیق اُن کا نہ آتا تھا نظر
 کہہ رہی تھی سیکسی اُن کی۔ زبانِ حال سے
 ”دین پر تھی اپنے جو نازاں وہ اُمّت ہے کدھر؟
 ہو رہی ہے پود کب سے پائمال اسلام کی
 اور کوئی کلمہ گو لیتا نہیں اُس کی خبر
 بھائیوں کے دل پہ اُس سے میل تک آتا نہیں
 جو مصیبت دیکھ کر غیروں کا جی آتا ہے بھر

کر رہے ہیں قحط کے دور سے قیامت آشکار
 چھٹ رہی ہیں بنیاں اداں سے۔ باپوں سے پسر
 والی ہیں کھیتوں پر ٹڈیاں جس طرح لوٹ
 قحط سالی میں یونہی بڑتی ہے لوٹ اسلام پر
 نالاج آنے کے عوض بکتا ہے یوں دین میں
 جس طرح بکتی ہے بازار میں جس کس مخز
 سے پہلے بیکسوں کی یہ صدا تو نے سنی
 دل گیا تیرا رز۔ ان کی بتا ہی دیکھ کر
 تھا قساوت کا سماںوں پر جو دھبا۔ اُسے
 تو نے دھویا۔ دھل سکا ہاتھوں سے تیرے بس قدر
 پر یہ دھبا قوم کے دامن سے چھٹ سکتا نہیں
 ہاتھ بٹوایا نہ مل کر قوم نے تیرا اگر
 تک رہے ہیں تیری جانب قوم کے لاکھویں
 دور سے سن کر ترے "دارالیتامی" کی خبر
 ایک انار اور اسکو تکتے سینکڑوں بیمار ہیں
 نے گی کس کس کی خبر تو۔ قوم غافل ہے اگر؟
 پائیں گے ڈھونڈے نہ پھر اسلام کی دنیا میں یہ
 قحط کے دور سے گئے دوچار اگر ان پر گذر
 ہو گئے خالی ہزاروں گھر یونہی اسلام سے
 گونجتی رہتی تھیں تکیریں جہاں سلام و سحر
 قوم کو پروا نہیں ان کی تو سن سے انجمن

بے پھر ان لاوارثوں کا بھجاو ماؤں-بش

پند سوم

پرورش میں انکی جاں کھپاتے ہیں جہاں
 اُن کو شفقت سے کھلاتے اور پنہاتے ہیں جہاں
 عادتیں دیتے ہیں سب انکی جہان مانگے میں ڈھال
 جالور سے آدمی اُن کو بناتے ہیں جہاں
 رکھتے ہیں ماں باپ سے بڑھ کر جہاں انکا خیال
 لاڈلوں کی طرح ناز اُن کے اُٹھاتے ہیں جہاں
 کرتے ہیں لائق انہیں دنیا میں رہنے کے لیے
 صنعت و علم و ہنر اُن کو سکھاتے ہیں جہاں
 مینہ برستا ہے جہاں دولت کا اُنکے واسطے
 رات دن امداد کے پیغام آتے ہیں جہاں
 شیر خواروں کو جہاں رکھتے ہیں ماؤں کی طرح
 نرم نرم اُن کو بچھونوں پر سلاتے ہیں جہاں
 اُن کی خدمت کے لیے - اُن کی حفاظت کیلئے
 مانیاں - اناہیں - ماماہیں - بھلاتے ہیں جہاں
 اُن کو جھولوں میں جھلاتے ہیں جہاں شام و سحر
 مثل فرزندوں کے اُن کو رکھ رکھاتے ہیں جہاں
 قوم میں پرستش نہیں انکی تو دہاں پہنچیں گے وہ

پتلیوں پر اُن کو آنکھوں کی بٹھاتے ہیں جہاں
 اب کو حقدار اُن کا ہے رشن یا انجمن
 سال بھر میں تین دن - لے دیکے آتے ہیں جہاں
 جبکہ آکر انجمن کی سنتے ہیں روداد ہم
 پھر کبھی کرتے نہیں بھولے سے اُسکو یاد ہم

بند چہارم

اس سے بڑھ کر ہوگی کیا اے قوم عبرت کیجگہ؟
 بوشن - اسلام کے پودوں کی خدمت کیجگہ
 دل نہ اپنوں کا پسجے - اور کرٹھے غیر دیکاجی
 ہے مسلمانو! یہ غیرت اور حمیت کی جگہ
 کیا قباست ہے کہ حامی جن کے بیٹے نہیں
 وہ نہ پائیں قوم میں اپنی حمایت کی جگہ
 کیا غضب ہے - غیر آسائش کے ہوں جتنے کفیل
 اُن کو اپنوں میں ملے دھونڈی نہ راحت کیجگہ
 ہمسری فیروں کی گردولت میں کر سکتے نہیں
 دین کی غیرت تو تم رکھتے ہو دولت کی جگہ
 بیکسوں کا دین بھی جس سے بچے اور جان بھی
 اس سے بڑھ کر کونسی ہوگی امانت کیجگہ؟
 ادعا ہے ہم کو اسلامی حیثیت کا اگر

اس سے بڑھ کر کونسی ہوگی حیات کیجنگ؟
 اپنے بچوں کو مشن میں دیکھیں اور ہم رہ جائیں
 کون سی اس سے زیادہ ہوگی زلت کیجنگ؟
 اب یہ اس کے کہ ہم اپنے یہ خود نفرتی کر رہا
 رہ گئی ہے کونسی باقی ملامت کی جگہ؟
 قحط نے یارو! کیا ہے دیکھ گھر اسلام کا
 گھر کو رکھنا ہے اگر؟ تو ہے یہ بذات بہت کیجنگ

لوٹ سے قحطوں کی کچھ دن اور اگر غفلت رہی
 گود خالی ایک دن ہو جائے گی اسلام کی

بند پنجم

وہ گیا دورہ کہ تھے خلقت کے جتنے کاروبار
 سب کا سلطانی اعانت پر تھا بس دار و مدار
 راج کے ذمہ تھی پر جا کی ہر ایک بہبود و سود
 آدمی اپنے فرائض کے نہ تھے خود ذمہ دار
 اب زمانہ وہ ہے جس میں جز نظام مملکت
 راج کے ذمے نہیں پر جا کا کوئی بوجہ بار
 کر رہی ہیں اپنے اپنے بل پر اب قومیں وہ کام
 جو نہیں کر سکتے شاہنشاہ و شاہ و شہریار
 پڑ رہا ہے آج دنیا میں یہی غل چار سُو

نورِ غیرِ قوم کی۔ گر قوم کے ہو غمگسار
 دین کا اگر درجے تم کو۔ تو دوس کو فروغ
 اور گردِ ہر نیک و بد پر محبت حق ہشکار
 غمِ دمن کی در سگا ہیں ملک میں قائم کو
 بھائیوں کی گرجاں دل پہ گزرے ناگوار
 دیکھ کر حالت یتیموں کی۔ اگر کڑھتا ہے جی،
 مالِ دولت کے سب اُن پر کرو بار و نثار
 انجمن کو سمجھو اپنے حق میں ایک انعامِ حق
 کر رہی ہے جو ادا۔ قومی فرائض بیشمار
 انجمن کو شکر کی جا ہے کہ ہے ہر دم فروغ
 دلی بدن بڑھتے چلے جاتے ہیں اسکے کار و بار
 ہے تمنا یہ۔ ترقی اُس کی روز افزوں ہے
 اس ترقی سے مگر رہنا عزیز و ہوشیار
 ہو رہی ہے جو عمارتِ دمدم یار و بلند
 اُس کو خطرہ ہے۔ اگر بنیاد ہے نا استوار

اس سے کیا حاصل کہ تم نے جوت لی ملیوں میں
 آبِ پاشی کی بھی کچھ تدبیر کی ہے یا نہیں؟

بند ششم

اب نہیں وہ دن کہ کھو کر مالِ دولت لنگا
 چند نا اہلوں میں ہوں مشہور فیاضِ زماں

نام روشن باپ دادا کا کریں بے لے کے قرض
 بیچ بیچ اسلاف کا ترکہ - رچائیں شادیاں
 ایک سوئڈن یا کہ بسم اللہ کی تقریب میں
 ہوں بہت مسنون - گر رکھنے کوئی گروئی مکاں
 لیں نہ کچھ اسکی خبر - نفلس کوئی بھائی ہوگر
 پر ہوں دسترخوان پر دس بیس حاضر میہماں
 در سے خالی ہاتھ کوئی مانگنے والا نہ جائے
 گو کہ فاقہ سے ہوں ہمسا یہ کے بچے نیچاں
 ساری یہ قیاسیاں نبھ سکتی تھیں یار و جہی
 قوم کے سر پر نہ تھا جب قوم کا بار گراں
 اب عزیزو! جز رسی اور کفایت کا ہے وقت
 ہے تمہارا میہماں - لوٹا ہوا اک کار داں
 آجکل ہے بس یونہیں امداد کی محتاج قوم
 قحط میں پانی کی بھوک جیسی یارو! کھینیاں
 اغنیا غافل ہیں اور ماؤں سب تنگ دست
 پونجیاں اوجھی ہیں اور درپیش ہے خیم گراں
 ناؤں ہاتھوں سے اُس اُمت کی کھینی ہے تمہیں
 تھا کھو یا جس کے بیڑے کا رسول انس و جان

جس کی عزت درحقیقت عزتِ اسلام ہے
 جس کی ذلت خود تمہاری ذلتوں کا نام ہے

چپکی واو

یہ اعلیٰ درجہ کی نظیر نہیں نہایت سچی اور واقعی تعریف فرقہ نشینوں کے اوصاف
مہر و حیا اور ہر و وفا کی دلآویز طریقہ پر بیان کی گئی ہے۔ مولانا نے صفحہ ۶
میں تعصب کی اتھی۔ لمبا طے اپنے اثر اور شہرت کے یہ نظم مولانا کی مقبول ترین
نظموں میں سے ہے۔ مولانا کو خود بھی اس پر بہت فخر و ناز تھا (دیکھیں)

بند اول

مے مار، بہنو، بیٹو! دنیا کی ریت تم سے ہے
ملکوں کی بستی ہو تمہیں۔ قوموں کی عزت تم سے ہے
تم گھر کی خوشنوا دیاں۔ شہر دار کی بجا دیاں
غٹیں دلوں کی شادیاں۔ رکھ، مکھ میں راحت تم سے ہے
تم ہو تو غربت ہے وطن۔ تم نہ ہو دیرانہ چمن
بودیس یا پردیس۔ بیٹے کی خلاوت تم سے ہے
نیکی کی تم تصویر ہو۔ عفت کی تم تدبیر ہو
ہو دین کی تم پاسباں۔ ایمان سلامت تم سے ہے
فطرت تمہاری ہے حیا۔ طینت میں ہے مہر و وفا
گھٹی میں ہے صبر و رضا۔ انساں جبارت تم سے ہے
خرد و نہیں ست والے تھے جو۔ ست بیٹھے اپنا کب کا کھو

دنیا میں لے سوتے تھے دے کے اب ست تم نے ہے
 مونس ہو خاوندوں کی تم - غمخوار فرزندوں کی غم
 تم بن ہے گھر دیران سب گھر بھر میں بکت تم ہے
 تم آس ہو بیمار کی - دھار س ہو تم بیکار کی
 دولت ہو تم ناوار کی - عیبت میں حشر تم ہے

آتی ہو اکثر بے طلب - دنیا میں جب آتی ہو تم
 پر مومنی سے اپنی یہاں - گھر بھر پر چھا جاتی ہو تم

بند دوم

میکے میں سارے گھر کی تھیں - گو مالک و مختار تم
 پر سارے کہنے کی رہیں - بچپن سے خدمتگار تم
 ماں باپ کے حکموں پر پتلی کی طرح پھرتی رہیں
 غمخوار باپوں کی رہیں - ماؤں کی تابعدار تم
 دن بھر پکانا - ریندھنا - سینا - پرونا - ٹانگنا
 بیٹھیں گھر پر باپ کے - خالی کبھی نہ ہمار تم
 راتوں کو چھوٹے بھائی بہنوں کی خبر اٹھ اٹھ کے لی
 بچہ کوئی سوتے میں رویا - اور سوئیں بیدار تم
 سسرال میں پہنچیں تو وہاں - اک دوسرا دیکھا جہاں
 جا آتے ہیں دیس سے - پردیس میں اک بار تم
 وہاں فکر تھی ہر دم یہی - ناخوش ہو تم سے کوئی

اپنے سے رنجش کے کبھی۔ پاؤں وہاں آنا تم
 بدلے نہ شوہر کی نظر۔ سرے کا دل سیلا نہ ہو
 آنکھوں میں ساس اور رنہ کی کھٹکھٹ مثل خار
 پالاروں سے گر پڑے۔ بدخوبیوں سے بھونٹے بیٹے
 چتون پر نہیں لے نہ دو۔ گواہ میں ہو یہ زار

غم کو غلط کرتی رہو۔ سسرال میں ہنس بولیں کر
 شربت کے گھونٹوں کی طرح۔ پیتی رہو خون جگر

بند سوم

شادی کے بعد ایک آگ کو۔ تھی آرزو اولاد کی
 تم بھنس گئیں جنجال میں۔ خالق نے جب اولاد دی
 دردوں کے دکھ تم نے سہے۔ جا پے کی جیلیں سختیاں
 جب موت کا چکھا مزا۔ تب تم کو یہ دولت ملی
 سیکے دیں در سسرال میں۔ سب کے ہوئے دل باغ بارغ
 گھر میں اجالا تو ہوا۔ پر تم پہ بیٹا پر گئی
 کھانا۔ پہننا۔ اور دھنا۔ اپنا گئیں سب بھول تم
 بچوں کے دھندے میں تھیں۔ اپنی نہ کچھ سدھ بدھ رہتی
 تب تک بھی سمجھو خیر تھی۔ جب تک بھلے چنگے تھے سب
 پر سامنا آفت کا تھا۔ گر سو گیا ماندہ کوئی
 سولی پہ دن کھٹنے لگے۔ راتوں کو نیندیں آگئیں

اک اک برس کی ہو گئی۔ اک اک پل۔ اک اک گھڑی
 بچوں کی سیوا میں تمہیں۔ گزرے ہیں جیسے بس برس
 قدر اُسکی جان بگاڑی۔ دم پر ہو یوں جس کے بنی
 کی ہے ہم جو تم نے سر۔ مردوں کو اُس کی کیا خبر
 جانے پرانی پیڑ وہ۔ جس کی بوائی ہو پھٹی
 تھا پالنا اولاد کا۔ مردوں کے بوتے سے سوا
 انہی اے دکھیا ریو! خدمت تمہارے سر پر

پیدا اگر ہو تیں نہ تم۔ بیڑا نہ ہو تا پار یہ
 چنچ اُٹھتے دودن میں۔ اگر مردوں پہ پڑتا بار یہ

بند چہام

لیتیں خبر اولاد کی۔ مائیں نہ گر چھپیں میں یہاں
 خالی کبھی کا نسل سے آدم کی ہو جاتا جہاں
 یہ گوشت کا اک لوتھرا۔ پروان چڑھتا کس طرح
 چھاتی سے لپٹائے نہ ہر دم رکھتی گر بچے کو ماں
 وہ دین اور دنیا کے مصلح۔ جن کے وعظ اور بندے
 ظلمت میں باطل کی ہوا۔ دنیا میں نور حق عیاں
 وہ علم اور حکمت کے بانی۔ جن کی تحقیقات سے
 ظاہر ہوئے عالم میں اسرارِ زمین و آسمان
 وہ شاہِ کشور گیر اسکندر۔ کہ جس کی دھاک سے

تھے بید کی مانند لرزاں۔ تاجدار اب جہاں
 وہ فخر شاہانِ عجم کسری۔ کہ جس کے عدلی کی
 مشرق سے تا مغرب زبانون پر ہے جاری داستان
 کیا پھول پھل یہ سب۔ انہیں کمزور پودوں کے نہ تھے
 سینچا تھا ماؤں نے جنھیں۔ خونِ جگر سے اپنے یہاں
 کیا صوفیاں باصفا۔ کیا عارفانِ با خدا
 کیا انبیاء۔ کیا اولیاء۔ کیا غوث۔ کہا نصیب ناں

سرکار سے مالک کی جتنے پاک بندے ہیں بڑھے
 وہ ماؤں کی گودوں کے زینے سے ہیں سب اوپر چڑھے

بند پیچم

افسوس! دنیا میں بہت تم پر ہوئے جور و جفا
 حق تلفیاں تم نے سہیں۔ بے مہربانیاں جھیلیں سدا
 اکثر تمہارے قتل پر۔ قوموں نے باندھی ہے کمر
 دیں تاکہ تم کو یک قلم۔ خود لوحِ ہستی سے مٹا
 گاڑی گئیں تم ند توں۔ مٹی میں جیتی جاگتی
 حامی تمہارا تھا نہ یاور۔ کوئی جزو ذاتِ خدا
 زندہ سدا جلتی رہیں۔ تم مردہ خاوندوں کیساتھ
 اور جن سے عالم رہا۔ یہ سب تماشے دیکھتا
 بیاہی گئیں اُس وقت تم۔ جب بیاہ سے فائدہ تھیں

جو عمر بھر کا وعدہ تھا۔ وہ کچے دھانگے سے بددھما
 بیاہا تمہیں ناں باپنے۔ اے بے زبانا! اس طرح
 جیسے کسی تقصیر پر۔ مجرم کو دیتے ہیں سزا
 گذری امید فرہم ہیں۔ جب تک رہا نا فی سماک
 بیوہ ہوئیں تو عمر بھر۔ پھر چین قسمت میں نہ تھا
 تیرے سخت سے سخت استغاثاں دیتی رہیں۔ پر رانگیاں
 کیں تم نے جائیں تک خدا۔ کہلائیں لیکن بیوفا

گو صبر کا اپنے نہ کچھ۔ تم کو ملا انعام یہاں
 پر جو فرشتے سے نہ ہو۔ وہ کر گئیں تم کام یہاں

بند ششم

کی تم نے اس دارالمن بد جس تھل سے گذر
 زیبا ہے گر کہتے تمہیں۔ فخر بنی نوع بشر
 جو سنگدل۔ سفاک۔ پیاسے تھے تمہارے خون کے
 آن کی تو ہیں بیڑھیاں مشہور عالم میں۔ مگر
 تم نے تو خین اپنے فریداروں سے بھی پایا نہ کچھ
 شوہر ہوں اسیں یا پیدر۔ یا ہو برادر یا پسر
 اُغت تمہاری کر گئی گھر دلیں جس بے دید کے
 وہ بدگماں تم سے رہا۔ لے بے نصیبو! عمر بھر
 گونیک مرد اکثر تمہارے نام کے عاشق ہے

پر نیک ہوں یا بد۔ رہے سب متفق اس رائے پر
 جب تک جیو تم۔ علم و دانش سے رہو خود یہاں
 آئی ہو جیسی بنے خبر۔ ویسی ہی جاؤ بے خبر
 تم اس طرح مجھول اور گنہگار دنیا میں رہو
 ہو تم کو دنیا کی۔ نہ دنیا کو تمہاری ہو خبر
 جو علم مردوں کے لیے سمجھا گیا اب حیات
 پھیرا تمہارے حق میں وہ نہر بلا ہل سرسبز

آتا ہے وقت انصاف کا۔ نزدیک ہے یوم الحساب
 دنیا کو دینا ہو گا۔ ان حق تلفیوں کا وہاں جواب

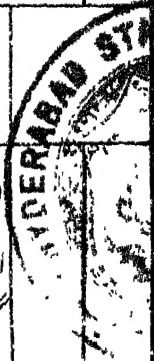
بند ہفتم

گزرے تھے جگ تم پر۔ کہ عہد روی تھی تم سے کہیں
 تھا مغفرت تم سے فلک۔ برگشتہ تھی تم سے زمین
 دنیا کے دانا اور حکیم۔ اس خوف سے لرزاں تھے سب
 تم پر بہارا۔ علم کی پڑ جائے پر چھائیں کہیں
 ایسا نہ ہو مرد اور عورت میں رہے باقی نہ فرق
 تعلیم پا کر آدمی بننا تمہیں زیبا نہیں
 یہاں تک تمہاری ہو کے گائے گئے دنیا میں راگ
 تم کو بھی دنیا کی کہن کا آگیا آخر یقین
 علم دہن سے رفتہ رفتہ ہو گئیں مایوس تم

سمجھا لیا دل کو کہ ہم - خود علم کے قابل نہ تھیں
 جو دلتیں لازم ہیں دنیا میں جہالت کے لیے
 وہ دلتیں سب نفس پر - اپنے گوارا تم نے کیں
 سمجھا نہ تم کو ایک دن - مردوں نے قابل بات کے
 تم بریاں کہنا بنیں - لیکن لونڈیاں بن کر رہیں
 آخر تمہاری چپ - دلونیں اس دل کے چبھ گئی
 سچ ہے کہ چپ کی داؤد آخر بے ملے رہتی نہیں
 بارے زمانہ نیند کے ماتوں کو لایا ہوش میں
 آیا تمہارے صبر پر دریائے رحمت جوش میں

بند ہشتم

نوبت تمہاری حق رسی کی بعد ملت آئی ہے
 انسان کے دھندلی سی اک اپنی جھلک دکھلائی ہے
 گو ہے تمہارے حامیوں کو مشکوں کا سامنا
 پر صل ہر اک مشکل یونہی - دنیا میں ہوتی آئی ہے
 آنکے ہیں روئے چلتی گاڑی میں سچائی کے سدا
 پر نتج جب پائی - سچائی ہی نے آخر پائی ہے
 خطاب بہ حامیان تعلیم نسوان
 اے بے زبانوں کی زبانو! بے بسوں کے بازو!
 تعلیم نسوان کی مہم - جو تم کو اب پیش آئی ہے



یہ مرحلہ آیا ہے پہلے تم سے۔ جن قوموں کو پیش
منزل پہ نگاہ تھی اُن کی۔ استقلال نے پہنچی گئی ہے
ہے رائی بھی پر بت۔ اگر دل میں نہیں بزمِ درست
یہ نفعان لی برب جی میں پھر پر بت بھی ہو تو رائی ہے
یہ بیت کیا کم ہے کہ خود حق ہے تمہاری پشت پر
جو حق یہ سنہ آیا ہے آخر اُس نے سنہ کی کھائی ہے
”جو حق کے جانبدار ہیں۔ بس اُن کے بیڑے پار ہیں“
بھوپالی کی جانب سے یہ۔ ہائف کی آواز آئی ہے

ہے جو فہم در پیش۔ دستِ غیب ہے اُس میں نہاں
تائیدِ حق کا ہے نشان۔ امداد ”سلطانِ جہاں“

فہرست کتب حالی پبلیشو

- ۱۔ اصول و اخلاق اسلام۔ دینیات کا یہ مختصر لکچر نہایت جامع رسالہ آئینہ میں خواجہ غلام الدین صاحب کی تصنیف ہے جسکو خواجہ غلام الدین صاحب نے بہت سی ترمیم و توشیح کے بعد حالی میں تیسری مرتبہ شائع کیا ہے۔ اس میں بچہ آسان اور سلیس زبان میں چھوٹے بچوں کے لیے دینیات کے عام اصول اور فردی مسائل (جن کا احاطہ ہر مسلمان بچے کا سیکھنا پڑنا ضروری ہے) نہایت جامعیت اور عمدگی کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔ دینیات کے اب تک شائع ہونے والے اردو میں لکھے گئے دیگر رسالے یقیناً ان سے بہتر ہیں۔ البتہ یہ تو بلا تامل دس فرمادیں۔ قیمت فی جلد ۲ روپے
- ۲۔ پھولوں کی ڈالی۔ چھوٹے بچوں کے لیے نہایت دلچسپ اور آسان خاص اخلاقی نظموں کا نہایت خوبصورت مجموعہ پنجاب کی سکول لائبریریوں کے لیے سرکاری طور پر منظور شدہ قیمت ۸ روپے
- ۳۔ اسلامی کہانیاں۔ بچہ آسان اور سلیس زبان میں تمام تاریخ اسلام کا خلاصہ چھوٹی چھوٹی کہانیوں کی شکل میں بچوں کے لیے بڑی عمدہ اور بہت عمدہ کتاب ہے قیمت ۸ روپے
- ۴۔ علمی ڈاکٹر کرمی۔ علم دوست حضرات کے لیے یہ نہایت ہی مفید و بکار آمد کتاب ہے اس میں اول تمام ہندوستان کے اخبارات و رسائل کے فصل مقالات اور ان کی فہرست دینے کے بعد ہر قسم کی انٹرنیٹ، جرائد، اعلیٰ علم اشخاص اور سینکڑوں تعلیم یافتہ مسطورات کے پورے پتے بہت تلاش سے جمع کر کے درج کیے گئے ہیں۔ اور نو نو بچوں میں بھی جو یہ قیمت ۸ روپے
- ۵۔ جنت کے پھول۔ نہایت دلچسپ سببی نلموں کا مجموعہ۔ قیمت دو پیسے
- ۶۔ سیر المصنفین۔ ابتدا سے ہر دور کے مشہور مصنفین اردو کے حالات۔ زبان اردو کی عمدہ تصانیف کی سلسلہ تاریخ۔ قیمت ۸ روپے
- ان کتابوں کے علاوہ مولانا حالی کی تمام نظم و نثر تصانیف ہم سے سنگائیں۔

پتہ۔ منیجر حالی بک ڈپو پانی پت

مطبع آرٹ پریس

دہلی

آگرہ